دوسری صدی ہجری کی شہرۂ آفاق عارفہ کی
سوانح حیات، واقعات، فرمودات، مناجات،
تعلیمات، کرامات، اوصاف اور کمالات کا تذکرہ

رحمۃ اللہ علیہا

حضرت رابعہ بصری

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے
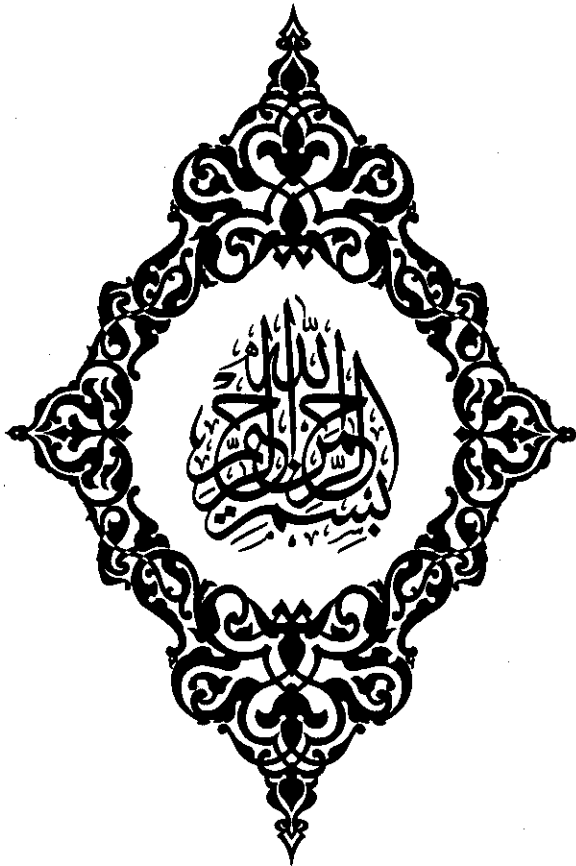
In the Name of Allah, Most Gracious, Most Merciful

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی آخری مناجات

اے اللہ! تیرا سب سے اچھا تحفہ

جو میرے دل میں ہے، وہ تجھ سے ملنے کی اُمید ہے

اور میری زبان پر سب سے میٹھا جو لفظ ہے وہ تیری حمد وثنا ہے

اور وہ لمحات جن کو میں سب سے زیادہ چاہتی ہوں وہ ہیں

جب میں تم سے ملتی ہوں

اے اللہ! میں اس دُنیا میں تیری یاد کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی

اور اگلی دُنیا میں تیرے دیدار کے بغیر کس طرح زندہ رہ سکوں گی

اے میرے آقا! میری تم سے فریاد ہے کہ میں تیرے ملک میں اجنبی ہوں

اور تیرے عبادت گزاروں میں تنہا ہوں۔

(بحوالہ "قصد الی اللّٰہ" از: امام ابوالقاسم العارف)

دوسری صدی ہجری کی شہرۂ آفاق عارفہ کی سوانح حیات، واقعات، فرمودات، مناجات، تعلیمات، کرامات، اوصاف اور کمالات کا تذکرہ

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

رَابِعَةُ العَدَوِيَّة

حافظ ناصر محمود

ناشران
بک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان
فون نمبر 0544-614977
فون نمبر 0544-621953
موبائل 0323-5777931
موبائل 0321-5440882
ویب سائٹ www.bookcorner.com.pk ای میل info@bookcorner.com.pk

اشاعت	:	اپریل ۲۰۱۱ء
نام کتاب	:	حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا
مصنف	:	حافظ ناصر محمود
ترتیب وتدوین	:	محمد حارث
نظر ثانی	:	محمد لطیف شاہین
تزئین واہتمام	:	شاہد حمید
معاونین	:	گگن شاہد۔ امر شاہد
پروف ریڈنگ	:	ولی اللہ
سرورق	:	ابو امامہ
مطبع	:	زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

التماس: اللہ ربّ العزت کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتاب کی تصنیف، پروف ریڈنگ، طباعت، تصحیح اور جلد بندی میں انتہائی احتیاط کی گئی ہے۔ تاہم غلطی کا احتمام بہرحال باقی رہتا ہے۔ بشر ہونے کے ناطے اگر سہواً غلطی رہ گئی ہو یا صفحات درست نہ ہوں تو ناشر، پروف ریڈرز اور طابع ہر قسم کے سہو پر اللہ غفور الرحیم سے عفو وکرم کے خواست گار ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ کتاب میں اگر کہیں بھی غلطی یا خامی نظر آئے تو ازراہِ کرم مطلع فرمادیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں درستگی عمل میں لائی جاسکے۔ ادارہ ''بک کارنر جہلم'' کے متعلقین اپنے کرم فرماؤں کے تعاون کیلئے بے حد شکر گزار ہیں۔ (ناشر)

ناشران

بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، جہلم پاکستان
رابطہ: 0544-621953, 614977-0323-5777931
WWW.BOOKCORNER.COM.PK

انتساب

کائنات کی عظیم ترین خواتین

اُمہات المومنین، بناتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،

عظیم صحابیات اور جلیل القدر دُخترانِ اسلام کے نام

جو کتابِ زندگی میں زرّیں اوراق کی طرح نمایاں ہیں!

بقول سر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

جهان را محکمی از امهات است
نهادِ شاں امین ممکنات است
اگر ایں نکته را قومے نداند
نظام کاروبارش بے ثبات است☆

ناشر

☆اِس جہان میں کسی قوم کا استحکام وثبات اُس قوم کی ماؤں پر منحصر ہے جن کی فطرت یا وجود ممکنات کا امانت دار ہے۔ اور اگر اِس راز کو افرادِ قوم نہیں سمجھتی تو اُن کا نظام یا کاروبارِ حیات ناپائیدار اور غیر مستحکم ہوگا۔

تشریح: رفیق احمد ساقی (مؤلفہ: جامع فارسی اُردو لغات)

''مجھے غیر اللہ سے مانگتے ہوئے حیا آتی ہے کیونکہ
مالکِ دُنیا تو اللہ تعالیٰ ہے اور دُنیا کو ہر شے عاریتاً عطا
کی گئی ہے اور جس کے پاس خود ہر شے عارضی ہو اُس
سے کچھ طلب کرنا باعثِ ندامت ہے۔''

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

فہرست

سرِ دلبراں

دورِ حاضر میں پوری دنیا ایک رُوحانی خلا میں مبتلا ہے اور مادیت اور الحاد کی زد میں ہے تقریباً تمام مسلمان ممالک بھی مادیت کی لپیٹ میں آچکے ہیں جس کی وجہ سے رُوحانی اقدار، مسلم ثقافت و معاشرت اور تہذیب و تمدن کو شدید خطرات لاحق ہو چکے ہیں اور کئی جگہ تو ان کے بدل جانے کے خدشات پیدا ہو چکے ہیں مادیت کے ان مہیب اندھیروں سے نکلنے کے لئے ہمارے پاس اسلامی تعلیمات کی روشنی موجود ہے جو ہمیں اولیائے کرام، صوفیائے عظام اور علماء کی وساطت سے ملی ہے۔ یہی وہ راہ ہدایت کے روشن چراغ ہیں جو فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں:

اَلْعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل.

کی واضح دلیل اور معیار پر پورے اترتے ہیں اس روشنی سے نہ صرف ہم خود بلکہ پوری دنیا کے باسی امن وسکون، محبت ورواداری اور سلامتی کی زندگی بسر کر سکتے ہیں اور اپنے رُوحانی خلاؤں کو پُر کر سکتے ہیں۔

دُنیائے اسلام کو یہ خصوصی امتیاز حاصل رہا ہے کہ اس میں ہمہ وقت ایسے نفوسِ قدسیہ، موجود رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ علم سے عامۃ الناس کو اپنے خبر و نظر کے رُوحانی چشموں سے سیراب کرتے رہے ہیں جس کی وجہ سے ان میں اسلامی اقدار کے چراغ جلتے رہے ہیں ہم اپنے ماضی کی طرف نظر دوڑائیں تو ہمیں اپنے اکابرین و مدبرین کی وہ تاریخ ساز جدوجہد، محنت، عرق ریزی اور جانفشانی تاریخ کے اوراق پر جگہ جگہ دکھائی

دیتی ہے جس نے انسانی کے تنِ مردہ میں اسلام کی تابندہ روشنی کی رُوح پھونک دی تھی۔

ایسی ہی نامور ہستیوں میں سے ایک ہستی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی ہے جنہوں نے اپنی تعلیمات اور طرزِ عمل سے تصوف کی دنیا میں ایک تموج پیدا کیا۔ نئی راہیں نکالیں اور آنے والوں کے لئے ایک روشن راستہ بنا گئیں۔ انہوں نے بے غرض اور بے لوث محبت کے ایسے چراغ روشن کئے جن سے ساری دنیائے تصوف نہ صرف متاثر ہوئی بلکہ متعارف ہوئی۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے حالاتِ زندگی کی تدوین وتالیف کا اصل مقصد یہ ہے کہ موصوفہ کے اعمالِ مقدسہ اور تعلیمات کو یاد کیا جائے اور اس کے مطالعہ سے دِل میں وہ آگ روشن کی جائے جس سے اللہ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہو اور باقی تمام اُلفتیں خاکستر ہو جائیں نیز صداقت اور پارسائی کے اس عملی نمونے کی پیروی واتباع کا موقعہ ملے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے انوار وبرکات سے فیض یاب ہوا جا سکے۔

راقم نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے حالات وواقعات کے تناظر میں اس سے متعلق جو حقائق ومعلومات کتبِ تواریخ واہلِ تصوف سے فراہم ہو سکے ان کو ترتیب دینے کی سعادت حاصل کی ہے اس سلسلہ میں بیشتر متقدین ومتاخرین علماء ومشائخ کی توضیحات وتشریحات جو انہوں نے اپنی تالیفات وتصانیف وملفوظات میں بیان کیں ان کو حتی المقدور بڑی کدوکاوش سے یکجا کیا تاکہ قارئینِ کرام ان کے مطالعہ سے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی قدر ومنزلت کا دُرست اندازہ کر سکیں اور تشکیک ومادہ پرستی کے اس دَور میں خدا کی ایک مخلص ولیہ کی سیرت وسوانح پڑھ کر سعادتِ دارین حاصل کریں۔

کوشش کی گئی ہے کہ واقعات وحالات کو دُرست حوالہ جات کے ساتھ درج کیا جائے، اس مقصد کے لئے قدیم وجدید تمام ماخذ ومصادر کا ذکر کیا گیا ہے اور جس سے جو اخذ کیا اس کا حوالہ دیا گیا ہے بعض مقامات پر مکمل اقتباسات دیئے گئے ہیں جبکہ کئی جگہ

مقصد و مفہوم کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ یہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ واقعات کا اعادہ و تکرار نہ ہو لیکن بعض مقامات پر موضوع کے اعتبار سے یہ مناسب سمجھا گیا ہے کہ کسی واقعہ کو بار دِگر بھی بیان کر دیا جائے تا کہ بات سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاں زیر مطالعہ کتاب میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی زندگی کے ہر گوشے اور پہلو کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہیں تصوف سے متعلق موضوعات مثلاً اولیائے کرام، کرامات، وحدت الوجود و وحدت الشہود سے متعلق بھی کافی معلومات بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ **السعی من و الاتمام من اللہ**○

اس کتاب کے سلسلے میں جو احباب مستحق تشکر و امتنان ہیں ان میں سب سے پہلے جناب پروفیسر محمد عارف خان صاحب کا نامِ گرامی ہے جو میاں محمد بخش پبلک لائبریری میر پور آزاد کشمیر کے ڈائریکٹر ہیں ان کی کرم فرمائی کی وجہ سے مجھے نہ صرف تصوف کی اُمہات الکتب تک رسائی ملی بلکہ لائبریری سٹاف کی طرف سے دوستانہ ماحول بھی ملا، پروفیسر صاحب نے اپنی دفتری معروفیات کے باوجود میرے کام میں دلچسپی لی، میری حوصلہ افزائی کی، قدم قدم پر مجھے اپنی قیمتی آراء اور رہنمائی سے نوازا بلکہ کتاب ہذا کے ابواب کی ترتیب بھی انہیں کے حسنِ ذوق کی مرہونِ منت ہے۔

علاوہ ازیں میں پروفیسر زاہد الرحمٰن قریشی صاحب کا بھی سپاس گزار ہوں کہ انہوں نے عدیم الفرصتی کے باوجود میری درخواست پر کتاب کا بیش قیمت دیباچہ تحریر کیا بلکہ مجھے اپنی رہنمائی سے نوازا۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے مجھ ناچیز کو یہ سعادت بخشی کہ میں اللہ تعالیٰ کی ایک محبوب ولیہ کا ذکرِ خیر آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل ہو سکا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس دُعا کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس محنت و کاوش کو اپنی بارگاہ ایزدی میں مقبول و منظور فرمائے

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف۔

اور تمام مسلمانوں کو بقدر ذوق کسبِ نور اور استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین!

احقر العباد

حافظ ناصر محمود

مجاہد آباد۔ جہلم

موبائل: 0322-5896977

مقدمّہ

راہِ سلوک کے مسافروں کے لئے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا نام اس روشن ستارے کی طرح ہے جسے دیکھ کر لوگ اندھیرے میں اپنی منزلوں کا تعین کرتے ہیں۔ آپ اسلامی تصوف کی قرونِ اولیٰ کی ان اوّلین شخصیات میں سے ایک ہیں جنہوں نے معرفت کی پُر پیچ اور سنگلاخ وادی میں سالکوں کے لئے نہ صرف کئی نئے احوال ومقامات کی نشاندہی کی، کئی راستے تخلیق کیے بلکہ اس میدان میں مَردوں کی اجارہ داری بھی ختم کی اور خواتین کے لئے بھی اس وادی کو کھول دیا، یہاں تک کہ وہ تصوف کے ایک بلند درجہ اور مقام ''قلندر'' تک جا پہنچیں اور آنے والے دو قلندروں حضرت لعل شہباز قلندر رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت بو علی قلندر رحمتہ اللہ علیہ کی پیشرو بنیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے اپنے دَور کے عظیم اور بلند پایہ اولیائے کرام حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ سے بھی خود کو نہ صرف منوایا بلکہ برابری کی سطح پر ان سے مکالمہ کیا اور تصوف کے بہت سے معاملات میں ان کو راہ دکھائی جیسا کہ ان کے حالاتِ زندگی سے عیاں ہے۔

یہ بات تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو یہ بلند پایہ مقام اسلام کی برکتوں کی وجہ سے حاصل ہوا لیکن اس کی تفصیلات کے لئے ہمیں تاریخ کے جھروکوں میں جھانکنا پڑے گا، اور یہ دیکھنا پڑے گا کہ وہ کون سے حالات وواقعات تھے جنہوں نے رابعہ عدویہ نامی ایک عام خاتون کو حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا جیسے بلند مقام پر فائز کر دیا۔ اس لئے ہمیں اس دَور کی خواتین کی حالتِ زار کا جائزہ لینا ہوگا جس کے لئے ہمیں قبل از اسلام

خواتین سے بدسلوکی اور بعد از ظہور اسلام ان میں جوہری تبدیلیاں واقع ہوئیں اور جس کے نتیجے میں صدیوں کے جمود کے بعد خواتین میں عظیم ترین ہستیوں نے جنم لیا، جنھوں نے ہر شعبہ ہائے زندگی میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جن سے تاریخ عالم کے صفحات جگمگا رہے ہیں۔

قبل از اسلام خواتین کی حالتِ زار

عمومی حالت

علمِ بشریات کے علماء کا کہنا ہے کہ زرخیزی کے مَت کے شروع ہی میں مَردوں نے اپنی بہیمانہ قوت کے بل بوتے پر عورت پر غلبہ پالیا تھا اور اس کو اس قدر درماندہ بنا دیا کہ اسے کبھی دوبارہ اُبھرنے کی جرأت نہ ہوسکی اور اس نے اپنے بارے میں صنفِ نازک اور اپنے کمزور ہونے کی مبینہ حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا۔ معاشرت کے جتنے قوانین تھے، تمدّن کے جتنے اصول تھے وہ سب مَردوں نے بنائے تھے جو ان کی برتری اور عورتوں کی کمتری حیثیت والے تھے۔ عملاً ان کو انسانیت کے دائرے سے خارج سمجھا جاتا تھا۔ تہذیب کے کئی مراکز میں یہ بحث جاری تھی کہ آیا عورتوں میں رُوح بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ عورت جب تک میکے میں رہتی تھی وہ میکے والوں کی کنیز سمجھی جاتی تھی، شادی کے بعد سُسرال والوں کے ہاں بھی اس کا کوئی مقام نہ تھا بلکہ اسے صرف سلسلۂ تولید بڑھانے کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے حقوق کا انحصار صرف شوہر کی مرضی پر موقوف تھا۔ اگر وہ خوش اور راضی ہے تو اسے اچھی حالت میں رکھتا تھا، ناراض ہوتا تو اسے دُنیا کی ہر تکلیف اور اذّیت پہنچانے کا حق رکھتا تھا۔ عورت بہائم اور اراضی کی طرح ایک جنس اور بے زبان جائداد تھی جسے مرد اپنے وقتی جذبات واحساسات کے مطابق استعمال کرنے کا مجاز تھا اور کوئی قانون اس کے حقِ اقتدار میں تعرض کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔

آیئے دیکھتے ہیں مختلف تہذیبوں، اقوام اور مذاہب نے عورتوں کو کیا مقام دے رکھا تھا اور ان کی بلند پایہ شخصیات عورت کو کس نظر سے دیکھتی تھیں۔

سقراط:

ہم سب سے پہلے یونانی تہذیب سے آغاز کرتے ہوئے سقراط سے بات شروع کرتے ہیں جس کا کہنا تھا کہ عورت کو ایک بار اگر مرد کے برابر تسلیم کرلیا گیا تو وہ کبھی مرد کے سر سے نہیں اُترے گی۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ عورت سے زیادہ فتنہ پرور جنس دنیا میں نہیں۔

افلاطون:

ان کے شاگردِ رشید اور مثالیت پسندوں کے امام افلاطون فرماتے تھے کہ خدایا! تیرا شکر ہے تُو نے مجھے مرد بنایا، عورت نہیں بنایا۔

ارسطو:

افلاطون کے شاگردِ کبیر، عقلیت کے بہت بڑے فلسفی ارسطو کا کہنا تھا کہ جب قدرت کسی کو مرد بنانے میں ناکام ہو جاتی ہے تو اُسے عورت بنا دیتی ہے۔ اس نے سکندرِ اعظم کو نصیحت کی تھی کہ عورت کو کبھی منہ نہ لگانا۔

یونانی تہذیب:

یونانی جنہوں نے اقوامِ عالم کو علم و حکمت کی روشنی بخشی، عورت کے معاملے میں وہ بھی دیگر اقوام ہی کے ہم پلّہ تھے۔ وہ اسے نہایت ذلیل اور حقیر جانتے تھے۔ تاریخ الامم کے مطابق یونانی ناقص الاعضاء یا کم عقل بچہ جننے پر عورت کو تہہِ تیغ کر دیا کرتے تھے، عورت کو سراپا بُرائی سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ یونانی دیو مالا میں پینڈورا نامی ایک عورت کو تمام مصائب انسانی کا سبب قرار دیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس ایک بکس تھا جس میں تمام مصائب و آلام کو بند کیا گیا تھا لیکن اس نے یہ بکس کھول کر ان برائیوں کو کھول دیا جس سے

ساری انسانیت ان برائیوں میں مبتلا ہوگئی۔

انڈرو ملکی کہتے ہیں کہ من حیث القوم یونانی یہ خیال کرتے تھے کہ آگ سے جل جانے اور سانپ سے ڈس جانے کا علاج ممکن ہے لیکن عورت کے شر کا مداوہ محال ہے۔ اس کے علاوہ اس دور کی ساری مہذب یونانی تہذیب عورت کو محبت کے قابل نہ سمجھتی تھی بلکہ وہ کہتے تھے کہ بیوی، بچے پالنے، داشتہ جسمانی سکون حاصل کرنے کا ذریعہ ہے جبکہ حقیقی محبت صرف مرد کی مرد سے ہی ممکن ہے اور سارا معاشرہ اس رنگ میں رنگا ہوا تھا، اس وجہ سے ہم تاریخ میں بڑے بڑے نامور فلسفیوں، سیاست دانوں اور جرنیلوں کے مرد معشوقوں کے نام دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں اور یونانی فوج میں ان مرد عاشقوں اور معشوقوں کی باقاعدہ رجمنٹیں ہُوا کرتی تھیں جو ایک دوسرے پر جان تک قربان کر دیا کرتے تھے۔

ہندو تہذیب:

ہندوستان میں عورت کی کوئی حیثیت نہ تھی، اور نہ اس کو کسی قسم کے حقوق حاصل تھے۔ نہ اس کو چناؤ کا حق حاصل تھا بلکہ یہ حق والدین کے پاس تھا۔ شادی کے بندھن میں بندھنے کے بعد وہ الگ نہ ہو سکتی تھی اور یہ مستقل اور دائمی بندھن تھا۔ اس بندھن کو موت بھی نہ توڑ سکتی تھی۔ شوہر چاہے کتنا ہی ناکارہ کیوں نہ ہو، شوہر کے مرنے کے بعد بیوہ کو ''ستی'' ہونا پڑتا تھا یعنی شوہر کی چتا کے ساتھ زندہ جل جانا پڑتا تھا۔ اگر کوئی عورت چتا کی آگ سے بھاگ نکلتی تو اسے شُودروں کے حوالے کر دیا جاتا۔ اس ضمن میں ایک پنجابی ضرب المثل یا آکھان بھی مشہور ہے کہ: ''چتاتوں نٹھی تے چوہڑیاں جوگی ہوئی۔'' اس رسمِ قبیح کو انگریزوں نے آکر زبردستی ختم کیا۔ شوہر کے مرنے کے بعد بیوہ کو دوسری شادی کا حق نہ تھا خواہ وہ کتنی کمسن یا نوعمر کیوں نہ ہو۔ ہندو تہذیب اور مذہب میں ایک عورت کو کئی بھائیوں کی بیوی بنایا جا سکتا تھا جیسے دروپدی، جس کو پانڈو بھائیوں نے جوئے میں کورو برادران کے

آگے ہار دیا تھا اور جس کو وہ گھسیٹتے ہوئے لے گئے تھے۔ ہندوستان کے مشہور فلسفی ''منو'' کہتے تھے کہ عورت صغرسنی میں باپ کی مطیع، جوانی میں شوہر کے تابع اور بڑھاپے میں اپنے بیٹے کی دست نگر ہوتی ہے۔ قانونِ منو کے مطابق کوئی عورت اس قابل نہیں کہ آزاد حیثیت میں خودمختاری کی زندگی بسر کر سکے۔ اسی طرح مشہور قدیم کتاب سوکاسپ تتی میں عورت کو دھوکہ باز، مکروفریب کی ماہر، جھوٹی اور دغاباز کہا گیا ہے اور اس کے شر سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ چانکیہ نے ارتھ شاستر میں لکھا ہے کہ ''دریا، سپاہی، سینگ اور پنجے رکھنے والے جانور، بادشاہ اور عورت پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ جھوٹ، فریب، حماقت، ناپاکی، طمع اور بے رُخی عورت کے جبلی عیوب ہیں۔ شہزادوں کو عورتوں سے مکّاری سیکھنی چاہیے۔'' ہندو تہذیب و مذہب میں عورتوں کو مذہبی تعلیم حاصل کرنے کی بھی اجازت نہ تھی، نہ اس کا وراثت میں حصّہ تھا اور نہ ہی اس کو خلع کا حق حاصل تھا۔ ہندو مذہب عورت سے نفرت کی بنیاد پر کھڑا ہے۔ ہندوؤں کے لئے لازم ہے کہ وہ عمر کے ایک خاص حصّے میں گھربار کو چھوڑ دیں۔ سنسکرت میں لڑکی کو دوھتر (چھوڑی ہوئی) اور بیوی کو پتنی (مملوکہ) کہا جاتا ہے۔

رُوسی تہذیب:

رُوسی تہذیب میں یہ خیال عام تھا کہ عورت کے اندر ایک خبیث اور گندی رُوح ہوتی ہے جو نومولود بچوں میں داخل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے بچے شریر اور بدمعاش ہو جاتے ہیں۔

سپین کی تہذیب:

سپین کے لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ عورت خواہ کتنی ہی شریف کیوں نہ ہو، کسی حال میں بھی قابلِ اعتماد نہیں۔ لہٰذا اس پر کوئی کام نہیں چھوڑنا چاہیے اور نہ اس کے کسی مشورے پر عمل کرنا چاہیے۔

چینی تہذیب:

چینیوں میں یہ ضرب المثل مشہور تھی کہ عورتوں کی بات تو سُن لینی چاہیے لیکن ان کے کسی مشورہ پر ہرگز عمل نہ کرنا چاہیے خواہ وہ کیسا ہی نیک مشورہ کیوں نہ ہو کیونکہ عورت کی نیکی میں بھی برائی موجود ہوتی ہے۔ چین کے بہت بڑے فلسفی اور ایک مذہب کے بانی کنفیوشش کا عورت کے بارے میں یہ کہنا تھا کہ عورت کا جو قدم آگے بڑھ جائے اسے واپس لانا شاید قدرت کے بس میں بھی نہیں رہتا۔

رومن تہذیب:

رومن تہذیب کے اوّلین دَور میں عورتوں کو کافی آزادی حاصل تھی اور انہیں کچھ اہمیت بھی حاصل تھی۔ وہ اپنا کاروبار کر سکتی تھیں، خرید و فروخت کرتی تھیں لیکن پھر آہستہ آہستہ حالات بدل گئے اور عورتوں کی آزادی سلب کی جانے لگی۔ سب سے پہلے باپ اور شوہر کو یہ اختیار مل گیا کہ وہ جب چاہیں اس کو گھر سے باہر نکال سکتے ہیں حتیٰ کہ شوہر کو بیوی کے قتل کا حق حاصل تھا۔ عورت کا مقصد صرف خدمت اور چاکری تھا۔ اس معاشرے میں عورت کی گواہی کو معتبر خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ عورت کی حالتِ زار کا اندازہ ہم رومن تہذیب کے ایک مفکر، فلسفی اور شاعر ورجل کے اس قول سے لگا سکتے ہیں، اس نے کہا تھا کہ ''عورت متلون مزاج، بدفطرت اور بے اعتبار ہے۔''

مذاہب اور عورت

ہم دیکھتے ہیں کہ اقوام اور تہذیبوں کی طرح مذاہب عالم نے بھی عورتوں کو صحیح عزّت نہیں دی لیکن وہ مردانہ شاونزم کے حامی اور عورتوں کی ذِلّت کے دَرپے رہے ہیں۔ اکثر اَدیان میں عورت کی حیثیت ایک جنس کی تھی، جس کی ملکیت کا حق مرد کے پاس تھا۔ زر،

زمین کے ساتھ ساتھ زن بھی ذاتی املاک میں شامل تھی اور پھر اس کو وجہ فساد بھی خیال کیا جاتا تھا۔اَدیانِ عالم کا جو سلوک عورتوں کے ساتھ رہا، اس کا مختصر سا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ہندو دھرم:

ہندو دھرم کے مقدس ترین قانون کے مطابق عورت کا درجہ شُودر سے بھی بدتر اور بالکل چوپایوں کے برابر تھا۔اسے عقل وشعور سے عاری سمجھا جاتا تھا۔وہ وارثت سے بالکل محروم اور عبادت کے حق سے بھی محروم تھی۔

آریہ مذہب:

آریہ مذہب میں متعدد بھائی ایک ہی عورت سے بیک وقت شادی کر سکتے تھے۔

بدھ مت:

بُدھ مت کی بنیاد بھی عورتوں سے نفرت پر ہے۔آپ کے علم میں ہوگا کہ بُدھ مت کے بانی مہاتما گوتم بُدھ (ق م ۴۸۸۔۵۶۸) جوانی میں اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ گئے تھے، اسی وجہ سے بُدھ مت میں عورتوں کو گھناؤنی چیز سمجھ کر ان سے دُور رہنے اور تجرد کی زندگی پر زور دیا جاتا ہے۔دھما پد میں مہاتما بُدھ نے اپنے محبوب چیلے آنند کو ایک بار عورت سے بچنے اور ہشیار رہنے کی تاکید وتلقین کی تھی۔یہی وجہ ہے کہ بُدھ بھکشو تجرد کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

یہودی مذہب:

یہودی اگرچہ اہلِ کتاب تھے لیکن یہودی اَحبار ورُھبان (مولویوں اور پیروں) نے اللہ کے دیئے ہوئے حقوق عورتوں سے چھین لئے تھے اور انہوں نے مَردوں کو یہ حق دے دیا تھا کہ وہ معمولی غلطی یا فروگذاشت پر عورت کو گھر سے نکال سکتے تھے لیکن عورت کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ اپنے ظالم شوہر سے کسی بھی طرح نجات پا سکے۔ان کے ہاں ایامِ حیض میں عورت نجس اور ناپاک ہو جاتی تھی لہٰذا اس سے ملنا جلنا، اس کے ہاتھ کا کھانا پینا حتیٰ

کہ اس سے بات کرنا بھی ناجائز عمل تھا۔ محرّف شدہ عہد نامۂ قدیم میں لکھا ہے کہ میں نے ہزاروں میں ایک مرد پایا لیکن ان سبھوں میں عورت ایک بھی نہ ملی۔

یہودیت میں عورت کو مکّار، بدطینت اور نسلِ انسانی کی دشمن سمجھا جاتا ہے حتیٰ کہ بائبل میں بہشت سے نکلوائے جانے کا الزام بھی حوّا کے سر رکھ کر اس کو مجرم گردانا گیا ہے اور اس کے جرم کی پاداش میں حوّا کی بیٹیوں کی قسمت میں ہمیشہ کی ذلّت و تکلیف اور غلامی لکھی گئی ہے۔ بائبل ہی میں مرد کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ عورت کے ہر قسم کے فیصلے کو بدل سکتا ہے۔ یہودی قانون کے مطابق مرد وارث کی موجودگی میں عورت کو وراثت میں حصّہ نہیں ملتا نیز عورت کو خاوند کے مرجانے کے بعد دوسری شادی کا حق حاصل نہیں اسی طرح یہ کہ عورت سراپا ناپاک ہے اور کائنات میں تمام رنج و غم اور مصیبتیں اسی کی وجہ سے ہیں۔

عیسائی مذہب:

عیسائیت نے بھی چونکہ یہودیت میں سے جنم لیا تھا لہٰذا ان کے ہاں بھی عورت کے بارے میں وہی رویّہ رہا جو یہودیوں کا تھا۔ انہوں نے بھی عورت سے نہایت تعصّب کا سلوک روا رکھا۔ ان کے ہاں بھی عورت کو شادی کے بعد علیحدگی کا حق نہ تھا کیونکہ انجیل کا حکم تھا کہ عورت اور مرد کا رشتہ خدا جوڑتا ہے اور وہی اسے توڑ سکتا ہے، اسی وجہ سے عیسائیوں کے ہاں عقد کی حیثیت دائمی ہوتی ہے۔ طلاق حاصل کرنے کے لئے بے وفائی یا زنا جیسے قبیح اور اخلاقی جُرم کا ثبوت بہم پہنچانا ضروری ہوتا ہے۔ انجیل میں لکھا ہے کہ عورت موت سے زیادہ تلخ ہے اور خدا کا محبوب اسے ہاتھ نہیں لگائے گا (انجیل متی)۔ برنارڈ ولی کا کہنا تھا کہ عورت شیطان کا آلہ ہے جبکہ یوحنا دمشقی کا قول ہے کہ عورت مکر کی بیٹی ہے اور امن کی دشمن ہے۔

ترتولیان:

ایک مسیحی رہنما ترتولیان کے بقول عورت شیطان کے آنے کا دروازہ ہے، وہ

شجرِ ممنوعہ کی طرف لے جانے والی اور خدائی قانون کو توڑنے والی اور مرد کو غارت کرنے والی ہے۔

پولوس رسول کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ حوا علیہا السلام نے شیطان سے فریب کھا کر آدم علیہ السلام کو پھسلایا۔ کرائی سوس ٹم ولی کے خیال میں عورت ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت اور ایک آراستہ مصیبت ہے جس سے بچنا مشکل ہے۔ عیسائی، عورت کو صرف راہبہ کے رُوپ میں دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ وگرنہ وہ اسے گناہ کا رُوپ ہی سمجھتے ہیں۔ عیسائی علماء کے ہاں صدیوں تک یہ بحث جاری رہی کہ عورت میں رُوح ہے بھی یا نہیں بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ اس کے اندر رُوح تو ہے لیکن بڑی خبیث رُوح ہے۔

عیسائیت نے عورتوں کے خلاف بڑے گھناؤنے جرائم کیے جس سے انسانی رُوح کانپ جاتی ہے۔ عیسائیت کے عہدِ تاریک میں یورپ میں ذرا ذرا سی بات پر عورتوں کو ذبح کر دیا جاتا تھا، بے بنیاد الزام لگا کر خصوصاً جادُوگرنی کہہ کر ان کو زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ ڈاکٹر سپرنگ کے بقول اس دوران نو لاکھ عورتوں کو جادُوگری کے الزام میں زندہ جلا دیا گیا۔ الیگزینڈر ششم نے 1494ء، لوئی دہم نے 1521ء میں اور ڈرین ششم نے 1522ء میں جس بے دردی سے عورتوں اور ان کے بچوں کو جادُوگری کے الزام میں ذبح کیا اور زندہ جلایا، ان کے خون سے یورپ کی تاریخ کے کئی صفحات رنگین ہیں جو اہلِ یورپ کو ہمیشہ شرمسار کرتے رہیں گے۔

قبل از اسلام عرب میں عورتوں کی حالتِ زار

اسلام سے قبل جزیرہ نمائے عرب میں عورتوں کی حالت بہت دِگرگوں تھی اور ان کے ساتھ بہت بُرا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ زندگی میں ان کی قدر و منزلت بس گھر کے مال و

اسباب سے زیادہ نہ تھی۔ کسی کا جب جی چاہا الگ کر دیا اور جب جی چاہا گھر ڈال لیا۔ ایک مرد جتنی چاہے شادیاں کر لیتا، اس پر کوئی پابندی نہ تھی جبکہ اوباش و بدقماش تو ایک طرف رہے بڑے بڑے شرفاء میں یہ وطیرہ رہا کہ ایک عورت کے ساتھ بیک وقت متعدد اشخاص شرکت کرتے حتیٰ کہ وہ بچہ جنتی تو کہتی کہ یہ بچہ فلاں کا ہے چنانچہ اس کے کہنے کے مطابق وہ شخص اس عورت کا شوہر قرار پاتا اور بقیہ لوگ کسی اور عورت کی تاک میں نکل کھڑے ہوتے۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ مرد و عورت باہم گفت و شنید کر کے کچھ مدت کے لئے میاں بیوی بن جاتے اور جب مرد کا دل بھر جاتا تو وہ عورت کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتا جبکہ عورت کہیں کی نہ رہتی مگر وہ کچھ بھی نہ کر سکتی تھی۔ عربوں میں اعلانیہ بدکاری اس قدر عام تھی کہ ان کے اندر اس کے حسن و قبح کا امتیاز ہی اُٹھ گیا تھا۔ یوں بھی عورتوں کے ساتھ ان کا سلوک اور برتاؤ بڑا وحشیانہ تھا۔ وہ ان کو چوپایوں کی طرح ذلیل سمجھتے تھے۔ قبائل آپس میں صدیوں برسرِ پیکار رہتے، ایک دوسرے پر حملہ کرتے اور مال و اسباب لُوٹنے کے ساتھ ساتھ دشمن کی عورتوں کو بھی اُٹھا لیا کرتے، جنہیں لونڈیاں بنا کر گھروں میں رکھا جاتا تھا اور جب وہ چاہتے انہیں فروخت کر دیتے۔ اکثر اوقات بیٹے اپنے باپ کی بیوہ سے شادی کر لیتے۔ عرب بیٹی کی پیدائش کو اپنے لئے مُوجبِ ذِلّت اور نحس سمجھتے تھے اور اپنی بیٹی کی پیدائش پر ان کے چہرے سیاہ ہو جایا کرتے تھے، ان میں سے اکثر دوسروں کو اپنا داماد بنانے کی ذِلّت اُٹھانے کی بجائے اپنی بیٹی کو زندہ درگور کرنے کو غیرت مندی سمجھتے تھے۔ اس بات کو قرآن نے بھی اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ○ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○

ترجمہ: ”اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا

چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ سے بھر جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا
پھرتا ہے اس ''برائی'' کی خوشخبری کے سبب جو اسے دی گئی (اب
سوچتا ہے) آیا اس کو رُسوائی کے ساتھ رکھے یا اس کو مٹی میں دفن
کردے، یاد رکھو! بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔''

(سورۃ النحل 16، آیت نمبر 58 تا 59)

عربوں کے اس ظلم کی ایک اور گواہی قرآن مجید میں موجود ہے سورۃ التکویر آیت نمبر 8-9 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ○ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ○

ترجمہ: ''اور جب زندہ گاڑھی ہوئی (زندہ درگور) لڑکی سے پوچھا جائے وہ
کس گناہ میں ماری گئی؟''

صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول درج ہے جو قبل از اسلام عربوں میں عورتوں کی حالتِ زار کی صحیح عکاسی کرتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے:

''اللہ کی قسم ہم جاہلیت میں تھے اور عورتوں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے حتیٰ کہ
اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں نازل کیا جو اس نے نازل کیا اور
ان کا حصہ مقرر کیا جو مقرر کیا۔''

دَورِ جاہلیت میں عورتوں پر مظالم کے بارے میں کتبِ احادیث و تفاسیر میں کئی ایک ایسے پُرسوز واقعات بیان ہوئے ہیں کہ جنہیں پڑھ کر انسانی رُوح کانپ اُٹھتی ہے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بلکہ کئی ایک ایسے واقعات تھے جن کو سُن کر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ خصوصاً جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے بیٹی کو زندہ درگور کرنے کا کوئی واقعہ سنتے تو بے اختیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑتے۔

اسلام اور عورت

عورت کے ساتھ اس عالمگیر بدسلوکی کے مقابلہ میں اسلام نے ان تمام نظریات ومعتقدات کو باطل قرار دیا جو صدیوں سے مَردوں نے پھیلا رکھے تھے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام دُنیا کے تمام مذاہب میں وہ پہلا دِین ہے جس نے عورت کی آزاد حیثیت اور اس کے حقوق کا تعین کیا اور اسے مذہب، معاشرت، سیاست اور زندگی کے ہر شعبہ میں مَردوں کے شانہ بشانہ لا کھڑا کیا۔ یہ انسانی تاریخ کی سب سے بڑی آواز تھی جس نے اس نظریے کو باطل قرار دیا کہ عورت مرد کی پسلی سے پیدا ہوئی ہے لہٰذا یہ صرف مرد کی خدمت اور اس کو خوش کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ قرآن مجید نے پکار کر کہا کہ یہ تصور غلط ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً.

ترجمہ: ''اے لوگو! اپنے ربّ سے ڈرو، جس نے تمہیں نفسِ واحد سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور ان دونوں سے پھیلاتے بہت سے مرد اور عورتیں۔''

(سورۃ النساء 4، آیت نمبر 1)

اس اعلان نے مرد کی برتری کے پرانے مذہبی غبارے سے ہوا نکال دی اور بتایا کہ تمام انسانوں (مردوں اور عورتوں) کی پیدائش ایک جرثومۂ حیات (ONE CELL OF LIFE) سے ہوئی، جس میں نر مادہ کا امتیاز نہیں تھا، پھر وہ سیل جوشِ نمو سے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا، ایک حصہ نر کے امتیازات لئے ہوئے تھا جبکہ دوسرا مادہ کے خصائل کا حامل، ان دونوں کے امتزاج سے پیدائش کا سلسلہ بذریعہ تولید و تناسل آگے چلا۔

اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے وہ اعلان فرمادیا کہ جس کی رُو سے کوئی انسان کسی

دوسرے کو حقیر یا ذلیل نہ سمجھے، کوئی صنف دوسری صنف پر صنفی اختلاف کی وجہ سے رُعب نہ ڈالے، کوئی کسی کو صنفِ نازک اور خود کو صنفِ قوی نہ سمجھے۔ تکریمِ انسانیت کا اعلان ان الفاظ میں کر دیا گیا کہ:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ.

ترجمہ: ''اور بیشک ہم نے اولادِ آدم کو عزّت بخشی۔''

(سورۃ بنی اسرائیل 17، آیت نمبر 70)

پھر فرمایا کہ اب انسانی عزّت کا فیصلہ اس کے اعمال سے طے ہوگا۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ.

ترجمہ: ''بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑا عزّت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔''

(سورۃ الحجرات 49، آیت نمبر 13)

متقی ہونے کے لئے کسی خاص صنف سے متعلق ہونا ضروری نہیں، مرد و عورت دونوں اپنے قول و فعل میں یکجائی کی وجہ سے متقی بن کر اللہ کے نزدیک قابلِ عزّت ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح فرمایا:

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا.

ترجمہ: ''اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں اس (کے مطابق) جو انہوں نے کیا۔''

(سورۃ الاحقاف 46، آیت نمبر 19)

پھر اس کے بعد فرمایا کہ:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْف

ترجمہ: ''یعنی مردوں کی طرح عورتوں کے بھی پسندیدہ حقوق ہیں۔''

(سورۃ البقرۃ 2، آیت 228)

یہ عورتوں کے حقوق (حقوق النساء) پر قدرت کا پہلا مژدہ تھا جو خواتین کو سنایا گیا

اور پھر:

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ.

ترجمہ: ''مردوں کے لئے حصہ ہے ان کے اعمال کا اور عورتوں کے لئے حصہ ہے ان کے اعمال کا۔''

(سورۃ النساء 4، آیت نمبر 32)

کہہ کر اس کی توثیق بھی کر دی گئی، یوں اسلام نے مرد اور عورت کے مساوی حقوق کو مستحکم کر دیا۔ قرآنِ حکیم کے مقدس اوراق خواتین کے لئے اعزازات، فضائل، درجات اور حقوق کے اعلانات سے بھرے ہوئے ہیں۔ ایک مزید اعلان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے عورتوں اور مردوں کے اعمال ضائع نہ کرنے کی بشارت دی ہے:

لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی.

ترجمہ: ''میں کسی محنت کرنے والے کی محنت ضائع نہیں کرتا تم میں سے مرد ہو یا عورت۔''

(سورۃ آل عمران 3، آیت نمبر 195)

مفہوم یہ ہے کہ خواہ مرد ہو یا عورت اللہ کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا۔ ہر کام کا بدلہ یکساں طور پر ہر ایک کو ملتا ہے، یوں اللہ تعالیٰ نے مرد عورت کے درجات میں یکسانی کا عندیہ دے دیا۔ پھر وہ تمام کام اور شعبہ ہائے زندگی بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ابدی اور سرمدی

پیغام میں رکھوا دیئے جن میں عورت مرد کے شانہ بشانہ کارزارِ حیات میں کھڑی ہو سکتی ہے، جدوجہد کر سکتی ہے اور اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر سکتی ہے۔ سیاست ہو یا سیادت، امورِ مملکت کی انجام دہی ہو یا زہد و تقویٰ کا میدان، کاروبار کر کے کمانے کی آرزو ہو یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا شعبہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں اس کو اجازت دے دی گئی۔

دیکھیے ربِّ کعبہ کا فرمانِ عالیشان:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا.

ترجمہ: ”بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں اور راست گو مرد اور راست گو عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور حفاظت کرنے والے مرد اپنی شرمگاہوں کی اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو یاد کرنے والی عورتیں، اللہ نے سب کے لئے تیار کی ہے بخشش اور اجرِ عظیم ہے۔“

(سورۃ الاحزاب 33، آیت نمبر 35)

سورۃ التحریم میں ہے:

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا.

ترجمہ: ''اگر وہ (آپ ﷺ) تمہیں (ام المؤمنین کو) طلاق دے دیں تو قریب ہے کہ ان کا ربّ ان کے لئے اور بیبیاں بدل دے تم سے بہتر اطاعت گزار، ایمان والیاں، فرماں برداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ دار، شوہر دیدہ اور کنواریاں۔''

(سورۃ التحریم 66، آیت نمبر 5)

یہ وہ چند آیات کریمات ہیں جنہیں یہاں بطور امثال پیش کیا گیا ہے اور جن میں اللہ تعالیٰ نے خود گواہی دی ہے کہ خواتین یہ تمام کام مَردوں کے شانہ بشانہ انجام دے سکتی ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت اجر وثواب رکھا ہے۔ قارئین کرام! ہم مسلمان بانگِ دہل یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآنِ کریم نے عورت کی عزّت وعظمت اور قدر ومنزلت کے صرف دعوے ہی نہیں کئے بلکہ علم وعمل، تدبّر وسیاست، بہادری وشجاعت، تہذیب وتمدّن غرضیکہ ہر شعبۂ زندگی میں خواتین کو مَردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ عورت کو وراثت میں حصّہ ملا، عورت کو خلع کا حق ملا، عورت کو اپنے کام کاروبار اور اپنی کمائی پر اختیار کا حق ملا اور خاص طور پر انسان ہونے کا حق تسلیم کیا گیا۔ مزید برآں قرآن کریم میں عورتوں کے حقوق، فضائل ومسائل اور حسن سلوک کے بارے میں سورۃ النساء، سورۃ النور اور سورۃ الطلاق نازل فرمائیں گئیں جو عورتوں کی عظمت وعصمت کی واضح دلیل ہیں۔

اسلام کے فیوض وبرکات اور خواتین

اسلام کی فطری صداقت اور سچائی نے جہاں ایک طرف وحشی وجھگڑالو مَردوں کو

تھوڑے ہی عرصہ میں زُہد وتقویٰ کا مجسمہ اور احسانات وخیرات کا مجموعہ بنا دیا وہاں عورتوں کو بھی عصمت وعفت کی جیتی جاگتی تصویر بنا دیا۔ مَردوں میں جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین تبع تابعین، آئمہ کرام محدثین، مفسرین، مفکرین، مجتہدین، علماء، فقہاء، غوث، قطب، قلندر، ابدال، ابرار، اخیار، اوتاد نقباء نجباء رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پیدا ہوئے وہیں ایسی مسلمان خواتین پیدا ہوئیں جنہوں نے علم وعمل، شجاعت وبہادری، حکمت وسیاست، اور تصوّف و زُہد وتقویٰ وپرہیزگاری میں اپنا نام پیدا کیا اور تاریخِ عالم میں ہمیشہ کے لئے اَمر ہوگئیں۔ اسلام نے ان کے فکری جوہروں کو اُجاگر کیا جو صدیوں کے مظالم کی وجہ سے دَب گئے تھے ان کو رُوبہ کار لا کر ان کی صلاحیتوں کو مہمیز کیا جس سے وہ مرکزِ فضائل اور مجمعِ صفات بن گئیں اور انہوں نے ہر شعبۂ زندگی میں اپنی مہارت کے جھنڈے گاڑے جیسے اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت کریمہ نے تجارت میں نام پیدا کیا جبکہ حضرت اُمِ ورقہ رضی اللہ عنہا عطریات کی تاجرہ تھیں اور اپنی روزی کماتی تھیں۔

(طبقات ابنِ سعد)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زراعت پیشہ تھیں جبکہ حضرت شفا رضی اللہ عنہا بنت عبداللہ، حضرت کریمہ بنت مقداد لکھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور تھیں اور اسی فن سے اپنا رزق کماتی تھیں۔

(طبقات ابنِ سعد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا شجاع خواتین تھیں جو جنگوں میں عسکری خدمات بجالاتی تھیں جبکہ دیگر صحابیات جنگوں میں نرسنگ کی خدمات اور پانی پلانے کا کام بخوبی انجام دیا کرتی تھیں۔

(بخاری شریف)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا علمی تبحر اس قدر بلند اور ارفع ہے کہ ان کو اوّلین

فقیہہ شمار کیا جاتا ہے، یہی وجہ تھی کہ خلفائے راشدین بھی کئی معاملات میں آپ رضی اللہ عنہا سے رُجوع کیا کرتے تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت شفا بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا کے سامنے بڑے بڑے علماء و محدثین نے زانوئے ادب تہہ کیا اور ان کی شاگردی اختیار کی۔ اس کے بعد کے دَور میں بھی نامور خواتین پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنے اپنے شعبے میں نام پیدا کیا، اسی ماحول نے ولیہ کامل حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو جنم دیا جن کا نام چار دانگ عالم گونجنے لگا اور وہ تصوف کے بلند مقام پر فائز ہوگئیں۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے حالاتِ زندگی تفصیلی طور پر نہیں ملتے، اکثر تذکرہ نگاروں اور مصنّفین نے ان کے بارے میں چند ایک واقعات کا ہی اعادہ کیا ہے جبکہ ان کی زندگی کے بڑے بڑے واقعات پر تا حال پردہ پڑا ہوا ہے۔ زیرِ نظر کتاب کے مصنف محترم جناب حافظ ناصر محمود صاحب نے نہایت جاں سوزی اور عرق ریزی سے صوفیائے کرام کے تذکروں، تاریخی کُتب، ملفوظات اور قدیم مصنّفین کی کتابوں سے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے حالاتِ زندگی اکٹھے کئے اور ان کو اس طرح ترتیب دیا کہ ان کی زندگی کا ایک واضح نقشہ اُبھر کر سامنے آ گیا ہے۔ اس طرح حافظ صاحب موصوف اپنی اس سعی سعید پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ دعا گو ہوں رب العزت اس مصنف کو الطاف خسروانہ اور انعام کریمانہ سے مشرف و ممتاز فرمائے۔ آمین!!

پروفیسر زاہد الرحمٰن قریشی

شعبہ بشریات۔ لاہور

حضرت
رابعہ بصری
رحمۃ اللہ علیہا

باب ۱

حضرت رابعہ بصری قلندر رحمۃ اللہ علیہا کا زمانہ

سیاسی پس منظر

بصرہ شہر کی بنیاد خلیج فارس کے کنارے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دَور خلافت میں رکھی گئی، یہ عرب وعجم کی ایک بڑی بندرگاہ بھی تھی اور ایک فوجی چھاؤنی بھی۔ جب حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا خلافت امیہ کے دور میں پیدا ہوئیں اور ولید بن عبد الملک ''متوفی 15 جمادی الثانی 96ھ'' حکمران تھا۔ آپ کی پیدائش 95ھ کی بیان کی جاتی ہے، یہ وہی سال ہے جب حجاج بن یوسف نے وفات پائی جو گورنر عراق تھا۔

یہ فتوحات کا دَور تھا 96ھ میں چین پر لشکر کشی کی گئی اور براستہ سمرقند کاشغر فتح کیا گیا، سندھ، کابل، فرغانہ اور طوس وغیرہ فتح ہوئے اسی دَور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بر سر اقتدار آئے ان کے دَور کو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دَور کے ساتھ شامل کیا جاتا ہے اور ان کو عمرِ ثانی کہا جاتا ہے۔ یہ وہی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تھے جنہوں نے بیعت خلافت کے فوراً بعد اپنی چہیتی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک سے کہا تھا کہ سارا مال واسباب، زر وجواہر اور قیمتی کپڑے بیت المال میں جمع کروا دو کیونکہ یہ مال اور میں دونوں ایک مکان میں نہیں رہ سکتے۔ فرمانبردار بیوی نے نہایت خوشی سے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ دو برس اور پانچ ماہ بعد خلافت اپنی عمر کے چالیسویں سال حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (عمر ثانی) انتقال فرما گئے

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بیوہ نے یہ سارا ساز و سامان دوبارہ قبول کرنے کی پیش کش ٹھکرا دی تھی۔

حکمرانوں کی فہرست

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی زندگی کے دوران خاندان بنوامیہ اور خاندان بنوعباس کے جو جو لوگ حکمران رہے ان کی فہرست تاریخ ابن خلدون سے مرتب کر کے آپ کی خدمت پیش کی جا رہی ہے، چونکہ آپ کی تاریخ پیدائش 95ھ بیان کی جاتی ہے جبکہ کئی جگہوں پر 99ھ بھی لکھی گئی ہے اور وفات 180ھ یا 185ھ بیان کی گئی ہے لہٰذا ہم 95ھ تا 185ھ کے دوران برسر اقتدار آنے والے حکمرانوں کے نام اور ان کی حکمرانی کا دورانیہ اور ان کے خاندانوں کے نام درج کر رہے ہیں۔

نمبر شمار	خاندان	نام حکمران	حکمرانی کا دورانیہ
1	خاندان بنوامیہ	ولید بن عبدالملک	86ھ تا 96ھ
2	خاندان بنوامیہ	سلیمان بن عبدالملک	96ھ تا 99ھ
3	خاندان بنوامیہ	حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ	99ھ تا 101ھ
4	خاندان بنوامیہ	یزید بن عبدالملک	101ھ تا 105ھ
5	خاندان بنوامیہ	ہشام بن عبدالملک	105ھ تا 125ھ
6	خاندان بنوامیہ	ولید بن یزید	125ھ تا 126ھ
7	خاندان بنوامیہ	یزید بن ولید	126ھ تا 126ھ
8	خاندان بنوامیہ	ابراہیم بن ولید	126ھ تا 127ھ
9	خاندان بنوامیہ	مروان بن محمد	127ھ تا 132ھ
10	خاندان بنوعباس	ابوالعباس عبداللہ سفاح	132ھ تا 136ھ

11	خاندان بنو عباس	ابو جعفر منصور	136ھ تا 158ھ
12	خاندان بنو عباس	محمد بن عبداللہ المہدی	158ھ تا 169ھ
13	خاندان بنو عباس	ابو موسیٰ الہادی	169ھ تا 170ھ
14	خاندان بنو عباس	ہارون الرشید	170ھ تا 193ھ

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے ان چودہ حکمرانوں کا دَور دیکھا۔ یہ دَور سیاسی لحاظ سے مسلمانوں کا سنہری دَور تھا، چاروں اطراف میں فتوحات ہو رہی تھیں مالِ غنیمت اسلامی شہروں میں آ رہا تھا۔ مالی اعتبار سے لوگ خوشحال تھے اور اسلامی مملکت مستحکم تھی۔

سماجی وثقافتی پس منظر

فتوحات کی وجہ سے نئے نئے علاقے مملکت اسلامیہ میں شامل ہو رہے تھے، نئی نئی اقوام اسلام قبول کر رہی تھیں۔ تہذیبی اور ثقافتیں ایک دوسرے سے گلے مل رہی تھیں بلکہ مدغم ہو رہی تھیں، اور ایک دوسرے سے کچھ سیکھ اور سکھا رہی تھیں، اسلامی شہروں میں ایک طرح کی ثقافتی وعلمی یلغار جاری تھی، تمام بڑے شہر کثیر الثقافتی تہذیب کے منظر پیش کر رہے تھے، اقوام میں باہم مکالے جاری تھے، نئے نئے علوم وفنون کی آمد آمد تھی، دیگر اقوام کی کتب کے تراجم ہو رہے تھے، نہ صرف نئے خیالات آ رہے تھے بلکہ نئے نئے سوالات بھی جنم لے رہے تھے اور ان کے جوابات دیئے جا رہے تھے، غرض ایک ثقافتی ہمہ رنگی کا دَور تھا اس دَوڑ میں تصوف بھی با قاعدہ ایک فلسفہ کی صورت اختیار کر رہا تھا۔

اندرونی کشمکش

بیرونی محاذوں پر اگر فتوحات کا سلسلہ جاری تھا تو اندرونی طور پر حکومتوں کو کئی قسم کی بغاوتوں کا سامنا تھا۔ عباسی، فاطمی، شیعانِ علی، خوارج اور کہیں کہیں دُور دراز صوبوں

کے صوبے داروں کی طرف سے مسلسل بغاوتوں اور خروج کا حکومتوں کو مسلسل سامنا تھا، ان بغاوتوں کو سختی سے کچل دیا جاتا تھا اور اس ضمن میں ہر طرح کا ظلم وستم روا رکھا جاتا تھا اگر بنو امیہ کے حکمرانوں نے شیعانِ علی اور دیگر مخالفین کا مسلسل پیچھا کیا، مدعیان حکومت کو قتل کیا اور انہیں عموماً سرحدی علاقوں کی طرف دھکیل دیا تو اپنی باری آنے پر بنو عباس نے بنوامیہ کا قتل عام کیا بچوں، بوڑھوں، نوجوانوں اور خواتین تک کو قتل کر دیا گیا حتیٰ کہ تمام بنوامیہ کے مشاہیر کی قبروں کو کھود کر ان کی میتوں کو جلایا گیا۔ بنوامیہ میں سے عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام اور اس کے خاندان کے علاوہ عرب میں کوئی ذی رُوح زندہ نہ بچا۔ اسی عبدالرحمٰن نے اندلس میں اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ یہ ظلم وستم دیکھ کر صوفیائے کرام جن کی ہمدردیاں اگرچہ کسی نہ کسی گروہ کے ساتھ ہوتی تھیں لیکن وہ عموماً سیاست سے کنارہ کش ہو گئے تھے لیکن حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن عبدالمالک کے دَور میں حکومتِ وقت کا ساتھ دیا، جب یزید بن مہلب لوگوں کو حکومت کے خلاف بغاوت پر اُکسا رہا تھا حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مخالفت کی لیکن آپ کی ذات کے خلاف وہ کسی قسم کی کارروائی کرنے کی جراٴت نہ کر سکا۔ حتیٰ کہ ایک بار حجاج بن یوسف نے بھی حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کو دبانے کی کوشش کی مگر آپ کے مسکت جواب سن کر خاموش ہو گیا، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو بھی خطوط لکھے اور اسے نیک مشورے دیئے۔

بصرہ شہر

جیسا کہ آغاز میں لکھا جا چکا ہے کہ بصرہ شہر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دَور میں بسایا گیا، یہاں عرب فاتحین کے قبائل سکونت پذیر تھے، یہ نہ صرف ایک چھاونی تھی بلکہ سیاسی وتجارتی مرکز بھی تھا اور تہذیب وتمدن اور علم وہنر کا گہوارہ بھی تھا، عالمِ اسلام میں جہاں مکی، مدنی یا کوفی علماء وفقہا کی آراء کی قدر تھی وہاں بصری علماء کی آراء کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا

جاتا تھا۔ اہل بصرہ نے نحو ولغت کے بارے میں بھی اہل کوفہ سے مختلف آراء قائم کی تھیں جن کی وجہ سے کئی نئے مسائل وضع ہوئے اوران کے حل اور جوابات حاصل ہوئے۔

غرض بصرہ ایک کثیر الثقافتی مرکز تھا جہاں ہر طرح کے لوگ مل جل کر رہا کرتے تھے، یوں بصرہ قریب وبعید والوں کے لئے ایک پر کشش شہر بن گیا جو تجارتی منڈی اور بندرگاہ کے ساتھ ساتھ علم اور دین کا مرکز بھی بن گیا تھا، علما، محدثین اور اہل علم واہل فن دُور و نزدیک سے آکر یہاں اکٹھے ہوگئے تھے۔ اہل صنعت وحرفت اور کاموں میں دستگاہ رکھنے والے ماہرین یہاں جمع ہو چکے تھے اور بصرہ امت کے لئے حیات فکری کا ایک نیا سرچشمہ بن گیا تھا۔ نئے نئے عقلی رجحانات اور نئی ادبی وعقلی سوچ یہاں جنم لینے لگی تھی۔ بصرہ میں عموماً عثمانی، علوی، اُموی، شامی اور خارجی لوگ موجود تھے، یہ متضاد موجیں ایک دوسرے ٹکراتی رہتی تھیں اور قوم کی حیات فکری واجتماعی کو متاثر کرتی رہتی تھیں۔

بصرہ میں قحط

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے بچپن میں ایک بار بصرہ میں شدید قحط کا دَور آیا، شاید یہ وہی قحط ہے جو دمشق میں بھی آیا تھا اور سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا:

چنیں قحط سالے اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق

اس قحط نے بصرہ کے کئی غریب خاندانوں کو اُجاڑ کر رکھ دیا تھا، ان خاندانوں میں ایک حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا بھی تھا، اس قحط کے دوران حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اپنے خاندان سے بچھڑ گئیں اور کسی ظالم نے آپ کو پکڑ کر غلام بنا کر فروخت کر ڈالا تھا۔ آپ نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ یعنی ابتدائی سال اور اوّلین جوانی کا دَور غلامی میں ہی بسر کیا۔ اگرچہ بعدازاں آپ کو آزاد کر دیا گیا لیکن آپ اپنے آپ کو ایک آزاد کردہ غلام ہی سمجھتی رہیں تھیں۔

نظریاتی انحراف

اس کی وجہ خاندان بنوامیہ کا ایک نظریاتی انحراف تھا۔ اسلام کی بنیاد مساوات پر ہے، کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر یا کالے کو گورے پر کوئی فوقیت یا فضیلت حاصل نہیں۔ فضیلت کا دارومدار تقویٰ پر تھا لیکن بنوامیہ کے دَور میں یہ معیار بدل گیا تھا اور وہ عربیت اور اصالت کو بہت اہمیت دینے لگے تھے، ان کی سیاست حسب نسب پر مبنی تھی حتیٰ کہ جہاد و فتوحات اور ان سے ملنے والے فوائد کا بھی وہ خود کو ہی حقدار سمجھتے تھے۔ اس پالیسی سے غیر عرب، اور موالی خوش نہیں تھے اور اندر ہی اندر یہ مسئلہ خاصی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ جب انہیں جہاد سے اپنا حصہ نہ ملا تو ان غیر عرب لوگوں اور موالیوں (آزاد کردہ غلاموں) کی بہت بڑی تعداد نے علم و ادب کے میدان کو منتخب کیا اور تدبیر و تحریر، علوم و فنون میں ایسا کمال حاصل کیا کہ اصل عربیوں سے علم و فضل میں بہت آگے نکل گئے۔ شروع شروع میں ان موالیوں عجمیوں کو جو علم و تقویٰ میں نہایت بزرگ تھے عربیوں نے کوئی اہمیت نہ دی جس کی وجہ سے ان میں خاصا ہیجان بھی پایا جاتا تھا اور ان صاحبان علم و فن کو یہ بات ناگوار بھی گزرتی تھی کہ کوئی اسلامی نظریات کے علی الرغم صرف حسب نسب کی بنا پر ان کو حقیر سمجھے اور ان کے حقوق کو غصب کرے۔ رفتہ رفتہ یہ لوگ فقہ، حدیث، تفسیر، روایت، تاریخ میں کمال حاصل کرتے گئے اور ساری اسلامی دنیا کے مرجع اور امام بن گئے۔ اسی دَور میں یہ لوگ فکری قیادت کے منصب پر فائز ہو گئے اور اصلی و نسلی عرب منہ دیکھتے رہ گئے۔

اربابِ تصوف

انہیں غیر عربوں، عجمیوں اور موالیوں میں سے ہی وہ ارباب ذکر و تصوف بھی تھے جن کو زُہد و مجاہدے سے رغبت تھی، ان کو تعیش سے نفرت تھی یہ لوگ اللہ کے سوا ہر شے سے

بیگانہ تھے، یہ رات رات بھر عبادت کرتے نفل پڑھتے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے۔ ان میں مشہور حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، رباح بن عمرو قیس رحمۃ اللہ علیہ، امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ تھے، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بھی اسی ماحول کی پروردہ و پرداختہ تھیں لیکن آپ عبادت وزُہد میں اپنے ساتھیوں سے آگے بڑھ گئی تھیں۔

حزن وملال

آپ کے دور میں تصوف ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر چکا تھا جس کی باقاعدہ تحصیل کی جاتی تھی، اس کے بانی حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تھے آپ نے مذہب وتصوف پر ہندی وایرانی اثرات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جدوجہد کی، آپ نے حزن و ملال کو تصوف اور زُہد ومجاہدے کا جزو بنا رکھا تھا، اس وقت سب صوفی موت، حساب اور دوزخ کا ذکر کرتے تھے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ 21ھ تا 110ھ جو دراصل حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا عہد ہے اس میں تصوف اور زُہد کی بنیاد خوف وحزن پر تھی۔

تصوف کی بنیاد محبت

لیکن اس کے بعد حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا زمانہ تھا۔ شروع میں آپ نے بھی اسی مسلک کی پیروی کی اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے زندگی میں کئی ایسے واقعات موجود ہیں کہ جب یوم حساب، موت، دوزخ کی آگ یا عذاب کا سن کر آپ پر رقت طاری ہوگئی یا آپ بے ہوش ہوگئیں اور کئی بار مسلسل گریہ زاری اور رونے دھونے کے واقعات بھی آپ کی شروع کی زندگی میں ملتے ہیں لیکن جوں جوں آپ عبادت وریاضت سے خدا کے قریب ہوتی گئیں توں توں آپ کا نظریہ بدلتا گیا تا آنکہ آپ نے تصوف کو

ایک نئی جہت سے روشناس کرایا اور ہدایت و معرفت کی شمع ہاتھ میں لے کر زُہد و تصوف کو خوف و حزن سے نجات دلا کر محبت کی شمع روشن کی اور اس کو بے لوث و بے غرض عبادت کی روشنی عطا کر دی، اور آپ تصوف کے ان اولیائے کاملین میں شامل ہو گئیں جنہوں نے تصوف میں عشق الٰہی کے چراغ روشن کئے اور تصوف کی فکر کو ایک نئی اور مضبوط بنیاد فراہم کر دی۔ علاوہ ازیں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اُموی و عباسی دَور میں بہترین اسلامی تاریخ کو اپنے سامنے بنتے دیکھا جب دنیائے سیاست کی مہار عربوں کے ہاتھ میں تھی۔

باب ۲

تصوف کیا ہے اور صوفی کون؟

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا چونکہ میدانِ تصوف کی شہسوار تھیں اور انہوں نے اسی میں ہی کمال حاصل کیا تھا لہٰذا یہ ضروری ہے کہ قارئین کرام کے سامنے تصوف کا ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے۔

تصوف کیا ہے؟

یومِ میثاق وعہدِ الست کے بعد سے انسان کی رُوح میں لاشعوری طور پر خدا سے ہم کلام ہونے اور ملنے کی خواہش قدیم سے موجود ہے تصوف اسی رابطے کی ایک تحریک اور جتن ہے اور اسی قدیم خواہش کی تکمیل کے لئے جدوجہد کا نام ہے۔

تصوف کی تعریف:

تصوف کی سادہ سی تعریف یہ ہے کہ انسان کی سوچ اور اس کا عمل اللہ سے محبت کی بنیاد پر ہو، اللہ کی رضا پر راضی رہے، صبر سے کام لے اور ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرے۔ حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''دل کا صرف اللہ کی طرف رُجوع کرنا اور دُنیا کی جہت سے خالی ہو جانا تصوف ہے۔''

تصوف ان باطنی احوال و کیفیات کا نام ہے جسے احاطۂ تحریر میں لانا نہایت مشکل عمل تھا اگر صوفیائے کرام رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خود اپنی قلبی واردات وحال کی ترجمانی کے لئے زبان وقلم کا سہارا نہ لیتے تو تصوف آج بھی سر دلبراں ہوتا۔ بقول پروفیسر یوسف سلیم چشتی تصوف مذہب کی رُوح اور زندہ خدا سے زندہ رابطہ کرنے یا اسے اپنے باطن کی گہرائیوں میں مشاہدہ کرنے کا نام ہے جس کی وجہ سے انسان تمام مخلوقاتِ خداوندی سے محبت کرنے لگتا ہے خصوصاً انسانوں کی ہر طرح کی تفریق اور امتیازات کو ختم کر کے انہیں پیار کرنے لگتا ہے جیسے علامہ اقبال نے فرمایا:

بندئہ عشق از خدا گیر و طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق

اگر کوئی صوفی کسی انسان کو رنگ ونسل، ذات پات یا مذہب کی وجہ سے حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے یا اس سے شفقت نہیں کرتا یا اس کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد نہیں سمجھتا تو وہ ہرگز صوفی نہیں بلکہ بندۂ نفس ہے اور دُنیا کو دھوکہ دے رہا ہے۔

قرآن کی رُو سے تصوف

سورۃ کہف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ج تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا.

ترجمہ: ''اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے (لگائے) رکھو جو اپنے ربّ کو پکارتے ہیں صبح اور شام، وہ اس کی رضا چاہتے ہیں، اور تمہاری

آنکھیں ان سے نہ پھریں کہ تم دنیا کی زندگی کی آرائش کے طلبگار رہو جاؤ، اور اس کا کہنا مانو جس کا دل ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا، اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑ گیا، اور اس کا کام حد سے بڑھا ہوا ہے۔"

﴿سورۃ الکہف 18، آیت 28﴾

کتاب "تصوف اور قرآن" میں اس کے مصنف سید مقبول حسین صاحب فرماتے ہیں:

"قرآن نے جس خوبصورتی اور آسان الفاظ میں تصوف کے مفہوم کو بیان کیا ہے۔ اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس آیتِ مقدسہ میں نہ صرف تصوف کی تعریف کی گئی ہے بلکہ تصوف کا راستہ اختیار کرنے والے ہر شخص کے لئے اس میں بہترین رہنمائی موجود ہے کہ جس سے محبت ہو اس کا خیال ہر وقت دل و دماغ پہ چھایا رہے، صبح ہو یا شام اسی کا ذکر ہو، دل ہر لحہ اسی کی یاد سے معمور ہو اور اس کی انتہا یہ ہے کہ جو محبوب کی مرضی ہو وہ انسان کی چاہت بن جائے اور ہر کام میں اسی کی مرضی شامل ہو اور صورتِ حال یہ ہو جائے کہ انسان کہے کہ:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

ترجمہ: "تم فرماؤ! بیشک میری نماز، اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہاں کا پالنے والا ہے۔"

(سورۃ الانعام 6، آیت 162)

یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کے انعامات اور اس کی خوشخبریوں کے مستحق ہوتے ہیں یہی لوگ اللہ کے دوست اور اس کے ولی ہوتے ہیں اور ان کو دنیا و آخرت میں کوئی خوف و حزن نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بنی آدم کو اُمت واحدہ کہا اور ''ولقد کرمنا بنی آدم'' کا اعلان کر کے تمام انسانوں کو واجب التکریم قرار دے دیا۔ تصوف کا پہلا سبق ہی یہی ہے کہ سب انسان اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں لہٰذا مجازاً اللہ کا کنبہ ہیں۔

حدیث کی رُو سے تصوف

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے ''الخلق عیال اللّٰہ''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا خوبصورت ترجمہ اس شعر میں کیا ہے:

یہ پہلا سبق ہے کتابِ ہدیٰ کا
کہ ہے مخلوق ساری کنبہ خدا کا

چونکہ صوفی یہ سمجھتا ہے کہ ہر شے میں اللہ کا جلوہ اور اسی کا نور کارفرما ہے اس لئے وہ جملہ افرادِ انسانی سے یکساں محبت کرتا ہے۔ وہ مسجد، مندر اور گرجے سب کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

اس بات کو خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان کیا ہے:

رکھ تصدیق نہ تھی آوارہ
کعبہ، قبلہ، دیر، دوارہ
مسجد، مندر پکڑو نور

یعنی اے طالب حق، اس بات پر یقین رکھ اور اپنے دل کو انتشار سے محفوظ رکھ کیونکہ کعبے، دیر، ٹھاکر دوارے، مندر، مسجد ہر معبد میں اسی ایک کا نور جلوہ گر ہے۔ اس وجہ

سے صوفی کے دل و دماغ سے تعصب و تنگ نظری، نفرت، حقارت، امتیاز رنگ و نسل و جذبات مذہب وملت سب مٹ جاتے ہیں اس لئے وہ کسی کو آزار نہیں پہنچا سکتا، اس سے کسی کو رنج نہیں پہنچ سکتا، انسان تو انسان وہ حیوانات پر بھی مہربان ہوتا ہے اور ان پر رحم کرتا ہے دیکھئے حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوبصورت پیغام دیا ہے:

مباش در پئے آزار و ہر چہ خواہی کن

کہ در طریقت ما بیش ازیں گناہے نیست

یعنی کسی کو تکلیف نہ دے اور جو چاہے کر، کیونکہ ہماری طریقت میں اس سے بڑا اور کوئی گناہ نہیں۔

صوفی اور تصوف کے مادہ ہائے اشتقاق

مطالعہ تصوف میں ڈاکٹر غلام قادر لون بیان کرتے ہیں کہ صوفی اور تصوف کے لغوی اشتقاق کے بارے میں ہر دور میں اختلاف رہا اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر دو لفظ قرآن کریم اور صحاح ستہ میں موجود نہیں تھے، لہٰذا ہر صوفی نے لفظ صوفی اور تصوف کی تعریف اپنے ذوق اور حال کے مطابق کی۔ جس کی وجہ سے تعریفات میں باہم تضاد نظر آتے ہیں لیکن اگر صوفیاء کے میلانات ورجحانات کو مدنظر رکھا جائے تو یہ تضاد خود بخود رفع ہو جاتے ہیں۔

لغوی تعریف اور مختلف آراء

ا۔ شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 295ھ جو شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور سلسلہ نوریہ کے بانی تھے کہتے ہیں کہ صوفیہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی رُوحوں کو صاف کر لیا پس وہ اللہ تعالیٰ کے حضور صفِ اوّل میں ہو گئے۔

۲۔ امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ جو خراسان میں علم و فضل کے امام اور تصوف کے شیخ

طریقت تھے کا خیال ہے کہ صوفی اور تصوف ''صفوۃ'' سے لئے گئے ہیں جس کا مطلب صفائی ہے۔

۳۔ جبکہ صوفیاء کے ایک طبقے کی رائے ہے کہ صوفی لفظ ''صفا'' سے مشتق ہے، صوفیاء کی بڑی جماعت اسی کی قائل ہے۔ حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ متوفی 465ھ بھی یہی سمجھتے تھے لہٰذا انہوں نے کہا ''پس صفا در جملہ محمود باشد وضد آں کدر بود'' یہی بات مشہور صوفی بزرگ الشیخ بشر بن حادث الحافی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 227ھ نے کہی کہ صوفی وہ ہے جس نے اللہ کے لئے اپنا دل صاف کرلیا۔ ایک نکتہ شناس نے کیا پیاری تعریف کی کہ جسے محبت نے صاف کیا وہ صافی اور جسے اللہ نے صاف کیا وہ صوفی ہے۔ یہی بات راہِ سلوک کے رمز شناس اور عشق کے نغمہ خواں محمد شمس الدین المعروف بہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 792ھ نے کہی۔

صوفی بیا کہ آئینہ صافیت جام را
تا بنگری صفائی مے لعل فام را

۴۔ علامہ ابوریحان محمد البیرونی متوفی 440ھ جو یونانی وہندی فلسفہ کے ماہر، ریاضی دان اور مورخ تھے کئی برس ہندوستان میں مقیم رہ کر کتاب الہند لکھی، سنسکرت سیکھی اور دُنیا کا قطر معلوم کیا، وہ کہتے ہیں کہ صوف یونانی زبان میں حکمت و دانائی کو کہتے ہیں۔ اسی لئے فلسفہ جاننے والے کو فلاسفر کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے حکمت و دانائی سے محبت کرنے والا۔ (کتاب الہند) ملا کاتب چلپی متوفی 1087ھ بھی حکماء اشراق اور صوفیہ کو ہم مشرب سمجھتے تھے، علامہ شبلی کی بھی یہی رائے ہے۔

۵۔ صوفیاء کے ایک بڑے طبقے کی رائے یہ ہے کہ صوفی کی اصل ''صفہ'' ہے صفہ

چبوترے کو کہتے ہیں عہدِ رسالت میں جو لوگ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے شمالی کنارے پر قیام پذیر ہوئے انہیں اصحابِ صفہ کہتے تھے۔

اصحابِ صفہ

یہ وہ صحابی تھے جو فقر و توکل کو ہی اپنا سرمایہ سمجھتے تھے ان میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو الدردا رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ، حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ، حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ وغیرہم مشہور ہیں۔

اہلِ تصوف کا یہ دعویٰ ہے کہ اہلِ صفہ ہی ان کے پیشرو تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 632ھ کا بھی یہی خیال ہے۔

۶۔ بیشتر مشرقی علماء اور مستشرقین اسے ''صوف'' اُون سے ماخوذ سمجھتے ہیں شیخ ابو نصر سراج طوسی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 378ھ کتاب اللمع فی التصوف میں کہتے ہیں کہ میں نے انہیں ظاہر لباس کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ صوف کا پہناوا انبیا کرام علیہم السلام کا طریقہ اور اولیاء و اصفیاء کا ہمیشہ شعار رہا ہے شیخ ابو بکر کلابادی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 360ھ اپنی کتاب ''التعرف المذہب اہل التصوف'' میں لکھتے ہیں کہ لباس کی وجہ سے ہی ان کا نام صوفیہ پڑا کیونکہ وہ حظِ نفس یا زینت کے لئے نرم لباس پہنتے تھے بلکہ صرف ستر پوشی کے لئے اُون کا موٹا لباس استعمال کیا کرتے تھے۔ امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ اور ڈاکٹر میر ولی الدین بھی اس رائے کی تائید کرتے ہیں مستشرقین سے نکلسن، براؤن، موئی ماسندن اور ڈیمنگھم کی رائے بھی یہی ہے۔

صوفی کون؟

صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ نے خود صوفی کا ایک معیار مقرر کر دیا ہے اس کے لئے ایک کسوٹی مقرر کر دی ہے اس روشنی میں ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ کون صوفی یا ولی ہے اور کون نہیں! کوئی آدمی خود اُٹھ کر صوفی صافی ہونے کا خالی خولی دعویٰ نہیں کر سکتا ہاں جب وہ مقررہ معیار پر پورا اُترتا ہے تو ہر کوئی ازخود اُس کی عزت واحترام کرنا شروع کر دیتا ہے ذیل میں صوفی کے بارے میں صوفیاء واولیائے کرام کی آراء درج کی جارہی ہیں:

''سادہ الفاظ میں صوفی وہ ہے جو معرفتِ حق کے لئے تصوف کی راہ اختیار کرے۔''

۱۔ ''صوفی وہ ہے جو دونوں جہانوں میں سوائے اللہ کے اور کسی کو نہ دیکھے۔''

(حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ)

۲۔ ''صوفی وہ ہے جو عبادت کو مشقت نہ سمجھے۔''

(ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ)

۳۔ ''صوفی وہ ہے جو اللہ کے ساتھ قلب کو صاف رکھے۔''

(حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ)

۴۔ ''صوفی وہ ہے جو بجز وصل اور دیدارِ الٰہی کے کسی چیز پر راضی نہ ہو۔''

(بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ)

۵۔ حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 283ھ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو میل کچیل سے پاک ہو، ہمہ تن مصروفِ غور وفکر ہو۔ مخلوق کو چھوڑ کر اللہ کا ہو جائے اور اس کے نزدیک سونا اور مٹی برابر ہو۔

(سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ)

۶۔ ''صوفی وہ ہے جو اپنی عقل کے بقدر فہم سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قائم ہو اور دل کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو اور اپنے نفس کی شہادت سے بچنے کے لئے اپنے مرشد کا دامن پکڑے ہوئے ہو۔''

(شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ)

۷۔ ''صوفی وہ ہے کہ جسے نہ طلب تھکائے اور نہ سلب اس کو اپنی جگہ سے ہلائے یعنی وہ طلب دنیا میں مارا مارا نہ پھرے اور حالتِ فقر میں بے چینی اور مضطرب نہ ہو۔'' اور فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کو ہر چیز پر ترجیح دی اور پھر اللہ نے بھی انہیں ہر ایک پر ترجیح دی۔

(حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ)

۸۔ ''صوفی وہ ہے جس کا دل اللہ کے سوا ہر چیز سے مر جائے اور اس کے دل میں کسی چیز کی خواہش نہ رہے وہ فقط اللہ کو چاہے اور اُس کے قرب کا خواہاں ہو۔''

(شیخ ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ)

۹۔ ''صوفی کا کم تر درجہ یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی صفات و اخلاق سے آراستہ ہو۔'' اور فرمایا کہ صوفیاء آغوشِ حق میں بچے ہیں۔

(شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ)

۱۰۔ ''شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جس میں درج ذیل خصوصیات ہوں:

i۔ اخلاص وسخاوتِ حضرت ابراہیم علیہ السلام

ii۔ تسلیم ورضائے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

iii۔ صبرِ حضرت ایوب علیہ السلام

iv۔ شوق وعزمِ حضرت موسیٰ علیہ السلام

v۔ اندوہِ حضرت داؤد علیہ السلام

vi۔ فقر و بے نوائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام

vii۔ اخلاقِ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ صوفی کی شان زمین کی سی ہے جس پر ہر طرح کی قبیح چیز گرتی ہے لیکن اس میں سے صرف اچھی باہر آتی ہے۔

ا۔ حضرت شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو خلق سے جدا اور حق سے متصل ہو۔

☆ پہلا صوفی

دائرہ العارف اسلامیہ بہ ذیل مادہ تصوف کے مطابق صوفی کا لفظ سب سے پہلے کب اور کس نے استعمال کیا۔ اس ضمن میں شیخ ابو نصر سراج طوسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لفظ صوفی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے دَور میں مستعمل نہیں تھا کیونکہ صحابیت خود بہت بڑا اعزاز تھا البتہ ان کے بقول خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے دَور میں یہ لفظ رائج ہو چکا تھا۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی روایت ہے کہ میں نے ایک صوفی کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تو اسے کچھ دینا چاہا صوفی نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ میرے پاس چار دینار موجود ہیں جو میری ضرورت کے لئے کافی ہیں (اللمع فی التصوف) لیکن جدید دَور کے ایک محقق اور مستشرق لوئی ماسینون لکھتے ہیں کہ لفظ صوفی کو لقب کے طور پر تاریخ میں پہلے پہل آٹھویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں کوفہ کے کیمیا گر، جابر بن حیان کے لئے استعمال کیا گیا جو زُہد میں ایک خاص مسلک کا پیرو تھا۔ نیز یہ لفظ سب سے پہلے ایک بزرگ ابو ہاشم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے نام کے ساتھ استعمال ہوا۔ (بحوالہ مطالعہ تصوف از ڈاکٹر غلام قادر لون)

لفظ صوفی کی ابتداء حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے دَور سے ہوئی

ابو ہاشم کوفی رحمۃ اللہ علیہ اور جابر بن حیان دونوں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے ہم عصر تھے مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ ''نفحات الانس'' میں لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے جس شخص کو صوفی کہا گیا وہ یہی ابو ہاشم الکوفی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ لفظ ''صوفی'' حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے دَور میں ہی شروع ہوا اور وہ لوگ جو اوّلین صوفی کہلائے وہ آپ کے ہمعصر تھے۔

صوفیاء کے درجات

مراتب کے لحاظ سے صوفیوں کے تین درجے ہیں:

(۱) صوفی

(۲) متصوف

(۳) مستصوف

ا۔ صوفی

صوفی وہ ہے جو اپنے نفس سے فارغ ہو کر باقی باللہ ہوا، اور طبائع سے خلاصی پا کر حقیقت سے متصل ہوا، یہ درجہ اوّل میں ہوتا ہے۔

۲۔ متصوف

متصوف وہ ہے جو صوفی کے درجے تک پہنچنے کے لئے مجاہدہ کرتا ہے متصوف صوفی سے کم تر درجے میں ہوتا ہے۔

۳۔ متصوف

یہ وہ ہے جو طلب جاہ کی خاطر صوفی کی مشابہت اختیار کر لیتا ہے حقیقت میں یہ صوفی ہوتا ہے نہ متصوف۔

صوفیا کے نام

صوفیا کرام کو مختلف علاقوں میں مختلف ناموں سے پکارا گیا، عموماً تاریخ اور تصوف کی کتابوں میں ان کے درج ذیل نام ملتے ہیں:

عرفاء، فقراء، غرباء، الفقریہ، الفکریہ، المغاربہ، صوفیاء، درویش، خاصانِ خدا، دوستانِ خدا، مردانِ خدا، اہلِ نظر، اہلِ دل، اہلِ صفا، اہلِ طریقت، اربابِ حال، اربابِ باطن، اربابِ صلاح، واقفانِ حقیقت، سالکین، اصفیاء، اخیار، ابرار، اولیاء کرام، صوفیاء کرام وغیرہ۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی فضیلت

مختلف اولیائے کرام اپنے اپنے میدانِ عمل میں بہت مشہور ہوئے کچھ نے زہد و تقویٰ میں نام پیدا کیا کچھ ریاضت و مجاہدہ میں آگے نکل گئے کچھ کی کرامات بہت مشہور ہوئیں۔ ان اولیاء کرام کے اعزازات گنوانے کے بعد حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی فضیلت کا ذکر کیا جائے گا۔

☆ جیسے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تصوف کو آسمان سے زمین پر لے کر آئے کیونکہ تصوف ایک پُر اسرار راز کی طرح تھا انہوں نے سب سے پہلے مصر میں تصوف کے احوال و مقامات کی ترتیب پر لب

کشائی کی جس کی وجہ سے انہیں زندیق کہا گیا۔

☆ سب سے پہلے شیخ ابوحمزہ نے بغداد میں توحید، حقائق واشارات، ذکر، صفا کے بارے میں زبان کھولی۔

☆ سب سے پہلے تصوف کی باقاعدہ تدوین حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کی اور ان کے شاگرد ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اسے منبر پر بیان کیا۔

☆ فنا اور وحدۃ الوجود کا ذکر سب سے پہلے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے ہوا، تصوف کی سب سے پہلی باقاعدہ تصنیف شیخ حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی جس کا نام ''الرعایۃ فی الاخلاق والزہد'' تھا۔

☆ فارسی میں تصوف پر سب سے مستند کتاب ''کشف المحجوب'' لکھی گئی جو حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی۔

☆ سب سے پہلے صوفیانہ شاعری شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔

☆ سب سے پہلی صوفیانہ تفسیر شیخ سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے ''تفسیر القرآن العظیم'' کے نام سے لکھی۔

☆ صوفیاء میں سب سے پہلے حسین بن منصور حلاج کو سولی پر لٹکایا گیا۔

☆ صوفیاء کی سب سے پہلی خانقاہ رملہ شام میں تعمیر کی گئی۔

اور دنیائے تصوف میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا وہ پہلی خاتون ہیں جو زُہد و تقشف کے اس بلند درجہ پر پہنچیں کہ آنے والی خواتین کے لئے ایک نیا راستہ کھول گئیں ان کو نہ صرف اوّلین خاتون صوفی ہونے کا اعزاز حاصل ہے بلکہ وہ اپنے زُہد و مجاہدے کی وجہ سے قلندری کے درجہ پر بھی فائز ہوئیں اور آنے والے دو مشہور قلندروں حضرت لعل شہباز قلندر اور بوعلی قلندر کی پیشرو بنیں۔ اس کے علاوہ ان کو یہ اعزاز اور فضیلت بھی حاصل ہے کہ انہوں نے عشق الٰہی کے مسلک کی بنیاد رکھی جس کے بغیر اب اقلیم تصوف کا تصور بھی

نہیں کیا جاسکتا کیونکہ تصوف کا تار بھی عشق اور اس کا پود بھی عشق ہے اور یہ کوئی ان کی ذاتی اختراع نہ تھی بلکہ اس کی بنیاد قرآنی تھی جس میں کیا گیا ہے کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط (سورۃ البقرہ 2، آیت 165) جو مومن ہیں وہ اللہ کی محبت میں شدید ہیں۔ مراۃ الاسرار میں عشق کو تصوف کی انتہا قرار دیا گیا ہے اور عشق بھی اللہ ہے کا اس طرح اعلان کیا گیا ہے۔

راہِ قلندر عشق است. عشق ھو اللّٰہ

تصوف خود اولیائے کرام کی نظر میں

۱۔ حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اپنے نفس کو اللہ کے ساتھ اس کی مرضی پر چھوڑ دینا تصوف ہے جیسا وہ چاہے جیسا وہ پسند کرے ویسا بن جانا۔"

۲۔ چراغ حرم شیخ ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "تصوف سراسر اخلاق ہے جس میں جس قدر زیادہ ہوگا وہ اسی پائے کا صوفی ہوگا۔

۳۔ شیخ ممتاز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا ہے کہ "بیکار چیزوں کو ترک کرنا تصوف ہے۔"

۴۔ شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف نہ علوم ہے نہ رسوم بلکہ یہ اخلاق کا نام ہے۔"

۵۔ شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ تصوف تمام نفسانی لذتوں کو ترک کرنے کا نام ہے۔

۶۔ شیخ ابومحمد مرتعشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "تصوف حُسنِ خلق کا نام ہے۔"

۷۔ حضرت سہیل بن عبداللہ تسری رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ "کم کھانا، خلق سے دُور بھاگنا اور خالق کی عبادت کرنا تصوف ہے۔"

۸۔ شیخ الطائفہ جناب جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ "تصوف سلوک کا ایک گوشہ

ہے جس کا کام نفس کی تہذیب اور تزکیہ ہے تا کہ اس کو رفیقِ العالیٰ کی صحبت کے لئے تیار کرے۔"

۹۔ شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "تصوف اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نام ہے۔"

۱۰۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

طریقت به جز خدمت خلق نیست

به تسبیح و سجاده و دلق نیست

باب ۳

حضرت رابعہ بصری رحمہا اللہ کے حالاتِ زندگی

تعارف:

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا دنیائے تصوف کی ایک جلیل القدر، شہرہ آفاق اور نامور ہستی ہیں جو رُوحانی پیشواؤں کی کہکشاں میں ایک روشن ستارے کی طرح ہیں۔ آپ پیکر صبر و رضا اور علم و عرفان کا سمندر تھیں۔ قدیم صوفی بزرگ شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''تذکرۃ الاولیاء'' میں آپ رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ایک پردہ نشین مخدومہ اور خلوص کا پیکر تھیں، عشقِ الٰہی کی آگ میں جلنے والی یہ خاتون مریم ثانی تھیں۔ اگر کوئی کہے کہ مَردوں کی صف میں ایک عورت کا ذکر کیوں کیا گیا ہے تو میں جواب میں یہ کہوں گا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ خدا صورتوں پر نہیں بلکہ دِلوں اور نیتوں پر نظر رکھتا ہے اور روزِ قیامت حساب کتاب کا نتیجہ نیتوں کے مطابق ہوگا، جب اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دِین کا دوتہائی حصّہ لینا روا ہے تو ان کی کنیزوں سے بھی دینی فائدہ حاصل کرنا جائز اور روا ہے پھر عورت اگر عبادت و ریاضت کرے تو اس کو بھی مَردوں ہی کی صف میں

شامل کیا جائے گا نیز قیامت کے دن جب مَردوں کو پکارا جائے گا تو سب سے پہلا قدم حضرت مریم علیہا السلام کا پڑے گا۔ پھر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا یہ مقام تھا کہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلسِ وعظ میں اگر آپ رحمۃ اللہ علیہا نہ ہوتیں تو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ وعظ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا ذِکر یوں بھی ضروری تھا کہ یہ ذِکر از رُوئے توحید کیا گیا ہے اور توحید میں من وشما کا امتیاز نہیں ہوتا۔ یوں بھی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اپنے زمانہ میں معرفتِ الٰہی میں بے نظیر تھیں اور بزرگوں کی نظر میں اس رتبہ کی اہل بھی۔"

(شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ۔ تذکرۃ الاولیاء)

(ترجمہ: ڈاکٹر محمود الرحمٰن ماخوذ از کتاب: ذکرِ جمیل)

پیدائش

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا مقام تصوّف میں جس قدر بلند ہے، اسی قدر ان کی زندگی کے حالات و واقعات پردۂ اخفا میں ہیں۔ یہ حیرت انگیز اتفاق ہے کہ قدیم تذکرہ نگاروں نے آپ کے سنِ پیدائش کا ذکر نہیں کیا۔ جیسے تذکرۃ الاولیاء میں حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کا سنِ پیدائش نہیں لکھا البتہ دورِ جدید کے تذکرہ نگاروں نے تحقیق کے بعد آپ کی ولادت باسعادت 97 ہجری لکھی ہے۔ مشہور فرانسیسی مستشرق میسینون (MASSIGNON) نے 95 ہجری یا 99 ہجری پر زور دیا ہے اور یہی سنِ پیدائش ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب (Rabia The Mystic) جو دراصل ان کا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ بھی تھا میں اختیار کی۔ اغلب گمان یہ ہے

کہ یہ 717ء کا عیسوی سال تھا۔

آپ کا نام

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی پیدائش سے پہلے شیخ اسماعیل ؒ کے ہاں تین بیٹیاں تھیں، چونکہ آپ ان کے بعد پیدا ہوئیں، اس مناسبت سے آپ کا نام رابعہ رکھا گیا۔ عربی زبان میں رابعہ چوتھی کو کہتے ہیں۔

آپ کا خاندان

خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے بقول آپ ایک غریب ترین گھرانے میں پیدا ہوئیں، اگر چہ بعد کے ایک مصنف شیخ محمد ذہبی نے اپنی کتاب ''مشاہیر النساء'' میں لکھا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بصرہ کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھیں لیکن ان کی اس بات کو کم ہی تسلیم کیا گیا اور شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کو ہی معتبر سمجھا گیا ہے۔

آپ کے والد کا نام شیخ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ تھا جو اگر چہ دنیاوی مال و دولت سے محروم تھے لیکن آپ قناعت کی دولت سے مالا مال تھے۔ آپ چونکہ خود متقی اور پرہیز گار تھے لہٰذا آپ کو دولتِ دنیاوی سے محرومی پر نہ کوئی شکوہ تھا نہ شکایت۔ آپ پیکر تسلیم و رضا تھے، ہر حال میں اللہ کے شکر گزار اور توکل وقناعت کی دولت پر خوش۔ فقر پر فخر کرنے والے، فاقہ ہوتا تو خاموشی سے برداشت کرتے تھے۔

پیدائش پر واقعات کا سلسلہ

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی ابتدائی زندگی اسرار و معرفت کے عظیم الشان واقعات سے بھرپور ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا بچپن عام بچوں سے مختلف تھا۔

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس رات حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا پیدا ہوئیں، شیخ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں کوئی فالتو کپڑا نہ تھا جو نومولود کو اوڑھایا جاسکے اور نہ رات کے وقت چراغ جلانے کے لئے گھر میں تیل تھا، نہ ہی نومولود کی ناف پر چپڑنے کے لئے تیل کی کوئی بوند موجود تھی۔ یہ حالتِ زار دیکھ کر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی والدہ ماجدہ نے آپ کے والد سے کہا کہ جائیں اور ہمسائے کے گھر سے تھوڑا سا تیل مانگ لائیں تا کہ ایک تو گھر میں روشنی کی جاسکے دوسرے نومولود کی ناف پر تیل لگایا جاسکے۔ حضرت شیخ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کا عہد کر رکھا تھا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے کبھی کچھ نہ مانگیں گے مگر بیوی کے اصرار پر مجبوراً ہمسائے کے گھر گئے، ہلکی سی دستک دی، جب کوئی نہ آیا تو واپس لوٹ آئے اور بیوی سے کہا کہ وہ دروازہ نہیں کھولتا۔

خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد اور بشارت

اسی بے بسی اور بے کسی کے عالم میں آپ کی آنکھ لگ گئی، خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ:

"غمگین نہ ہو، یہ ایسی مقبول اور برگزیدہ لڑکی ہے کہ میری اُمت کے ستر ہزار آدمی اس کی شفاعت سے بخشے جائیں گے۔"

اس کے بعد فرمایا:

"صبح والیٔ بصرہ عیسیٰ زاضان کو ایک خط بھیجو اور اسے یاد دلاؤ کہ وہ ہر روز مجھ پر ایک سو مرتبہ درود بھیجتا ہے اور جمعہ کی رات کو چار سو بار درود بھیجتا ہے لیکن اس جمعہ کی رات کو وہ درود بھیجنا بھول گیا ہے، اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ حلال کمائی میں سے چار سو دینار اس شخص کو دے جو

یہ پیغام تم کو پہنچا رہا ہے۔"

شیخ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ صبح جب بیدار ہوئے تو آنکھوں سے آنسو رواں تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق امیرِ بصرہ کے نام ایک خط تحریر کیا اور اللہ کا نام لے کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ دل میں یہ خیال بھی بار بار آ رہا تھا کہ میں نے تو یہ عہد کر رکھا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کے آگے دستِ دراز نہیں کروں گا، کہیں میں اپنے وعدے سے پھر تو نہیں رہا کیونکہ امیرِ بصرہ کے دربار میں جا رہا ہوں، پھر دل کو اس خیال سے تقویت ملتی کہ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم گویا اللہ کا حکم ہے۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ۔ ﴿القران﴾

بوسیدہ سی گدڑی میں ملبوس جب آپ امیرِ بصرہ کے محل کے سامنے پہنچے تو وہاں کھڑے دربانوں نے نہایت حقارت سے آپ کی طرف دیکھا، ان میں سے ایک بولا:

"اے! یہاں کیا کھڑے ہو، آگے بڑھو۔"

فرمایا: "میں امیر سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کیا وہ بھی تم سے ملنا چاہے گا۔"

دربان نے آپ پر طنز کے تیر چلاتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

فرمایا:

"یہ تو مجھے معلوم نہیں، البتہ یہ تمہارا مجھ پر بڑا احسان ہوگا اگر تم میرا یہ خط امیر تک پہنچا دو۔"

"اچھا تو خط بھی لے کر آئے ہو، چلو تمہارا یہ کام بھی کر دیتے ہیں نہ جانے اس میں کس کی سفارش ہو!"

یہ کہہ کر ان میں سے ایک دربان آگے بڑھا اور آپ کے ہاتھ سے وہ خط لے لیا۔

امیرِ بصرہ اس وقت دربار میں موجود تھا، دربان نے دربار کے آداب بجالائے اور اجازت لے کر وہ خط امیر کے سامنے رکھ دیا۔ امیرِ بصرہ نے جونہی کاغذ کے ٹکڑے پر نظر ڈالی تو گھبرا کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ بولا:

''وہ معزز شخص کہاں ہے اور یہ خط تمہیں دے کر چلا تو نہیں گیا۔''

عرض کی گئی:

''نہیں حضور! ہم نے اسے محل کے دروازے پر روکا ہوا ہے۔''

کہا:

''چاہیے تو یہ تھا کہ ہم اسے اعزاز واکرام کے ساتھ اپنے محل میں طلب کرتے لیکن جو پیغام وہ لایا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم خود بنفسِ نفیس اس کے استقبال کے لئے محل کے دروازے پر حاضر ہوں۔''

اس وقت امیر ننگے پاؤں تھا، اسی حالت میں دروازے کی طرف دوڑ پڑا۔ اُدھر شیخ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ خط دے کر امیر کے ردِ عمل کے منتظر تھے، محل کے دربانوں نے شیخ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کر کے جونہی یہ بتایا کہ یہ شیخ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ ہیں، امیر نے آپ کو گلے سے لگالیا۔ اور دربار میں لے جا کر اعلیٰ مسند پر بٹھایا۔ پھر آپ کی خدمت میں چار سو دینار پیش کئے اور اپنی خطا پر (یعنی جمعہ کی رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پاک بھیجنا بھول گیا تھا) سخت نادم بھی ہوا اور اشکبار بھی، اور دل کے کسی کونے میں خوشی بھی ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی بہانے مجھے پیغام کے لائق تو سمجھا اور اسی نسبت سے ایک غریب آدمی کی کچھ مدد بھی ہوگئی۔

کہا:

''آج سے میں آپ کے لئے امیرِ بصرہ نہیں بلکہ آپ کا خادم ہوں،

آج کے بعد آپ کا جب جی چاہے میرے پاس تشریف لے آنا۔"

بعد ازاں امیرِ بصرہ نے بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ آپ کو رخصت کیا۔

زوجہ کی ہچکچاہٹ

چار سو دینار کسی خرچیلے آدمی کے لئے بھی کم نہ تھے اور پھر شیخ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ جیسے قناعت پسند کے لئے تو یہ بہت ہی زیادہ مال و دولت تھی۔ آپ نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور کھانے پینے کا ضروری سامان خرید کر گھر کی راہ لی۔ آپ کی بڑی بیٹی گھر سے باہر نکلی، خچر پر اتنا ڈھیر سارا سامان دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی۔ بچی کی چیخ سن کر والدہ بھی باہر نکل آئی، باہر کا منظر دیکھ کر اس نے بھی افسوس سے گردن جھکا لی۔ فوراً بولیں:

"اتنا سامان تم کہاں سے لے آئے، مجھے ڈر ہے کہ ضرورتوں سے تنگ آکر تم نے غلط قدم تو نہیں اُٹھالیا۔"

فرمایا:

"نیک بخت! میں تو کسی سے قرض لینے کا بھی روادار نہیں تعجب ہے تم مجھ سے ایسی اُمید رکھتی ہو۔"

زوجہ بولیں:

"پھر اتنی مالیت کا سامان کہاں سے آگیا؟ تمہارے پاس تو اتنی رقم ہی نہ تھی، ضرور تم نے کسی سے قرض لیا ہے۔"

فرمایا:

"ہاں میں نے اللہ سے قرض لیا ہے اور اب ہم سب گھر والوں نے اللہ کا شکر ادا کر کے اس قرض کو واپس لوٹانا ہے۔"

زوجہ تھی کہ بات ماننے کا نام نہ لیتی تھی، کہا

"مجھے باتوں سے بہلانے کی کوشش نہ کرو، سیدھی طرح بتاؤ کہ بات کیا ہے؟"

فرمایا:

"نیک بخت! بتاتا ہوں، مجھے سانس تو لینے دو۔"

بولیں:

"جب تک اصل بات نہ بتاؤ گے ان اشیاء کو ہاتھ بھی نہ لگاؤں گی۔"

زوجہ کے اس درجہ اصرار پر آپ نے اپنا خواب اور امیرِ بصرہ کا سارا واقعہ بیان کر دیا۔ زوجہ محترمہ دم سادھے سارا ماجرا سنتی رہیں پھر دونوں میاں بیوی دیر تک اللہ کا شکر ادا کرتے رہے اور اپنی خوش نصیبی پر خوشی کے آنسو بہاتے رہے۔

بچپن

آپ نے انتہائی غربت کے ماحول میں پرورش پائی، پانچ سال کی عمر تک آپ کا بچپن اپنے والدین کے سائے میں گزرا۔ آپ کی پیدائش پر گھریلو حالت کچھ بہتر ہوگئی تھی جس پر والدین خوش تھے۔

ابتدائی تعلیم وتربیت

چونکہ آپ کے والد خود صوفی تھے، کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور ہر وقت ایمان وصبر کا دامن تھامے رہتے تھے لہٰذا حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی ذہانت نے ماں باپ کے زُہد وتقویٰ اور فقر وفاقہ سے قناعت کی لازوال دولت پائی اور خاموشی کو اپنا شیوہ بنالیا۔ وہ عام بچیوں کی طرح چیزوں کی فرمائش نہ کرتی تھیں، جو مل جاتا کھالیتیں۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اس عمر میں بھی فجر کے وقت والد کے ساتھ بیدار ہوتیں، بلند آواز سے کلامِ پاک کی تلاوت کرتیں اور گریہ وزاری بھی، روایت ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے قرآنِ کریم حفظ کیا تھا اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی انہیں عبور حاصل تھا لیکن یہ بہت بعد کی بات ہے۔ ہم یہاں صرف ان کی ابتدائی عمر کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس عمر میں بھی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو حرام حلال کی تمیز تھی۔ ایک دن جب ان کے گھر والے کھانا کھانے بیٹھے اور بڑے شوق سے کھانے کی طرف بڑھے لیکن حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ان سے دُور رہیں، ان کے والد نے کہا بیٹا کھانا کیوں نہیں کھاتیں؟ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے نہایت غمزدہ آواز میں جواب دیا۔ ابا جان! اللہ جانے یہ کھانا حلال بھی ہے کہ نہیں؟ یہ سُن کر والد چونکے اور انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے دریافت کیا: کہا تو نے کبھی ہمیں دیکھا کہ اگر حلال کھانا نہیں ملا تو ہم نے حرام کی طرف ہاتھ بڑھایا ہو؟ اس پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے کہا کہ ہمیں اس دنیا میں بھوک پر صبر کرنا چاہیے تاکہ آخر میں آگ پر صبر نہ کرنا پڑے، اس رات جب والدہ بچا ہوا کھانا اُٹھانے لگی تو برتن میں کچھ بھی نہ تھا بلکہ پیالہ خالی تھا۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے والد ان کے جواب پر دل ہی دل میں تعجب کرنے لگے کیونکہ اس قسم کی باتیں تو زاہد و عابد اپنی مجالس میں کیا کرتے تھے۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا جب کوئی قرآنی سورت زبانی یاد کر کے اپنے والد کو سناتیں تو وہ اشکبار ہو جاتے اور کہتے یا اللہ! یہ لڑکی دوسری لڑکیوں جیسی نہیں، اسے تُو نے کیوں پیدا کیا ہے؟

والدین کی وفات

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی عمر مبارک جب صرف پانچ برس کی ہوئی تو ناگہاں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور اس کے فوراً بعد ہی والدہ کی وفات کا صدمہ بھی جھیلنا

پڑا۔ والدین کی وفات پر سب بہنیں بے یارومددگار ہو کر رہ گئیں اور کوئی ایسا بڑا خاندان میں موجود نہ تھا جو ان کے سروں پر دستِ شفقت رکھتا اور ضروریاتِ زندگی کے حصول میں ان کی مدد کرتا۔ بہر حال ان بہنوں کا وقت کسی نہ کسی طرح گزرنے لگا، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ذہنی طور پر ان مصائب و آلام کے لئے تیار تھیں اور انہوں نے ایمان وقناعت کو زندگی بسر کرنے کا وسیلہ بنالیا تھا۔

مصائب کا آغاز

والدین کے یکے بعد دیگرے وفات پا جانے کے بعد اس بے یارو مددگار خاندان پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ بھری دنیا میں ان کا کوئی پُرسانِ حال نہ رہا اور اس چھوٹے سے خاندان پر قیامت گزر گئی۔

بصرہ میں قحط

ابھی گزشتہ صدمات تازہ ہی تھے کہ غالباً 105ھ میں جب حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا صرف آٹھ یا نو سال کی تھیں کہ بصرہ میں ایک خوفناک قحط پھوٹ پڑا۔ تمام شہر میں کھانے پینے کی اشیاء کی قلت ہوگئی اور روٹی تک ناپیدو نایاب ہوگئی۔ چاروں بہنوں پر تین دن سے فاقہ تھا، بھوک کی شدت سے تنگ آکر گھر سے نکلیں تا کہ شہر چھوڑ کر کسی ایسے مقام کی طرف ہجرت کر جائیں جہاں کھانے کو کچھ مل سکے، ابھی راستے ہی میں تھیں کہ ایک دوسرے سے بچھڑ گئیں، ایک ظالم اور بدقماش شخص نے سب سے چھوٹی بہن حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو زبردستی پکڑ لیا اور بصرہ کے ایک دولت مند تاجر جس کا نام عتیق تھا کے ہاتھ صرف چھ دینار میں فروخت کر دیا، جس نے آپ کو کنیز کے طور پر گھر میں رکھ لیا اور گھر کے تمام کام کاج اس معصوم بچی سے لینے لگا۔

دوسری روایت

کتبِ تواریخ میں یہ واقعہ ایک اور انداز میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے کسی قریبی رشتہ دار نے قحط کے دنوں میں لالچ میں آ کر آپ کو فروخت کر دیا تھا۔

تیسری روایت

دورِ جدید کے ایک مصنف نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ قحط میں لوگ نہ صرف لطیف و نازک جذبات کو بھول جاتے ہیں بلکہ شکم کی آگ بجھانے کے لئے اپنے ہی ہم جنسوں کو فروخت کرنے اور بعض صورتوں میں ان کو کھانے لگتے ہیں۔ بصرہ کے قحط میں بھی یہی صورت حال تھی۔

چاروں بہنیں فاقے سے تھیں، بھوک کی شدّت جب حد سے بڑھی تو بھیک مانگنے کی نوبت آ گئی لیکن قحط زدہ شہر میں بھیک کون دیتا، بہنیں بھوک سے نڈھال راستے میں بیٹھی تھیں کہ بصرہ کا مشہور تاجر عتیق وہاں سے گزرا، فاقہ زدہ بہنوں نے اس کے آگے دستِ سوال دراز کر دیا کہ خدا کے لئے ہمیں کھانے کے لئے کچھ دو۔ عتیق نے ان سب کو بغور دیکھا پھر اس کی نظریں سب سے چھوٹی بہن پر آ کر رُک گئیں۔ اس نے پوچھا:

''لڑکی تجھے بھوک نہیں ہے؟''

''بہت بھوک ہے!''

سب سے چھوٹی نے نقاہت زدہ لہجے میں جواب دیا۔

''تو پھر تم روٹی کیوں نہیں مانگتی۔''

تاجر نے سوال کیا۔

''جس سے مانگنا چاہیے میں اسی سے مانگ رہی ہوں۔''

لڑکی نے بڑا عجیب جواب دیا

"تو پھر تجھے ابھی تک روٹی کیوں نہیں ملی۔"

تاجر نے دوسرا سوال کر دیا۔

"جب وقت آئے گا تو وہ بھی مل جائے گی۔"

لڑکی نے نہایت استقامت سے جواب دیا۔

تاجر نے اس کی باتیں سنیں تو بہت حیران ہوا اور باقی بہنوں سے کہا کہ اسے میرے ہاتھ فروخت کر دو، وہ راضی ہو گئیں، تاجر عتیق نے ایک مخصوص رقم ان کے حوالے کی اور ننھی کنیز کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

تبصرہ

عام طور پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی فروخت کے بارے میں یہی تین روایات مشہور ہیں یعنی اوّل یہ کہ کسی بدقماش نے پکڑ کر فروخت کر دیا دوم یہ کہ کسی رشتہ دار نے لالچ میں آ کر فروخت کر دیا جبکہ سوم یہ کہ بہنوں نے ہی بھوک کی عفریت سے نجات پانے کے لئے اپنی چھوٹی بہن کو فروخت کر دیا۔ اس معاملے میں رہنمائی کے لئے ہم سیرت حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے قدیم مآخذ تذکرۃ الاولیاء سے رُجوع کرتے ہیں، جس میں شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ یوں رقمطراز ہیں کہ:

> "قحط اور خشک سالی کے باعث آپ کی بہنیں بھی جدا ہو گئیں چنانچہ آپ بھی ایک طرف چل نکلیں ایک ظالم نے پکڑ کر لونڈی بنا لیا اور بعد ازاں فروخت کر دیا چنانچہ خریدار آپ کو گھر لے آیا اور سخت مشقت کا کام لینے لگا۔"

جناب شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر سے پہلی روایت کی تائید و توثیق

ہوتی ہے لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ کسی بدقماش اور ظالم شخص نے آپ کو زبردستی فروخت کر دیا ہو۔

ایامِ غلامی

تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ جس شخص نے آپ کو خریدا وہ آپ کو اپنے گھر لے آیا اور سخت مشقت کا کام لینے لگا۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سارا دن کام کاج میں مصروف رہتیں، رات کو تھکن سے چُور ہو جاتیں مگر آپ نے کبھی اُف تک نہ کی۔ بچپن کی تربیت آپ کے کام آ رہی تھی کیونکہ آپ غربت میں پلی بڑھی تھیں۔

ذوقِ عبادت

اب آپ کی عمر مبارک تقریباً بارہ سال ہو چکی تھی، نوعمر ہونے کے باوجود آپ انتہائی مشقت اور ذمے داری کے ساتھ اپنا کام پورا کرتیں اور مالک کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ دیتی تھیں۔ جیسے جیسے آپ کی عمر بڑھتی جا رہی تھی آپ کے ذوقِ عبادت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ گھر کے کام کرنے کے بعد آپ رات رات بھر عبادت میں مصروف رہتی تھیں، صبح ہوتے ہی اپنے آقا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے گھر کے کاموں میں مشغول ہو جاتی تھیں۔

خرابی صحت

آخر اس شدید محنت نے آپ کو تھکا ڈالا اور آپ کے چہرے پر تھکن اور کمزوری کے آثار نظر آنے لگے جس پر ایک دن مالک نے آپ سے پوچھا:

''کیا تم بیمار ہو؟''

آپ نے نفی میں آقا کی بات کا جواب دیتے ہو کہا کہ:

”کیا میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں کسی کوتاہی کی مرتکب ہو رہی ہوں۔“

مالک نے آپ کے کام کی تعریف کی اور یہ بھی کہا کہ اپنی صحت کا بھی خیال رکھو۔ آپ نے مالک کا حکم سنا اور سر جھکا دیا مگر آپ کے معمولات میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ دن بھر تو آپ دنیاوی آقا کے روزمرّہ کے کام کرتیں اور رات کے اندھیرے میں اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتیں۔

ندائے غیبی

”تذکرۃ الاولیاء“ میں ہے کہ ایک دفعہ تاجر آقا نے آپ رحمۃ اللہ علیہا کو گھر سے باہر کسی کام سے بھیجا، جب آپ رحمۃ اللہ علیہا جا رہی تھیں تو اچانک کسی نامحرم کو سامنے آتا دیکھ کر گھبرا گئیں اور راستے سے ہٹتے ہوئے گر پڑیں جس سے آپ کی کلائی ٹوٹ گئی۔ تکلیف کی اس حالت میں آپ رحمۃ اللہ علیہا نے خاک پر ہی سر بسجود ہو کر دعا کی کہ یاالٰہی! اگرچہ میں غریب و بے یار و مددگار، دست شکستہ قیدی ہوں جسے ان میں سے کسی بات کا غم نہیں اور میں ان باتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صرف تیری رضا کی طالب ہوں، مجھے بتا کہ تو مجھ سے راضی ہے کہ نہیں؟

اسی وقت ایک ندائے غیبی آئی جس میں کہا گیا:

”رابعہ! غم نہ کرو، کل تمہارا وہ مرتبہ ہوگا کہ آسمان کے مقرب فرشتے بھی تم پر رشک کریں گے۔“

یہ سن کر آپ رحمۃ اللہ علیہا اپنی تمام تکالیف بھول گئیں، آپ دلشاد ہو کر خاک سے اُٹھیں اور مالک کے گھر آ کر حسبِ معمول کام میں مشغول ہو گئیں۔

آزادی

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ''تذکرۃ الاولیاء'' میں فرماتے ہیں:

''آپ رحمۃ اللہ علیہا ہمیشہ روزہ رکھتیں پھر اپنے آقا کی خدمت میں مصروف ہو جاتیں جبکہ رات ہوتے ہی عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو جاتیں ایک رات اتفاق سے آپ کا آقا بیدار ہو گیا۔ باوجودیکہ چراغ بجھ چکے تھے لیکن پھر بھی سارا گھر بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ وہ حیرانی کے ساتھ اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا ایک علیحدہ کوٹھڑی تک پہنچا، دیکھا کہ ایک کونے میں وہ سربسجود تھیں اور ایک معلّق نُور آپ رحمۃ اللہ علیہا کے سر پر ہالے کی طرح روشن تھا۔ آپ مسلسل مصروف مناجات تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ خداوندا!! اگر میں کسی دوسرے کی غلام نہ ہوتی تو ایک بھی لحہ تیری عبادت سے غافل نہ ہوتی لیکن تُو نے مجھے غیر کا محکوم بنا رکھا ہے اس لئے خدمت میں دیر سے حاضر ہوتی ہوں۔ یہ الفاظ اور دُعا سُن کر آقا حیران ہو گیا اور دل ہی دل میں تائب بھی ہوا کہ آئندہ ایسی برگزیدہ اور نیک ہستی سے کوئی خدمت نہ لوں گا بلکہ خود ان کی خدمت کروں گا۔ چنانچہ علی الصبح آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آقا نے کہا کہ آپ مختار ہیں جہاں جی چاہے رہیں آپ آج سے آزاد ہیں۔ اگر آپ یہاں رہیں تو میں آپ کی خدمت کروں گا لیکن آپ باہر آ گئیں اور خدائی عبادت میں مشغول ہو گئیں۔''

(تذکرۃ الاولیاء)

اس بارے میں ایک اور روایت بھی ہے کہ اس واقعہ سے قبل تاجر عتیق ایک ظالم

شخص تھا، اپنے غلاموں اور کنیزوں سے بے پناہ مشقت لیتا تھا اور انہیں پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں دیتا تھا۔ اس رات جب اس نے اپنی کنیز کو اس طرح خدا کے حضور سجدہ ریز دیکھا تو اس کا پتھر دل پگھل گیا اور اسے اپنے ماضی پر ندامت ہونے لگی۔ صبح ہوتے ہی جب اس نے کنیز کی کوٹھڑی میں جا کر اسے آزادی کا مژدہ سنایا کہ:

"آج سے تم آزاد ہو، جہاں چاہو چلی جاؤ۔"

"مگر میں تمہاری دی ہوئی قیمت ادا نہیں کر سکتی۔"

کنیز نے حیران ہو کر کہا۔

"میں تم سے کوئی قیمت نہیں مانگتا مگر ایک چیز کا سوال کرتا ہوں۔"

تاجر عتیق کے لہجے سے انکساری کا اظہار ہو رہا تھا۔

"میری طرف سے کی جانے والی تمام زیادتیوں کو اس ذات کے صدقے معاف کر دو جس کی عبادت تم راتوں کی تنہائی میں چھپ چھپ کر کرتی ہو۔"

"میں تمہیں معاف کرتی ہوں، میرا مالک تمہیں ہدایت دے۔"

یہ کہہ کر کنیز چلی گئی۔ یہ معصوم اور یتیم بچی اور شب بیدار کنیز مشہور عارفہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا تھیں۔

عبادت و ریاضت

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ اپنی کتاب "رابعہ دی مسٹک" (Rabia The Mystic) میں شیخ فرید الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ آزادی حاصل ہونے کے بعد حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا صحرا کی طرف نکل گئیں اور وہاں آبادی سے الگ یکسو ہو کر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو گئیں۔ پھر صحرا سے جی اُٹھ گیا اور ایک بستی کی ایک کوٹھڑی میں

گوشہ نشین ہو کر ذکر و فکر کرنے لگیں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ایک بانسری نواز کی آواز کے ساتھ سنگت کرتی رہیں جو ہو سکتا ہے غلامی کے دنوں سے مسلسل جاری ہو لیکن بعد ازاں آپ اس سے اُکتا گئیں اور تائب ہو کر جنگل میں گوشہ نشین ہو گئیں۔

تصوف کا رجحان

تقریباً سبھی تذکروں میں ہے کہ یہاں آپ رحمۃ اللہ علیہا رات دن میں ایک ہزار رکعات نماز ادا کرتیں اور اس ذوق و شوق سے یہ عبادت کرتیں کہ آپ کے نزدیک دن رات اور موسموں کا امتیاز ختم ہو گیا۔ یہیں سے آپ رحمۃ اللہ علیہا کے جذب و سلوک کا سفر شروع ہوا۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکی شب و روز اللہ کی عبادت میں مشغول ہے تو ان میں آپ رحمۃ اللہ علیہا کے لئے عقیدت و احترام کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہا کے زہد و تقویٰ کا چرچا دُور دُور تک پھیل گیا اور لوگ پند و نصیحت حاصل کرنے کے لئے آپ رحمۃ اللہ علیہا کے پاس آنے لگے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہا کا قلب خدائی تجلیوں کا آئینہ بن چکا تھا۔

حُبِّ الٰہی

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو کثرت رنج و الم نے دُنیا اور اس کی دلفریبیوں سے بیگانہ کر دیا تھا پھر اس جذب و بے خودی کی کیفیت نے بے نیازی کی شکل اختیار کر لی اور آپ رحمۃ اللہ علیہا نے دُنیا و اہلِ دُنیا کی نفی کر کے خالقِ کائنات سے اپنا رشتہ جوڑ لیا، یہ وہی رشتہ ہے جو دراصل ''الست بربکم قالو بلیٰ'' سے شروع ہوا تھا۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں ایک محقق عبدالرزاق پاشا نے

یوں لکھا ہے کہ:

"تصوف اسلامی کے ہیکل میں جس ہستی نے سب سے بڑھ کر اور سب سے پہلے حبِ الٰہی کو ایک مستقل و محکم مسلک کی صورت میں پیش کیا وہ صرف حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی ذات تھی۔"

دیدارِ الٰہی

اب آپ رحمتہ اللہ علیہا دُنیا اور دُنیاوی معاملات سے کوئی سروکار نہ رکھتی تھیں۔ دن بھر روزہ رکھتیں، رات کو جاگ کر عبادت کرتی رہتیں، قرآن کی تلاوت روز کا معمول تھا۔ کئی کئی دن گزر جاتے اور گھر میں کچھ نہ ہوتا کہ جس سے روزہ افطار کرلیں۔ اکثر پانی کے ایک گھونٹ سے روزہ افطار کرلیتی تھیں اور اس پر بھی ہر وقت خدا کا شکر ادا کرتی رہتی تھیں۔ آپ کے اس جوش اور ذوقِ عبادت کو دیکھ کر ایک شخص نے آپ رحمتہ اللہ علیہا سے پوچھا کہ آپ جس کی عبادت کرتی ہیں اسے دیکھتی بھی ہیں یا نہیں؟ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے جواب میں فرمایا کہ اگر اسے نہ دیکھتی تو عبادت ہرگز نہ کرتی۔

روایت ہے کہ ایک بار سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ آپ کے پاس تشریف لائے اور رات وہیں قیام کیا۔ دونوں رات بھر مصروفِ عبادت رہے۔ صبح کو حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا بہت خوش نظر آئیں حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے سبب پوچھا تو کہا کہ میں اس بات پہ خوش ہوں کہ مجھے اللہ نے نماز پڑھنے کی توفیق دی۔ مزید کہا کہ:

"عبادت کی توفیق عطا ہونے پر ہم کسی طرح بھی معبودِ حقیقی کا شکر ادا نہیں کرسکتے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا کرم ہے کہ اس کا جس قدر بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ اسی شکرانے کے طور پر میں کل روزہ رکھوں گی۔"

حصولِ تعلیم

ایک روایت یوں بیان کی جاتی ہے کہ جب تاجر عتیق نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو آزاد کر دیا تو آپ ظاہری تعلیم کے حصول کے لئے بصرہ سے کوفہ آ گئیں جو اس وقت بہت بڑا علمی مرکز تھا اور جہاں بڑے بڑے نادر روزگار علماء و حکماء ہر وقت موجود رہتے تھے، اور جو اپنی علمی مجالس سے طالبانِ حق کی علمی تشنگی کو سیراب کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ آپ اکثر ان علمی مجالس میں شریک ہو کر اپنی علمی پیاس بجھایا کرتی تھیں۔

حفظِ قرآن

کہتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہا فطری طور پر بہت ذہین تھیں لہٰذا آپ نے نہایت ہی کم مدت میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ ساتھ ساتھ آپ نے فقہ اور حدیث کی تعلیم بھی حاصل کی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہا اُمورِ دینیہ کے سیکھنے میں مَردوں سے فوقیت لے گئیں تھیں، یہاں تک کہ آپ رحمۃ اللہ علیہا اسرارِ فقہ و حدیث اور تفسیر کے رُموز خوب سمجھنے لگی تھیں، پھر آپ رحمۃ اللہ علیہا نے ان علوم میں اس قدر مہارت حاصل کر لی کہ جب آپ رحمۃ اللہ علیہا وعظ فرماتیں تو بڑے بڑے محدث اور فقیہہ حیران رہ جاتے تھے۔ یہ بات بھی طے شدہ اُمور میں شامل ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہا کی بارگاہ میں بڑے بڑے علماء، نیازمندی کے ساتھ حاضر ہوا کرتے تھے۔ ان کی باوقار علمی مجالس میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں حاضر ہوتے تھے، مشہور بزرگ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اور جناب شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ جیسے اصحاب بھی آپ رحمۃ اللہ علیہا کے پاس حاضر ہوتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔

تجرّد کی زندگی

آپ رحمۃ اللہ علیہا چونکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتی تھیں لہٰذا دُنیا کا خیال آپ رحمۃ اللہ علیہا کے دل کے کسی گوشے میں بھی نہ تھا یہی وجہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہا نے عمر بھر شادی نہ کی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہا کو کئی لوگوں نے شادی کی پیش کش کی لیکن آپ نے شادی کی ان سب پیش کشوں کو اس لئے مسترد کر دیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہا حسبِ سابق یکسوئی اور تندہی سے اللہ کی عبادت جاری رکھ سکیں اور اس میں کوئی رخنہ نہ آ جائے۔

شیخ عبدالواحد بن زید

انگریزی تصنیف ''رابعہ دی مِسٹک'' (Rabia The Mystic) میں ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ لکھتی ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے ایک ہمعصر جن کا نام شیخ عبد الواحد بن زید تھا، آپ رحمۃ اللہ علیہا سے شادی کے خواہشمند تھے، وہ خود صوفی تھے اور مبلّغ بھی تھے، اور بصرہ کے نزدیک ایک خانقاہی سلسلہ کے بانی تھے۔ آپ لوگوں کو خدا کے راستے میں تنہائی کی تعلیم بھی یاد کرتے تھے۔ جنابِ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں ان کے اس مضمون کے ایک شعر کا ذکر بھی کیا ہے:

راستے تو بہت سے ہیں
لیکن حق کا راستہ ایک ہے
وہ جو حق کی راہ کے مسافر ہیں
انہیں سب سے الگ رہنا چاہیے

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے عبدالواحد بن زید کی اس پیش کش کو ذرا اہمیت نہ دی بلکہ انہیں اپنے پاس آنے کی اجازت بھی نہ دی اور ایک عورت کے ذریعے کہلا بھیجا کہ

اے جذبات کے پیروکار! اپنی طرح کی کوئی ساتھی تلاش کر لے۔ کیا تم نے مجھ میں خواہش کی کوئی رمق بھی پائی ہے؟

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو ان پر اس لئے بھی غصہ تھا کہ وہ خود صوفی تھے اور صوفی ہو کر وہ انہیں بھی شادی کے جھمیلوں میں ڈال کر عبادت و تنہائی سے روکنا چاہتے تھے جبکہ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ وہ، ان کا جسم، ان کی جان، ان کی رُوح بلکہ سانسیں تک بھی اللہ کی امانت ہیں اور وہ ایک گھڑی بھی اللہ کے بغیر نہیں گزار سکتیں۔ اس لئے وہ شادی کے بندھن کو خدا کے ساتھ تعلق میں ایک رخنہ سمجھتی تھیں۔

بصرہ کا امیر

ایک اور شخص جس نے آپ رحمۃ اللہ علیہا سے شادی کی درخواست کی وہ بصرہ کا عباسی امیر محمد بن سلیمان الہاشمی تھا۔ اس نے جب شادی کا ارادہ کیا تو دوستوں سے صلاح لی اور پوچھا کہ میرے لئے کون سی خاتون بطور بیوی بہتر رہے گی، اس کے تمام دوستوں نے متفقہ طور پر کہا کہ آپ کے لئے رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بہترین انتخاب ہوگا۔ لہٰذا اس نے آپ رحمۃ اللہ علیہا کو شادی کا پیغام بھجوایا اور لکھا کہ وہ آپ رحمۃ اللہ علیہا کو ایک لاکھ دینار بطور مہر ادا کرے گا جبکہ اس کی ماہانہ آمدنی دس ہزار دینار ہے وہ بھی آپ کی نذر کر دیا کروں گا۔ اس پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے جواب دیا کہ اس بات سے مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی کہ تم میرے دست بستہ غلام بن جاؤ گے یا تمہاری آمدنی میری ملکیت ہو جائے گی۔ تم مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی خدا سے دُور نہیں کر سکتے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہا نے مزید لکھا کہ:

"زُہد و تقویٰ دُنیا میں باعثِ راحت جبکہ خواہشات حزن و ملال پیدا کرتی ہیں، اپنی خواہشات کو محدود کرو اور خود پر کنٹرول کرو، دوسروں

کو خود پر حاوی نہ ہونے دو۔ تم خود اپنے والی وارث بنو، دوسروں کو نہ بناؤ مبادا وہ تمہارا ترکہ تقسیم کر لیں گے۔ اپنے دل میں ہمیشہ موت کا خیال رکھو۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو خدا مجھے اس سے دوگنا دے سکتا ہے جتنے کی تم نے پیش کش کی ہے لیکن اس سے مجھے کوئی خوشی نہیں ہوگی کیونکہ میں اپنے اللہ سے ایک گھڑی یا ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہونا چاہتی۔ لہٰذا اللہ حافظ۔"

(بحوالہ الکواکب الدریہ از مناوی)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

انگریزی تصنیف "رابعہ دی مسٹک" (Rabia The Mystic) میں ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ لکھتی ہیں کہ ایک اور کہانی بھی سنائی جاتی ہے کہ ایک دفعہ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور چند دوسرے صوفیائے کرام، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پاس تشریف لائے اور انہیں شادی کی ترغیب دی بلکہ کہا وہ بصرہ کے صوفیوں میں سے جسے پسند کریں اس سے شادی کر لیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہا نے جواب دیا ٹھیک ہے! تم سب میں سے بڑا عالم کون ہے کہ میں اس سے شادی کر لوں؟ سب نے کہا خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ۔ لہٰذا آپ رحمۃ اللہ علیہا ان سے مخاطب ہوئیں اور کہا کہ اگر آپ میرے چار سوالوں کا جواب دے دیں تو میں آپ کی بیوی بننے کو تیار ہوں۔ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

"پوچھئے! اگر خدا نے اجازت دی تو میں جواب دوں گا۔"

تب آپ رحمۃ اللہ علیہا نے کہا:

"یہ بتائیے کہ جب میں مروں گی تو مسلمان ہوں گی یا کافر اور میرا خدا میرے بارے میں کیا فیصلہ کرے گا؟"

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

''یہ ان چھپی ہوئی باتوں میں سے ہے جن کو صرف خدا ہی جانتا ہے۔''

پھر انہوں نے کہا:

''جب مجھے قبر میں رکھا جائے گا اور منکر نکیر مجھ سے سوال کریں گے تو کیا میں ان کو اطمینان بخش جواب دے پاؤں گی یا نہیں؟''

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بولے:

''یہ بھی ایک پوشیدہ اَمر ہے۔''

پھر آپ رحمۃ اللہ علیہا نے اگلا سوال کیا کہ:

''روزِ محشر جب تمام لوگ اکٹھے ہوں گے اور اِن کو ان کے اعمال نامے تقسیم کیے جائیں گے، کچھ کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور کچھ کو بائیں ہاتھ میں۔ کیا مجھے میرا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یا بائیں ہاتھ میں؟''

حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے پھر جواب دیا کہ:

''یہ بھی چھپی ہوئی باتوں میں سے ہے۔''

آخر میں آپ رحمۃ اللہ علیہا نے پوچھا کہ:

''روز قیامت جب تمام بنی نوع انسان جمع ہوں گے، ان میں سے کچھ جنت میں اور کچھ دوزخ میں جائیں گے، ان دونوں میں مَیں کس گروہ میں ہوں گی؟''

انہوں نے پہلے کی طرح ہی جواب دیا کہ:

''یہ بھی پوشیدہ باتوں میں سے ہے جس کو سوائے خدا کے کوئی نہیں

جانتا۔"

اس پر آپ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا:

"جب ایسا ہے کہ میرے چار سوالات جن کا براہِ راست تعلق مجھ سے ہے، ان کی موجودگی میں مجھے خاوند کی کیا ضرورت ہے کہ میں اس کے ساتھ منسلک ہو جاؤں جبکہ مجھے تو ان سوالوں کا غم اور فکر ہونا چاہیے۔"

پھر آپ رحمۃ اللہ علیہا نے یہ اشعار پڑھے۔ (ترجمہ)

میرے بھائیو! میرا سکون اور اطمینان تنہائی میں ہے
اور میرا محبوب ہمیشہ میرے ساتھ ہے
اس کی محبت کا مجھے کوئی متبادل نہیں مل سکتا
فانی چیزوں کے درمیان اس کی محبت میرا امتحان ہے
جہاں اس کا حسن ہوگا وہیں میں مراقبہ کروں گی
وہی میری محراب ہے اسی کی طرف میرا قبلہ ہے

ایک اور روایت

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے شادی کی درخواست کی ایک اور کہانی شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان کرتے ہیں کہ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ ہم دونوں شادی کر کے ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ کے لئے منسوب ہو جائیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے یوں جواب دیا کہ:

"عقدِ نکاح ان کیلئے ہوتا ہے جو جسمانی طور پر موجود ہوں یعنی جن کا تعلق دنیاوی معاملات سے ہو۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میرا تو

وجود ہی ناپید ہے اور میں اپنی مالک نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی ملکیت ہوں اور میں اس کے حکم کے سائے میں ہوں لہٰذا عقدِ نکاح کے لئے مجھ سے نہیں بلکہ خدا سے پوچھا جانا چاہیے۔"

نکاح کا طلبگار

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا پر لکھی گئی کتاب "حیاتِ ابدی" میں کلیم النساء صاحبہ لکھتی ہیں کہ:

"ایک بار کوئی صاحب حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو نکاح کا پیغام دیا۔ جواب میں آپ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا کہ مشہور ہے طالبِ دُنیا مخنث ہے اور طالبِ عقبیٰ مونث جبکہ طالبِ مولا مذکر۔ پھر کہا کہ اگر تم طالبِ دُنیا ہو تو مخنث ہو جبکہ میں مونث ہوں اور مخنث سے نکاح جائز نہیں اور اگر تم طالب عقبیٰ ہو تو مونث ہو لہٰذا مونث کا مونث سے نکاح ہو ہی نہیں سکتا اور اگر تم طالبِ مولا ہو تو مذکر ہو جبکہ اسی جہت سے میں بھی مذکر ہوں کیونکہ میں خود بھی طالبِ مولا ہوں لہٰذا مذکر کا مذکر سے نکاح ناممکن ہے یوں ہمارے درمیان کسی بھی طور نکاح کا رشتہ قائم نہیں ہو سکتا یہ سُن کر وہ شخص اپنا سامنہ لے کر رہ گیا اور خاموشی سے چلا گیا۔"

ایک وضاحت

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے کئی شاگرد اور ساتھی تھے جو ہر وقت آپ رحمۃ اللہ علیہا کے گھر پر جمع رہتے تاکہ آپ رحمۃ اللہ علیہا سے وظائف اور پند و نصائح حاصل کر سکیں اور آپ

سے تصوف کی تعلیم لے سکیں۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہا کے تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کا شاگرد یا چھوٹے ہمعصر ساتھی کے طور پر پیش کیا ہے جو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی رُوحانی مجلس میں بصد شوق حاضر ہوا کرتے تھے حالانکہ تاریخی لحاظ سے امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا 97ھ میں پیدا ہوئیں اور حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ 110ھ میں دُنیا سے رُخصت ہو گئے تھے۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے وقت حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی عمر صرف تیرہ سال بنتی ہے۔ اور یہ وہ دَور تھا جب حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بصرہ ہی میں عتیق نامی ایک تاجر کے گھر میں کنیز کی حیثیت سے زندگی کے دن گزار رہی تھیں۔ حقیقت میں تذکرہ نگاروں نے ہر دو کے درمیان جو رُوحانی تعلق قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاریخ کی رُو سے اسے ثابت کرنا محال ہے۔ بالفرض اگر ان میں کوئی تعلق تھا بھی تو وہ صرف اتنا ہی ہوسکتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بچپن میں کبھی دَورِ غلامی سے نجات پانے کے دوران تحصیلِ علم کی خاطر خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک آدھ بار حاضر ہوئیں۔ جبکہ عقیدت مندوں نے اتنی سی بات کا فسانہ بنا کر واقعات کا ایک طومار باندھ کے رکھ دیا ہے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے اس بات کا عندیہ دیا ہے کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے شاگرد تھے حالانکہ ان روایات کو قبول کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ وہی عمروں کا تفاوت ہے۔ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ تاریخ کے اس تناظر میں ہر دو کے درمیان ملاقات کو بھی ثابت کرنا ناممکن حد تک مشکل ہے۔

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف

تاریخ کے طالب علموں کے لئے یہ بات حیرت کا باعث ہے کہ اس طرح کی روایتوں کے اوّلین بانی شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ جیسے صوفی ہیں جنہیں یہ بات اچھی طرح

معلوم ہونی چاہیے تھی کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی تاریخ پیدائش 97ھ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات 110ھ ہے لیکن اس کے باوجود ہم "تذکرۃ الاولیاء" میں یہ واقعہ تحریر دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ ایک بار حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلسِ درس آراستہ تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ بار بار دروازے کو دیکھ رہے تھے جیسے کسی کا انتظار کر رہے ہوں۔ ایک بے تکلف دوست نے پوچھا:

"امام! کیا کسی کا انتظار ہے؟"

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بے ساختہ فرمایا:

"ہاں میں رابعہ کا انتظار کر رہا ہوں۔"

اس نے دوبارہ عرض کیا:

"امام! آخر کیا وجہ ہے کہ جب تک آپ کی مجلس میں رابعہ جیسی ضعیف عورت نہیں آتی اس وقت تک آپ وعظ نہیں کرتے؟۔"

اس پر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے پُر جوش لہجے میں فرمایا کہ:

"ہاتھیوں کی غذا چیونٹیوں کو نہیں مل سکتی۔"

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی ہم عمر تھیں، جو امرِ محال ہے اور اس واقعہ کو تاریخی طور پر ثابت کرنا بھی ناممکن ہے لیکن اکثر تذکرہ نگار اسی طرح کے واقعات بیان کرتے نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے روایت کردہ واقعات درجۂ اعتبار سے گر جاتے ہیں۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جتنے واقعات ہیں انہیں اسی نظر سے دیکھا جانا چاہیے۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اور خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مفصّل حالاتِ زندگی تو اپنے مقام یعنی

''حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے معاصرین'' میں بیان کیے جائیں گے، یہاں صرف اتنا عرض ہے کہ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اسلامی دنیا کے اوّلین صوفیاء میں سے ایک تھے۔ ایک ایسے صوفی جنہوں نے حزن و ملال کو زُہد کا جزو بنا رکھا تھا۔ آپ دنیوی زندگی میں زیادہ تر موت، آخرت اور دوزخ کا خوف رکھتے تھے آپ زاہدوں کے امام تھے۔ آپ نے عرب عصبیت، حسب نسب اور جاہ سے منہ موڑ کر علم وتقویٰ کا دامن تھاما، یہاں تک کہ آپ کا نام بصرہ میں محبت اور احترام سے لیا جانے لگا۔ جہاں کہیں زُہد وتقویٰ اور وعظ ونصیحت کا ذکر آتا، لوگ کہتے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ان تمام فضیلتوں کے امام ہیں۔ آپ کا یہ دَور 21 ہجری سے 110ھ یعنی آپ کی ولادت سے وفات تک محیط ہے۔ آپ کے بعد حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا دَور آگیا۔ 97ھ تا 185ھ جس میں آپ ہدایت ومعرفت کی شمع اور عشاق و زہاد کی سُرخیل بنیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا شادی نہ کرنا اور ان زاہدوں کو ملامت کرنا جو انہیں شادی کی دعوت دیتے تھے دراصل حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک ہی کی تائید تھی۔ آپ کا خیال تھا کہ شادی تہجد سے روکتی ہے، آپ کا فرمان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دنیا میں بھلائی دیتا ہے تو اسے بیوی بچوں سے محروم کر دیتا ہے۔ الجاحظ کا کہنا ہے کہ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ عظیم استاد اور قابلِ قدر امام تھے جنہوں نے اپنے وعظ ونصیحت اور علم وعرفان سے ہزاروں لاکھوں لوگوں کو فیض پہنچایا۔ آپ مذہب کے نہایت پابندی اور کئی مذہبی کتابوں کے مصنف تھے۔ تصوّف کے بارے میں آپ کے خیالات آنے والے صوفیاء کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ آپ کی وفات 728 عیسوی میں ہوئی۔ آپ پر چونکہ آخرت اور دوزخ کا خوف غالب تھا لہٰذا اکثر کہا کرتے کہ خوش قسمت ہے وہ شخص جو ہزار سال دوزخ میں رہنے کے بعد بھی باہر آجائے اور اس کی مغفرت ہو جائے۔ حضرت ابوبکر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ یہ آرزو کیا کرتے تھے کہ کاش وہ بھی ایسے ہی انسان ہوں جن کی ہزار

سال بعد ہی سہی بخشش تو ہو جاتی ہے۔ اسکے باوجود کہ آپ اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے درمیان کوئی تعلق ممکن نہیں تھا، ہاں آپ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پیشرو ضرور تھے، البتہ یہ واقعات حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے پیش کیے جا رہے ہیں۔

گریہ زاری

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' میں بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا، خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کے پاس سے گزر رہی تھیں، آپ رحمۃ اللہ علیہا نے دیکھا کہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا سر کھڑکی سے باہر ہے اور وہ رو رہے ہیں، ان کے آنسو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے لباس پر گرے تو انہوں نے اوپر دیکھا اور سوچا کہ یہ بارش تو نہیں یقیناً حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے آنسو ہیں تو وہ آپ کے پاس آئیں اور کہا:

> ''اے خواجہ! اگر یہ رونا رعونتِ نفس کے لئے ہے تو مت رو۔ بلکہ اس لئے آنسو بہاؤ تاکہ تمہارے اندر دریا نظر آئے جس میں تمہیں اپنا دل نظر نہ آئے بلکہ یہ تمہیں خدائے مطلق کے پاس ملے۔''

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو خود کو بہت کچھ سمجھتے تھے، انہیں یہ بات بُری لگی اور وہ چپ ہو گئے۔

جنگلی جانور

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ''تذکرۃ الاولیاء'' میں فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ایک پہاڑ پر گئیں، دیکھتے ہی دیکھتے ہرن، خرگوش اور دوسرے

جانور آپ رحمۃ اللہ علیہا کے ارد گرد جمع ہو گئے اور آپ کو دیکھنے لگے۔ اتنے میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وہاں آئے، ان کو دیکھتے ہی تمام جانور بھاگ نکلے جس پر خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بہت حیران ہوئے اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے اس کی وجہ پوچھی۔ اُنہوں نے پوچھا کہ آپ آج کیا کھا کر آ رہے ہیں؟ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ وہ گوشت روٹی کھا کر آ رہے ہیں۔ یہ سُن کر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے کہا: جب آپ ان کا گوشت کھاؤ گے تو پھر وہ آپ سے مانوس کس طرح ہو سکتے ہیں، انہوں نے تو پھر بھاگنا ہی ہے نا۔"

کرامت وحقیقت

ایک دن حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا دریائے فرات کے کنارے پر بیٹھی اللہ کو یاد کر رہی تھیں کہ اتنے میں حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وہاں آ نکلے اور پانی پر مصلّٰی بچھا کر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو دعوت دی کہ آؤ یہاں دو رکعت نماز ادا کر لیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا:

> "یہ تو محض مخلوق کو دکھاوے کے لئے ہے کیونکہ دوسرے ایسا کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے ہوا میں مصلّٰی بچھا کر کہا آؤ دونوں یہاں نماز ادا کریں تاکہ خلقت کی نگاہوں سے پوشیدہ رہیں۔ پھر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی دل جُوئی کی خاطر فرمایا کہ جو کام آپ نے سر انجام دیا وہ تو پانی کی معمولی مچھلیاں بھی کر سکتی ہیں اور جو کچھ میں نے کیا وہ ایک حقیر مکھی بھی کر سکتی ہے۔ لیکن حقیقت کا مقام ان دونوں باتوں سے بلند ہے۔"

(تذکرۃ الاولیاء)

مفلس و مخلص

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ خود راوی ہیں کہ میں ایک دن حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے ہاں تھا۔ وہ شب و روز میں نے وہیں بسر کئے۔ ہمارے درمیان معرفت و حقیقت کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس دوران ہم دونوں میں سے کسی کے دل میں مرد یا عورت ہونے کا خیال تک نہ آیا۔ لیکن وہاں سے واپسی پر میں نے خود کو مفلس اور ان کو مخلص پایا۔''

کرامت

تذکرۃ الاولیاء میں مروی ہے کہ:

''حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اپنے چند رفقاء کے ساتھ ایک شب حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے یہاں پہنچے لیکن وہاں روشنی کرنے کیلئے کوئی چیز نہ تھی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو روشنی کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے اس کا ذکر کیا۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اپنی ایک انگلی پر کچھ پڑھ کر دم کیا اور پھونک ماری جس سے وہ انگلی روشن ہوگئی اور پورا گھر بقعۂ نور بن گیا۔ یہ روشنی صبح تک قائم رہی۔''

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو بھی فرد صدقِ دل کے ساتھ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کرتا ہے، اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے سے

ضرور کچھ نہ کچھ حصہ ملتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ خرقِ عادت شے کا اظہار نبی سے ہو تو اس کو معجزہ کہتے ہیں اور اگر ولی سے ہو تو اس کو کرامت کہا جاتا ہے، یہ کرامت صرف اتباعِ سنت سے ہی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے کہ رویائے صادقہ نبوت کا چالیسواں حصہ ہوتے ہیں۔

(صحیح بخاری)

ایک ہدیہ

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ "تذکرۃ الاولیاء" میں لکھتے ہیں کہ:

"ایک دفعہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو بطور ہدیہ ایک موم کا ٹکڑا، ایک سوئی اور ایک بال روانہ کیا اور یہ پیغام بھی ساتھ بھیجا کہ موم کی طرح خود کو پگھلا کر عالم کو منور کرو پھر سوئی کی مانند برہنہ رہ کر مخلوقِ خداوندی کے کام آؤ، یہ دونوں کام سرانجام دینے کے بعد بال کی طرح ہو جاؤ تاکہ تمہارا کام خراب نہ ہونے پائے۔"

ایک اور بزرگ نے اس واقعہ کی یوں توجیہہ کی کہ:

"یہ تینوں چیزیں ہدیۃً بھیج کر آپ نے یہ پیغام بھیجا تھا کہ موم کی طرح خود جل کر عالم میں روشنی کر کے سوئی کے ذریعے فاصلوں کو کم کرو یعنی لوگوں کے دلوں کو سیو، اور پھر بال کی طرح ہو جاؤ اور لوگوں کو نظر بھی نہ آؤ مبادا کہ کوئی تمہاری ستائش کرے۔ یعنی علم پھیلاؤ، لوگوں کو آپس میں جوڑو اور پھر کسی ستائش یا صلے کی تمنا بھی نہ کرو۔"

معرفت کا علم

ایک دفعہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہا سے دریافت کیا کہ:

''تمہیں یہ عظیم مراتب کیسے حاصل ہوئے؟''

فرمایا کہ:

''ہر شے کو یادِ الٰہی میں گم کر کے۔''

پھر پوچھا کہ:

''آپ نے اللہ تعالیٰ کو کیونکر پہچانا؟۔''

جواب دیا کہ:

''بے ماہیت و کیفیت۔''

ایک دفعہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہا سے فرمائش کی کہ:

''مجھے ان علوم کے بارے میں سمجھاؤ جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ حاصل ہوئے۔''

اور فرمایا کہ:

''میں نے تھوڑا سا سوت کات کر تکمیل ضرورت کے لئے دو درہم میں فروخت کر دیا اور دونوں ہاتھوں میں ایک ایک درہم لے کر اس خیال میں ڈوب گئی کہ اگر میں نے دونوں کو ایک ہی ہاتھ میں لے لیا تو یہ جوڑا بن جائے گا اور یہ بات وحدانیت کے خلاف ہے اور یہ میری گمراہی کا باعث ہوگی، اس کے بعد میری تمام راہیں کشادہ ہوتی چلی گئیں۔''

دیدارِ خداوندی

تذکرۃ الاولیاء میں مذکور ہے کہ:

''ایک بار لوگوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے کہا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اگر میں ایک لمحہ کے لئے بھی دیدارِ خداوندی سے محروم رہا تو اس قدر آہ وگریہ زاری کروں گا کہ اہلِ بہشت کو میرے حال پر ترس آنے لگے گا۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہا نے سن کر فرمایا:

''بالکل ٹھیک بات ہے لیکن اگر دنیا میں بھی لمحہ بھر حق تعالیٰ کے ذکر سے غافل رہنے کے باعث اسی قدر گریہ زاری کی ہوتی کہ اہلِ دنیا کو ان کے حالِ زار پر ترس آتا تو قیامت میں بھی ایسا ممکن ہے لیکن چونکہ ایسا نہیں ہے اس لئے قیامت کے دن بھی ایسا نہ ہوگا۔''

باب۴

سفرِ حج

توکلت علی اللہ

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آزادی کے بعد آپ نے طویل عبادت وریاضت کی زندگی بسر کی اوراس دوران ارادہ کیا کہ حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کی جائے چنانچہ آپ ایک گدھے پر سامان لاد کر چل پڑیں۔ آپ کا یہ گدھا بہت نحیف تھا، سفر کی صعوبتیں برداشت نہ کر سکا اور راستے میں ہی مر گیا۔ قافلے والوں نے ازراہِ ہمدردی کہا کہ کوئی بات نہیں ہم آپ کا سامان اُٹھا لیں گے آپ اپنا سفر ہمارے ساتھ جاری رکھیں، آپ نے قافلے والوں سے فرمایا کہ آپ جائیں میں نے آپ کے سہارے یہ سفر شروع نہیں کیا تھا میں نے تو اپنے پروردگار کے بھروسے اور توکل پر یہ سفر کیا تھا۔ قافلے والوں نے یہ سنا تو خاموش ہو گئے اور آپ کو تنہا چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔

اب آپ جنگل میں اکیلی تھیں، آنسوؤں کا دریا آپ کی آنکھوں سے رواں تھا۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگنے لگیں اور اس کی رحمت طلب کرنے لگیں کہ اے ربّ العزت! تُو نے ہی مجھے خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے بلایا تھا، اب تو ہی مجھے اس سے روک رہا ہے، راستے میں میرے گدھے کو مار ڈالا اور مجھ کو جنگل میں تنہا چھوڑ دیا۔ اے ربّ العالمین! میں کمزور ہوں، تیرے دیدار کی پیاسی ہوں مجھ پر اپنا فضل وکرم کر۔ ابھی آپ دُعا میں مصروف

ہی تھیں کہ گدھا اُٹھ کھڑا ہوا، آپ بہت خوش ہوئیں۔ خدا کا شکر ادا کیا اور اپنا سامان دوبارہ گدھے پر لاد کر مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوگئیں۔

دُعا کی برکت

ایک راوی کا بیان ہے کہ بہت عرصہ بعد میں نے اس گدھے کو مکہ معظمہ کے بازار میں فروخت ہوتے خود دیکھا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ کی دُعا کی برکت سے اس گدھے نے طویل عمر پائی۔

بیابان میں قیام

کہا جاتا ہے کہ اس سفر میں مکہ معظمہ پہنچنے سے پہلے آپ نے کچھ عرصہ تک بیابان میں قیام کیا اور خدا سے التجا کی۔

''اے بارِ الٰہا! تُو نے مجھے مٹی سے بنایا ہے جبکہ کعبہ کی تعمیر پتھر سے ہوئی ہے۔ خاک اور پتھر میں کیا آویزش ہوگی لہٰذا تو مجھے بالواسطہ اپنا دیدار کرادے۔ مجھے مکان نہیں مکین سے غرض ہے۔''

بلاواسطہ جواب آیا کہ اے رابعہ! تُو نظامِ عالم کو درہم برہم کر کے تمام اہل عالم کا خون اپنی گردن پر لینا چاہتی ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں جب موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی خواہش کی اور ہم نے اپنی تجلیوں میں سے ایک تجلی کوہِ طور پر ڈالی تو جل کر سیاہ ہوگیا تھا اور پاش پاش ہوگیا تھا لہٰذا وہ سوال نہ کرو جس کی تم اہل نہیں، تم اپنا سفر جاری رکھو۔

استقبالِ قبلہ

لہٰذا آپ نے سفر جاری رکھا، اچانک آپ کی نگاہ سامنے کی طرف اُٹھی تو آپ

نے دیکھا کہ کعبہ خود آپ کے استقبال کے لئے آگے چلا آ رہا ہے۔ آپ ٹھہر گئیں اور کہا:

"اے پتھر کے مکان! واپس لوٹ جا۔ مجھے تیری سنگی دیواروں کی ضرورت نہیں بلکہ میں تو اس محبوب سے ملنے کی متمنی ہوں جس کا یہ گھر ہے۔ مجھے تیرے حُسن سے زیادہ جمالِ خداوندی کی تمنا ہے۔"

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی مکہ معظمہ آمد

یہی وہ دن تھا جب حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ہر گام پر دو رکعت نماز ادا کرتے ہوئے چودہ سال میں مکہ معظمہ پہنچے تھے۔ آپ کو سارے سفر کے دوران یہ زُعم رہا کہ دوسرے لوگ تو قدموں پر چل کر مکہ معظمہ پہنچتے ہیں جبکہ میں سر اور آنکھوں کے بل پہنچوں گا، اور دیکھیے جب آپ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو خانہ کعبہ اپنی جگہ موجود ہی نہیں تھا۔ آپ نے خیال کیا کہ شاید میری بصارت زائل ہوگئی ہے یا شاید میری عبادت و ریاضت ضائع ہو گئی ہے لیکن اسی وقت غیب سے ایک ندا آئی کہ:

"اے ابراہیم! نہ تو تمہاری بصارت زائل ہوئی ہے اور نہ تمہاری ریاضت ضائع ہوئی ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ خانہ کعبہ واقعی اپنی جگہ پر موجود نہیں کیونکہ وہ ایک ضعیفہ کے استقبال کے لئے گیا ہوا ہے۔"

دونوں کی ملاقات

حضرت ابراہم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ سنا تو آپ پر رقت طاری ہوگئی، روتے ہوئے پوچھا اے اللہ! وہ قابل احترام خاتون کون ہے؟ جواب ملا سامنے دیکھے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا لاٹھی کے سہارے چلی آ رہی ہیں اور خانہ کعبہ بھی

اپنے مقام پر واپس آ چکا ہے۔ آپ آگے بڑھے اور سوال کیا کہ آپ نے نظامِ عالم کو کیوں درہم برہم کر رکھا ہے؟ جواب ملا میں نے تو نہیں البتہ تم نے ضرور ایک ہنگامہ کھڑا کر رکھا ہے کہ چودہ برس میں کعبہ تک پہنچے ہو۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ میں تو ہر قدم پر دو رکعت نفل پڑھتا آیا ہوں جس کی وجہ سے تاخیر سے پہنچا ہوں۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے کہا کہ اپنا تماشہ بناتے ہوئے آئے ہو تو دیر تو ہونی ہی تھی۔ تم دو رکعت پڑھ کے فاصلہ طے کرتے رہے جبکہ میں نے خاموشی سے اور عجز و انکساری سے یہ فاصلہ طے کر لیا اور یہاں پہنچ گئی ہوں۔

ادائیگی حج

پھر آپ دونوں نے حج کیا، طواف کعبہ رو رو کے مکمل کیا پھر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے انتہائی عاجزی سے دُعا کی کہ اے مالک! تو نے حج پر اَجر کا وعدہ کیا ہے اور مصیبت پر صبر کرنے پر بھی۔ لہٰذا اگر میرا حج قبول نہیں تو مصیبت پر صبر کرنے کا اَجر ہی عطا کر دے کیونکہ حج کی عدم قبولیت سے زیادہ اور کون سی مصیبت ہو سکتی ہے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی دُعا سنی تو لرز گئے اور دل میں کہنے لگے واقعی حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا بلند درجے پر فائز ہیں جو اس طرح کی دُعا مانگنے کا حوصلہ رکھتی ہیں۔ حج سے فارغ ہو کر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا واپس تشریف لائیں اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئیں۔

دوسرا حج

اگلے سال پھر حج کا مہینہ آیا تو دل میں پھر محبوب کو دیکھنے کی آرزو پیدا ہوئی، ساتھ ہی دل میں خیال آیا کہ گزشتہ سال تو کعبہ نے میرا استقبال کیا تھا لیکن اس بار میں خود

اس کا استقبال کروں گی چنانچہ شیخ ابو علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد بھی تھے کی روایت ہے کہ ایامِ حج میں آپ نے کروٹ کے بل کعبے کی سمت لڑھکنا شروع کر دیا اور پورے سات سال کے عرصہ میں عرفات میں پہنچ گئیں۔

فقر کا رتبہ

ابھی عرفات میں داخل ہوئی ہی تھیں کہ ندا آئی:

''رابعہ! اس طلب میں کیا رکھا ہے؟ تُو نے ہمیں بصرے میں ہی کہہ دیا ہوتا ہم وہیں تجھے اپنی تجلی سے نواز سکتے تھے۔''

آپ نے عرض کیا:

''اے خداوند تعالیٰ! مجھ میں تیری تجلیوں کا بار اُٹھانے کی طاقت اور سکت کہاں ہے البتہ آپ سے استدعا ہے کہ مجھے رتبہ فقر عنایت کیا جائے۔''

ندا آئی:

''رابعہ! فقر کا رتبہ تو ہمارے قہر کے مترادف ہے جس کو ہم نے صرف ان لوگوں کے مخصوص کر دیا ہے جو ہماری بارگاہ سے اس طرح متصل ہو جاتے ہیں کہ بال برابر فرق نہیں رہتا۔ پھر ہم انہیں قربت سے محروم کر کے ان سے لذتِ وصال چھین لیتے ہیں اور پھر ان کو ہجر کی آگ میں ڈال دیتے ہیں اس کے باوجود ان کو کسی قسم کا حزن و ملال نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ میرے قرب کے لئے از سرِ نو سرگرمِ عمل ہو جاتے ہیں۔ اے رابعہ! اس وقت تُو دنیا کے ستر پردوں میں ہے اور جب تک تو ان پردوں سے باہر آ کر ہماری راہ میں گامزن نہیں ہوتی، اس

وقت تک تجھے فقر کا نام بھی نہیں لینا چاہیے۔"

پھر ارشاد ہوا:

"نگاہ اُٹھا اور سامنے دیکھ۔"

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو

"لہو کا ایک بحرِ بیکراں ہوا میں معلق نظر آیا۔ لگتا تھا کہ اس بحر بیکراں کی ایک لہر عرش معلیٰ تک اور دوسری پاتال تک پہنچی ہوئی ہے۔ آپ یہ دیکھ کر لرز گئیں۔"

تو ندا آئی:

"یہ ہمارے ان عشاق کی چشم خون چکاں کا دریا ہے جو ہماری طلب میں چلے اور چند قدم چل کر پاشکستہ ہو کر رہ گئے اور خون کے آنسو رونے لگے۔"

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے عرض کیا:

"کیا میں ان خوش نصیبوں کی ایک جھلک دیکھ سکتی ہوں، ان کی کسی صفت کا مظاہرہ دیکھ سکتی ہوں۔"

نسوانی معذوری

جس وقت حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بارگاہِ خداوندی میں یہ عرض گزار رہی تھیں تو شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے بقول انہیں نسوانی معذوری لاحق ہو گئی تب ندا آئی:

"رابعہ! دیکھا، تُو نے سات سال لڑھکتے ہوئے ہم تک پہنچنے کی کوشش کی مگر جب تو منزل کے قریب تھی تو ایک حقیری سی علت نے تیرا راستہ روک دیا۔ بشریت کی بھی ایک حد مقرر ہے اور کوئی یہ حد عبور

نہیں کر سکتا۔"

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے پھر التجا کی:

"اگر میری بشریت کی یہی حد مجھے تیرے گھر میں رہنے سے روک رہی ہے تو پھر مجھے بصرہ میں ہی سکونت کی اجازت دے دے چونکہ میں تیرے گھر میں رہنے کی اہل نہیں ہوں اور یہاں آمد سے قبل میں صرف تمنائے دیدار میں زندگی بسر کرتی رہی، اب میں تیری یاد اور تیرے ذکر کو ہی تیرا جمال اور تیرا دیدار سمجھوں گی۔"

یہ عرض کر کے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بصرہ واپس آ گئیں اور جب تک زندہ رہیں، دن رات عبادت و ریاضت میں ہمہ تن مشغول و مصروف رہیں۔

باب ۵

ضابطۂ تصوف

تصوف کا اصل الاصول

تصوف کا اوّلین اُصول دیدارِ ربّ العزت کی آرزو ہے اور یہ کام عشق کی طاقت اور اخلاص کی برکت سے انجام پاسکتا ہے کیونکہ حکماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ عقل وخرد سے اللہ کی معرفت نہیں حاصل ہوسکتی بلکہ اس کے لئے عشق اور وجدان کی ضرورت ہوتی ہے، ان کی مدد سے ہی انسان حریم کبریا تک رسائی حاصل کرسکتا ہے لہٰذا:

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر ایمان کی بنیاد رکھ

تاکہ اپنے محبوب حقیقی کا دیدار کرسکے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ○

ترجمہ: ''تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔''

(سورۃ الکہف 18، آیت 110)

تصوف کامل توحید، تقویٰ اور محبت پر مبنی ہے اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جو تقویٰ

اختیار کرتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ ○

ترجمہ: ’’بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور احسان کرنے والے ہیں۔‘‘

(سورۃ النحل 16، آیت 128)

اور یہ بھی اللہ سے محبت کرتے ہیں:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ○

ترجمہ: ’’جو لوگ ایمان لائے وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔‘‘

(سورۃ البقرہ □ا□2 آیت 165)

ارکانِ ثلاثہ

پروفیسر یوسف سلیم چشتی اپنی کتاب تاریخ تصوف میں لکھتے ہیں کہ تصوف کی تعلیمات ان ارکانِ ثلاثہ پر مبنی ہیں:

۱۔ محبتِ الٰہی

۲۔ مکارمِ اخلاق

۳۔ خدمتِ خلق

۱۔ محبتِ الٰہی

جیسا کہ اوپر...... عرض کیا جاچکا ہے کہ اسلام کی بنیاد حب الٰہی پر اُستوار ہے اس لئے صوفی کی زندگی کا آغاز اور انجام یعنی اس کی زندگی کا محور محبتِ الٰہی پر ہے اس کی نظر میں

اللہ صرف معبود ہی نہیں ہے بلکہ مقصود بھی ہے، مطلوب بھی ہے اور محبوب بھی ہے۔ وہ اللہ ہی کے لئے جیتا اور اسی کے لئے مرتا ہے اس کا جینا اور مرنا یعنی ساری زندگی اللہ ہی کے لئے ہے۔ ایک رمز شناس بزرگ کہتے ہیں کہ انسانی پیدائش سے مطلوب اور مقصود رب العالمین کی محبت ہی ہے یہی وجہ ہے کہ صوفیا اس کو مقصدِ حیات جانتے ہیں۔

چونکہ صوفی کا مطمع نظر اور نصب العین اللہ ہو جاتا ہے اس لئے وہ ہر وقت اس کی خوشنودی یا رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے اس محبت کے نتیجے میں اس کی کئی برائیاں اس سے دور ہو جاتی ہیں مرشد رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نکتے کو یوں بیان کیا ہے۔

شاد باش اے عشق خوش مودائے ما

اے طبیب حملہ علت ھائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما

اے تو افلاطون و جالینوس ما

۲۔ مکارمِ اخلاق

صوفی جب اللہ کی ذات کو اپنا مرکز و محور بنا لیتا ہے تو اس میں اعلیٰ ترین اخلاقی قدریں پیدا ہو جاتی ہیں اور یہی مطلوب و مقصودِ مسلمانی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے (بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ) مجھے اس لئے مبعوث کیا گیا ہے تاکہ میں بہترین اخلاق کی تکمیل کروں۔

اسی لئے صوفیاء تصوف سے مراد اخلاقِ حسنہ ہی لیتے ہیں، مشائخ کے نزدیک تصوف کا مقصد ہی یہ ہے کہ پہلے اپنے اندر اخلاقِ حسنہ پیدا کرے پھر بنی آدم کے اندر اس کی تخم ریزی کی جائے۔

۳۔ خدمتِ خلق

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور شعر ہے

طریق بجز خدمت خلق نیست

به تسبیح و سجاده و دلق نیست

یعنی طریقت، خدمتِ خلق کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہ تسبیح پکڑ کر کسی گوشہ میں چادر اوڑھ کر بیٹھنے کا نام نہیں۔ خدمتِ خلق کی جس قدر بھی ممکن صورتیں تھیں صوفیائے کرام نے ان سب پر عمل کر کے دکھایا ان کی زندگیاں خدمتِ خلق کے لئے وقف ہوگئیں اور انہوں نے بلا امتیاز مذہب وملت ہر شخص کی دلداری کی۔ بلکہ وہ دوسروں کے غم میں خود بھی گھلتے رہتے تھے اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اسلام کے اخلاقی و رُوحانی نظام کو زندہ رکھا۔

تصوف کا حاصل

جمالِ قربِ الٰہی میں سید غلام دستگیر صاحب نقشبندی مجددی فرماتے ہیں:

"تصوف درحقیقت ارشاد باری تعالیٰ "**ویزکیھم اور قد افلح من تزکیٰ**" کی عملی تفسیر ہے اس وادی میں قدم رکھنے والا سالک ظاہری اور باطنی امراض سے پاک صاف ہو جاتا ہے اور وہ کفر و شرک، حرص وہوا، بغض اور باطنی امراض سے پاک صاف ہو جاتا ہے اور وہ کفر وشرک، حرص وہوا، بغض وحسد، غرور وتکبر، ریاکاری و شہرت پسندی جیسی عادات بد سے اعراض کرتا ہے اور ہر وقت خدا کی یاد میں مگن رہنے کی وجہ سے اس کا دل نورِ وحدت سے منور ہو جاتا

ہے، تجلیاتِ باری کا مہبط بن جاتا ہے، تزکیہ سے اس کا نفس، نفسِ امارہ سے نفس لوامہ اور پھر نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے اور وہ اولیاء اللہ کی صف میں شامل ہو جاتا ہے۔

تصوف کیسے حاصل ہوتا ہے؟

شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے تصوف قیل وقال سے نہیں بلکہ بھوک اور ترک دنیا سے حاصل کیا جبکہ ایک اور بزرگ کا کہنا ہے کہ اس کے لئے رضا کارانہ فقر و محتاجگی اختیار کرنا، ایثار کرنا اور مشغولیت و اختیار کرنا پڑتا ہے۔ کتاب ''الفتح الربانی'' میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''عزیزم! حلال کھانے سے اپنے قلب کی صفائی کر۔ اس طرح حق تعالیٰ کی معرفت یقیناً حاصل کر لے گا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ معرفت کپڑوں کے بدلنے، چہروں کو زرد کرنے، بزرگوں کی حکایات سنانے، زبان چلانے، تسبیح پھیرنے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ طلب حق میں صادق بننے، دنیا سے بے رغبتی اور ترک ماسوا سے حاصل ہوتی ہے۔''

تصوف ایک نظامِ تربیت

تصوف ایک مخصوص رُجحان اور نظامِ تربیت ہے جس سے انسان میں اللہ رب العزت کی محبت اور حقیقی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، اور انسان صرف ظاہری اطاعت تک محدود نہیں رہتا بلکہ اطاعت کا جذبہ اس کی رُوح کی گہرائی تک اُتر جاتا ہے اس طرح اس کا ظاہری جسم ہی نہیں بلکہ اس کی رُوح بھی حبِ الٰہی کے جذبے سے سرشار ہو جاتی ہے،

اس کو حضورِ قلب کہتے ہیں اور یہی لفظ احسان کی عملی تفسیر ہے۔

وسیلہ اور شیخِ طریقت

کسی عارف کا کہنا ہے کہ

دین مجو اندر کتب اے بے خبر
علم و حکمت از کتب دیں از نظر

''اے بے خبر دین کو کتابوں میں مت تلاش کر، علم و حکمت تو کتابوں سے میسر آسکتے ہیں لیکن دین فیضانِ نظر سے آتا ہے لہٰذا کسی وسیلے، کسی پیر کامل کی سرپرستی کا ہونا بہت ضروری ہے تاکہ واقفِ راہِ منزل کی ہمراہی میں راہِ سلوک کو طے کیا جاسکے۔ پیر کرم شاہ صاحب الازہری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ''ضیاء القرآن'' میں آیتِ وسیلہ (سورۃ مائدہ) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جس چیز کے ذریعے کسی چیز تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے اس کو وسیلہ کہتے ہیں ایمان، نیک اعمال، عبادات وغیرہ سب اللہ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں، اسی طرح مرشد کامل جو اپنی رُوحانی توجہ سے اپنے مرید کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اُتار کر اس کے دل میں یادِ الٰہی کی تڑپ پیدا کردے اس کے وسیلہ ہونے میں کس کو شبہ ہوسکتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تصریح فرمائی ہے کہ اس آیت میں وسیلہ سے مراد تلاشِ مرشد ہے۔''

(قولِ جمیل)

تصوف اور راہِ سلوک میں حقیقی کامیابی کے لئے تلاشِ مرشد از بس ضروری ہے

اور اللہ تعالیٰ نے سالکانِ راہِ حقیقت کے لئے یہی قاعدہ مقرر کیا ہے، اس لئے مرشد کی رہنمائی کے بغیر اس کا ملنا شاذ و نادر ہے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مولوی ہر گز نہ شد مولائے روم

تا غلام شمس تبریز نہ شد

جبکہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے:

اگر کوئی شعیب علیہ السلام آئے میسر

شبانی سے کلیسا دو قدم ہے

خود قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا۔

ترجمہ: ''رحمٰن کے بارے میں کسی باخبر سے پوچھو۔''

﴿سورۃ الفرقان 25، آیت 59﴾

اسی طرح سورۃ النحل اور سورۃ انبیاء میں ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(سورۃ النحل 16، آیت 43)

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

﴿سورۃ الانبیاء 21، آیت 7﴾

ترجمہ: ''اگر تم کو علم نہیں تو اہلِ ذکر سے پوچھو۔''

پس یہ راہ اختیار کرنے سے پہلے لازم ہے کہ کسی کو اپنا رہنما اپنا مقتدا بنا لیا جائے ورنہ انسان بھٹکتا رہ جائے گا۔ عوارف المعارف میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یوں درج ہے:

(من لم یکن له شیخ فابلیس شیخهٗ)

''جس کا کوئی مرشد نہیں شیطان اس کا مرشد ہے۔''

بزرگ کہتے ہیں کہ جس طرح ہر صنعت میں ماہر کاریگر کی ضرورت ہوتی اسی طرح طریقت و تصوف میں بھی کسی ماہر استاد یا پیر کامل کی ضرورت ہوتی ہے جو آپ کو اشغالِ مجاہدہ و مراقبہ، نفی اثبات کے طریقہ ہائے ذکر، تزکیۂ نفس تصفیۂ باطن جیسے انتہائی نازک مرحلوں میں آپ کی رہنمائی کر سکے۔ ویسے بھی نیک لوگوں کی صحبت کا قرآن میں حکم دیا گیا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ○

ترجمہ: ''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔''

(سورۃ التوبہ 9، آیت 119)

اچھی صحبت کے فیض کے بارے میں دو شعر پیش خدمت ہیں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صحبت صالح ترا صالح کند

صحبت طالع تر اطالع کند

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اصحابِ کہف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

سگ اصحاب کهف روزے چند

پے نیکاں گرفت و مردم شد

پسر نوح بابداں بہ نشت

خاندانِ نبوتش گم شد

اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی ہے کہ:

(المرءُ مع احبَّ)

''(روزِ حشر) آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔''

چناؤ میں احتیاط

ایک بات جس کا راہِ سلوک کے مسافر کو خاص طور پر خیال رکھنا ہوتا ہے وہ ہے صحیح آدمی کا چناؤ۔ بصورتِ دیگر عمر بھر انسان ٹامک ٹویاں مارتا مختلف وادیوں میں سرگرداں پھرتا رہتا ہے اور منزل نہیں ملتی، یوں بھی شہبازوں کے نشیمن اکثر زاغوں کے تصرف میں رہتے ہیں لہٰذا احتیاط ضروری ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ غلط آدمی کے انتخاب پر سارا سفر رائیگاں ہو جائے اور آپ ہاتھ ملتے رہ جائیں۔

چمن کے رنگ و بُو نے اس قدر دھوکے دیئے مجھ کو
کہ میں نے ذوقِ گل بوسی میں کانٹوں پہ زباں رکھ دی

حقیقی رہنما اور مرشد وہی ہو سکتا ہے جو علوم ظاہری سے بھی بہرہ ور ہو، کتاب و سنت اور فقہی امور سے بھی واقف ہو، شریعت مطہرہ کا پابند اور طریقت کی راہ کا شناسا ہو اور حرص و ہوا کا بندہ نہ ہو۔

بیعت

صوفیاء کے نزدیک راہِ سلوک میں قدم رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ مرید شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دے، سر پر اُسترا پھیرے اور خرقہ حاصل کرے۔ صوفیاء کے مطابق مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دینا قرآن و سنت سے ثابت ہے، خرقہ پہنانا بھی حضور کی سنت ہے کیونکہ آپ نے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا خرقہ بھیجا تھا، البتہ سر کے بال تراشنے کی رسم حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے شروع ہوئی تھی۔

علامہ مجددی مدظلہ فرماتے ہیں:

''بیعت ایک رسم ہے جو تصوف میں داخل ہوتے وقت ادا کی جاتی

ہے۔ انسان جب کسی پیر یا بزرگ کا انتخاب کر لیتا ہے تو اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اور اس کو گواہ بنا کر اللہ سے عہد و پیمان کرتا ہے کہ فلاں فلاں نیک کام کروں گا اور فلاں فلاں برے کام سے بچوں گا۔ یہ سابقہ گناہوں سے توبہ اور آئندہ کے لئے ان سے اجتناب کا عہد ہے اور اسی کا نام بیعت ہے۔ سب سے پہلا عہد بھی بندے نے خدا سے کیا تھا جسے عہدِ الست، عہدِ ازل یا میثاقِ الست کہتے ہیں۔"

قرآن میں بیعت کا ذکر

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے والوں کے بارے میں یوں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ط

ترجمہ: "بلاشبہ جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔"

(سورۃ الفتح 48، آیت 10)

اسی طرح بیعتِ رضوان کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے کہ:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

(سورۃ الفتح 48، آیت 18)

ترجمہ: "بے شک اللہ راضی ہو گیا ان مومنوں سے جس وقت وہ بیعت کر رہے تھے آپ ﷺ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے۔"

پھر اللہ تعالیٰ مومنین کو قرآن میں یہ حکم فرماتے ہیں کہ:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو۔''

(سورۃ المائدہ 5، آیت 35)

حدیث میں بیعت کا ذکر

صحیحین میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر صحابہ رضی اللہ عنہم بیعت کرتے تھے تو یہ الفاظ دوہراتے تھے:

''میں اللہ تعالیٰ کے احکام سے آگاہی حاصل کروں گا حتیٰ الوسع ان پر عمل کروں گا اور ہر مسلمان کی بھلائی چاہوں گا۔''

(صحیح بخاری کتاب 93، باب 43) (صحیح مسلم کتاب الایمان باب 21)

اسی طرح ابوداؤد نے عوف ابن مالک سے یہ روایت بیان کی ہے کہ:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس پر بیعت لی کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے اپنے امراء کی اطاعت کریں گے اور کسی انسان سے کسی چیز کا سوال نہ کریں گے۔''

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

''مرشد یا ولی اللہ کی صحبت میں گزرے ہوئے وقت کا ایک لحہ بھی سو سالہ بے غرض عبادت سے افضل ہے جو محبت سے خالی ہو۔''

اور یہی بات حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی کہ:

''تھوڑی عبادت جو اللہ کی محبت کی بنیاد پر ہو ساری عمر کی عبادت سے افضل ہے جو محبت سے خالی ہو۔''

چنانچہ بیعتِ شیخ بہت ضروری ہے اور بڑے بڑے علمائے دہر اور خود صوفیائے کرام اور اولیاء کو بھی اس مرحلے سے گزرنا پڑا بلکہ اس سفر میں حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ، عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، جیسے جلیل القدر اولیائے عظام کو بھی کسی نہ کسی صاحب رشد و ہدایت کے سامنے زانوئے عقیدت و ارادت تہہ کرنا پڑا، یوں انہوں نے بھی یہ سفر کسی نہ کسی واقفِ راہ کی رہنمائی میں طے کیا۔

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم
جنید رحمۃ اللہ علیہ و شبلی رحمۃ اللہ علیہ و عطار رحمۃ اللہ علیہ شد مست

صحبتِ مرشد

تصوف میں شیخ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور یہ شیخ کی ذات ہی ہوتی ہے جو مجالست میں مرید کی تہذیب و تربیت اور غیبت میں بذریعہ خواب یا کشف اس کی رہنمائی کرتی ہے جیتے جی آلام و مصائب اور مرنے کے بعد شفاعت کرتی ہے۔ اہل تصوف کا کہنا ہے کہ درویشی اس وقت تک حاصل نہیں کی جا سکتی جب تک آپ کسی شیخِ وقت کی بیعت نہ کر لیں اہل تصوف کے ہاں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی بیان کیا جاتا ہے۔

(من لم یکن له شیخ فابلیس شیخهٗ)

جس کا کوئی مرشد نہیں شیطان اس کا مرشد ہے۔

صحبتِ مرشد کا سب سے بڑا فیض یہ ہے کہ اس سے انسانوں کی تربیت ہو کر ان کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔

خلوت

شیخِ طریقت سالک کو کچھ عرصہ کے لئے خلوت اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے

صوفیائے کرام کے سوانح حیات کے مطالعے سے یہ ثابت ہے کہ ہر صوفی کچھ عرصہ کے لئے ضرور خلوت اختیار کرتا ہے یہ خلوت گزینی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے بھی ثابت ہے۔ کہ آپ نے تین سال تک غار حرا میں خلوت اختیار فرمائی اور وہیں سے وہ نسخۂ کیمیا لے کر قوم کے پاس آئے تھے بقول حالی:

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

تعلیم وتربیت

کسی سلسلے میں بیعت ہونے کے بعد مرید کی تعلیم وتربیت کا آغاز ہو جاتا ہے۔ یوں مرید درجہ بدرجہ مختلف مقامات ومراحل سے گزرتا ہے اور حسب ذوق اس پر انعامات و اکرامات کی بارش ہونے لگتی ہے اور وہ خدا کا مقرب بنتا چلا جاتا ہے فتح الربانی میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''مرید وہ شخص ہے جو اللہ کی طرف رُجوع کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، یہ ارادہ اللہ کی نظر میں اتنا پسندیدہ ہے کہ بندہ کے ارادے کے ساتھ ہی اس کے درجات بھی بلند ہو جاتے ہیں۔''

پہلا قرینہ

اس سلسلے میں سب سے پہلا قرینہ ادب ہے جب تک آپ اپنے شیخ کی عزت و ادب نہیں کریں گے ان سے محبت نہیں کریں گے ان سے دِلی انس محسوس نہ کریں گے اس وقت تک آپ سیکھنے کی صلاحیت سے محروم رہیں گے کیونکہ محبت کے قرینوں میں ادب پہلا قرینہ ہے لہٰذا تمام سالکانِ راہِ طریقت کو اللہ تعالیٰ سے ادب کی توفیق مانگنی چاہیے۔ (باادب

با نصیب، بے ادب بے نصیب)۔

بقول کسے:

از خدا خواهم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از فضل رب
بے ادب خود را نہ تنہا داشت بد
بلکہ آتش در همہ آفاق زد

ذکرِ الٰہی

جمالِ قربِ الٰہی میں علامہ سید غلام دستگیر صاحب نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''اس دنیا میں ہر شخص تفکرات اور پریشانیوں میں گھرا ہوا ہے جس کی وجہ سے دِلوں کا سکون اور رُوح کا چین لُٹ گیا ہے ہر طرف نفسانفسی اور افراتفری کا سماں ہے ایسے میں کوئی دوائی بھی کارگر نہیں، کوئی ڈاکٹر کوئی طبیب بھی سودمند نہیں۔ البتہ صرف ایک طبیب اعلیٰ اور معالجِ حقیقی ایسا ہے جس کی طرف رُجوع کرنے سے اس درد سے نجات مل سکتی ہے، اس کا نسخۂ کیمیا یہ ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ.

''خوب جان لو کہ اللہ کے ذکر سے ہی اطمینانِ قلب ملتا ہے۔''

(سورۃ الرعد 13، آیت 28)

اللہ تعالیٰ کا ذکر ایک ایسا نسخۂ بے بدل ہے جو ذہن کے لئے سکون، بدن کے لئے تقویت، دل کے لئے اطمینان اور رُوح کے لئے باعثِ فرحت ہے یہ تمام رُوحانی امراض کا

علاج ہے اس ذکر سے نہ صرف اللہ سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے بلکہ یہ آپ کو دو جہان سے بھی بے نیاز کر دیتا ہے جیسے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

''ذکر ایک عظیم نعمت ہے، جس کی توفیقِ ذکر تک رسائی ہوگئی، سمجھ اس کی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ تک رسائی ہوگئی۔''

ذکر

تصوف کی اصطلاح میں ذکر کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے کسی ذاتی یا صفاتی نام کا ورد کر کے دل کی غفلت کو دور کرنا۔ مقصد یہ ہے کہ انسان رب کریم کی یاد سے لمحہ بھر کے لئے بھی غافل نہ ہو کیونکہ بقول شاعر

غافل ز احتیاط ذکر یك نفس مباش
شاید همیں نفس، نفسِ واپسیں بود

''یعنی ایک سانس کے لئے بھی اس کی یاد سے غافل نہ ہو شاید یہی تیرا آخری سانس ہو۔''

قرآن کریم میں ہے کہ:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا.

ترجمہ: ''اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین، اور جو ان میں ہے، کوئی چیز نہیں مگر (ہر شے) پاکیزگی بیان کرتی ہے اس کی حمد

کے ساتھ، لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے، بے شک وہ بردبار بخشنے والا ہے۔"

(سورۃ بنی اسرائیل 17، آیت 44)

اس مضمون کو شاعر نے یوں بیان کیا ہے۔

هر گیا هے که از زمین روید

وحدهٗ لا شریك لهٗ گوید

"ہر چیز خواہ جاندار ہو یا بے جان وہ ربِ کائنات کی حمد کے گیت گا رہی ہے۔"

یہ چڑیوں کے چہچہے، یہ کوئیل کی کوکو، یہ پپیہے کی پی پی، قمریوں کی غٹرغوں، آبشاروں کا شور، بادلوں کی کڑک، بجلی کی چمک، ہواؤں کی سرسرائیں، ان سب میں اللہ کی یاد اور اس کے ذکر کے ابدی و سرمدی نغمے پوشیدہ ہیں لیکن ہم سمجھتے نہیں۔

اللہ کے ذکر سے غفلت کا انجام

ادھر کائنات کی ہر شے اللہ کی حمد و ثناء کر رہی ہے ادھر حضرت انسان جو عقل و شعور بھی رکھتا ہے وہ اللہ کی یاد اور اس کے ذکر سے سراسر غافل اور بیگانہ بن کر دنیا کے رنگ و بو میں ڈوبا ہوا ہے حالانکہ اس بابت اللہ کی واضح تنبیہ موجود ہے کہ:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ.

ترجمہ: "تم لوگ ان کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا اور اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا پس یہی لوگ ہیں جو نافرمان (فاسق) ہیں۔"

(سورۃ الحشر 59، آیت 19)

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ.

ترجمہ: ''وہ اللہ کو بھول بیٹھے تو اللہ نے انہیں بھلا دیا، بے شک منافق ہی نافرمان ہیں۔''

(سورۃ التوبہ 9، آیت 67)

ذکر کی اقسام

ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک ذکر جلی، دوسرا ذکر خفی۔

ذکر جلی

ذکر جلی سے مراد وہ ذکر جس میں اللہ تعالیٰ کے نام کو بالجہر بلند آواز سے یاد کیا جاتا ہے اس میں دوسرے بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ اس ذکر کی بھی دو قسمیں ہیں ایک انفرادی اور دوسرا اجتماعی۔

انفرادی

تنہائی میں بیٹھ کر فرادِ واحد کا ذکرِ انفرادی ذکر کہلاتا ہے۔

اجتماعی

جبکہ مل جل کر اجتماعی طور پر ذکر کرنے کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی یاد کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے اور دوسروں کو ذکرِ الٰہی کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے بھی اجتماعی ذکر کو پسند کیا اور مجالس ذکر یعنی ذکر کے حلقوں کا بھی پسندیدگی سے ذکر کیا۔

ذکر خفی

وہ ذکر جو مخفی اور پوشیدہ ہو اور زبان کی بجائے دل کی گہرائیوں سے اللہ کو یاد کیا جائے۔اس کو ذکر خفی یا ذکر قلبی کہا جاتا ہے۔

تزکیۂ نفس

روحانی بالیدگی کے لئے تزکیۂ نفس سب سے اہم کڑی ہے جب تک انسان اپنے نفس کو برائیوں، ظلمتوں اور خباثت سے پاک نہیں کرتا اس کا باطن روشن نہیں ہو سکتا۔سورۃ شمس میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○

ترجمہ: ''اور قسم ہے نفس کی، اور اس کو درست کرنے والے کی اور اس کے دل میں الہام کر دیا فجور اور پاکیزگی کو، وہ یقیناً فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور وہ نامراد ہوا جس نے اسے دبا دیا۔''

(سورۃ الشمس 91، آیت 7 تا 10)

تزکیہ کے لفظی معنی پاک کرنا، نشوونما دینا ہیں۔مقصود یہ ہے کہ نفس کو غلط انداز فکر، فسق و فجور اور حب ماسویٰ سے بچایا جا سکے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سورۃ شمس کی تلاوت کی تو بعد میں یہ دعا مانگی ''الٰہی میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما اور اس کو پاک کر، تو بہترین پاک کرنے والا ہے، تو ہی اس کا مالک اور مددگار ہے۔''

حضرت ابوبکر سیدلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''نفس ہی اللہ اور بندے کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے اسی وجہ سے تو اللہ نے فرمایا ہے کہ (قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی) ''جس نے تزکیہ کیا وہ فلاح پا گیا۔''

(سورۃ الاعلیٰ 87، آیت 14)

نفس برائی پر اُکساتا ہے

نفس انسان کو عموماً برائی کی طرف راغب کرتا ہے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ.

(سورہ یوسف 12، آیت 53)

ترجمہ: ''بے شک نفس تو ضرور برائی کا حکم دیتا ہے۔''

اور حدیث شریف میں ہے کہ:

''تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا اپنا ہی نفس ہے جو تمہیں برے کاموں میں مبتلا کر کے ذلیل وخوار کرتا ہے اور طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار کرا دیتا ہے۔''

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''دنیا میں نفس سے زیادہ بری چیز اور کوئی نہیں۔''

نفس ہے کیا؟

نفس ایک جسم لطیف ہے جو جسد کثیف میں سمایا ہوا ہے یہ رُوح اور جسم کے درمیان پل کا کام کرتا ہے، اس کا طبعی میلان حیوانی خواہشات کی طرف ہے۔

نفس کی اقسام

یوں تو نفس کی بے شمار اقسام ہیں لیکن قرآن نے نفس کی تین اقسام گنوائی ہیں۔

۱۔ نفس امارہ

۲۔ نفس لوامہ

۳۔ نفس مطمئنہ

ہر انسان کا نفس بنیادی طور پر نفس امارہ ہی ہوتا ہے جس کے بارے میں سورہ یوسف میں فرمایا گیا ہے کہ:

اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوۡٓءِ

ترجمہ: ''بے شک نفس تو برائی کا حکم دیتا ہے۔''

(سورہ یوسف 12، آیت 53)

گویا نفسِ امارہ گناہوں اور نافرمانیوں کی طرف دعوت دیتا ہے اور راغب و آمادہ کرتا ہے۔ لیکن اللہ کی یاد، ندامت اور ریاضت سے یہ نفسِ لوامہ میں بدل جاتا ہے۔

قرآن کریم کی سورۃ القیامۃ میں اس کا ذکر کیا گیا ہے:

وَ لَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ

ترجمہ: ''میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی۔''

(سورۃ القیامۃ 75، آیت 2)

پھر وہ لوگ جو مسلسل یادِ الٰہی اور نیک نفسی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کے دل پاک صاف ہوتے جاتے ہیں تو پھر وہ نفس مطمئنہ کے درجے پر فائز ہو جاتے ہیں۔ ان نفوسِ قدسیہ کے بارے میں قرآن کریم میں ارشادِ باری ہے کہ:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ○ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً

مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ○ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ.

ترجمہ: "اے نفس مطمئنہ واپس چل اپنے رب کی طرف، تُو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، داخل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔"

(سورۃ الفجر 89، آیت 27 تا 30)

خوشخبری

مخالفت نفس کرنے والوں کے لئے قرآن کریم میں کئی خوشخبریاں بھی سنائی گئیں ہیں۔ مثلاً!

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ○

ترجمہ: "اور جو ڈرتا رہا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور اپنے نفس کو بری خواہش سے روکتا رہا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔"

(سورۃ النازعات 79، آیت 40 تا 41)

نفس کے خلاف جہاد

نفس چونکہ ہر وقت انسان کو برائی پر اُکساتا رہتا ہے لہٰذا اس کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک جنگ سے واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

قد معتم خير مقدم من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر.

''خوش آمدید! ہم ایک چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آگئے ہیں۔''

پھر ایک اور موقعہ پر فرمایا۔

المجاهد من جاهد نفسهٗ.

''مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرتا ہے۔''

اللہ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ

''جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کرتے ہیں ہم ضرور انہیں اپنے راستے دکھادیتے ہیں۔''

(سورۃ العنکبوت 29، آیت 69)

اللہ کا یہ بڑا کرم اور احسان ہے کہ وہ خود اپنے متلاشی کی رہنمائی کرتا ہے۔ راہِ سلوک میں نفس ہی انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے لہٰذا اگر اس کو زیر کر لیا تو سمجھو بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی بقول شاعر:

نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفسِ امارہ کو گر مارا

مجاہدہ

زُہد و مجاہدہ نفس کے ایک ہمہ گیر عمل کی تفسیر ہے، صوفیاء کا کہنا ہے کہ دنیا اور خدا کی محبت دونوں کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی اس لئے آخرت کے طالب کو دنیا و مافیہا کو چھوڑ کر خلوت اختیار کرنا لازمی ہوتا ہے۔ شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بار اس بابت

سوال کیا گیا تو فرمایا کہ ترکِ دنیا نعمت اور صحبت مع اللہ فرض ہے پس جس نے یہ بات جان لی وہ کمال کو پہنچ گیا زُہد کا مطلب حرام چیزوں اور مشتبہ باتوں سے پرہیز اور خواہشات کو کم کرنا ہے، ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تنہائی کو لازمی پکڑو، دیوار کی طرف منہ کرلو حتیٰ کہ تمہیں موت آجائے۔ صوفیاء کا کہنا ہے کہ نفس خدا اور بندہ کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے، نفس انسان کی تمام خواہشات کا منبع اور خدا کی نافرمانی کا سب سے بڑا سبب ہے پس اس سنگِ گراں کو ہٹا کر ہی آگے بڑھا جاسکتا ہے۔

قلتِ طعام

شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ راہِ سلوک کے ہر مسافر کو تین باتوں پر لازم عمل کرنا چاہیے تا کہ اس کی کامیابی یقینی ہو جائے کم کھانا، کم بولنا اور کم سونا۔ انہوں نے فرمایا تصوف قیل وقال سے نہیں بھوک، خلوت گزیں، اور پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ دینے سے حاصل ہوتا ہے۔ صوفیا کرام کے بقول بھوک سے دل صاف ہو جاتے ہیں اور اس کی سقاوت اور سختی جاتی رہتی ہے۔ صوفیاء کے نزدیک بھوک مریدین کے لئے ریاضت، توبہ کرنے والوں کے لئے تجربہ اور عارفوں کے لئے باعث عزت ہے۔ حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بھوک مومنوں کے لئے طعام، مریدوں کے لئے مسلک اور شیطان کے لئے زنجیر ہے۔ فاقہ کشی اس لئے بھی محمود ہے کیونکہ شکم پری سے شہوت کو تحریک ملتی ہے۔ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ آپ ہر وقت بھوک کی تعریف کرتے رہتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر فرعون بھوکا ہوتا تو ''انا ربکم الاعلی'' کہتا یا قارون بھوکا ہوتا تو سرکشی کرتا؟ صوفیا کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ایک لقمہ کھانے ہی سے جوارِ حق سے محروم ہو گئے تھے۔ یاد رہے کہ صوفیاء کرام فاقہ کشی نہیں کرتے تھے بلکہ مسلسل روزے رکھتے تھے۔

قلتِ منام

راہِ سلوک کے مسافروں کے لئے کم سونا بھی ایک لازمی ریاضت ہے۔ حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو سویا وہ غافل رہا اور محجوب ہوا، صوفیاء کہا کرتے ہیں کہ اگر آپ کو حضوری حاصل ہے تو مت سوؤ۔ کیونکہ حضور میں سونا بے ادبی ہے مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیدار کو نیند پر فضیلت حاصل ہے۔

قلتِ کلام

قلتِ طعام، قلتِ منام کے ساتھ قلت کلام بھی مجاہدہ نفس کا ایک لازمی جزو ہے۔ یوں بھی حکماء اور مصلحین نے خاموشی کو اس لئے بہترین بتایا ہے کہ اس سے انسان زبان کے فتنوں سے محفوظ رہتا ہے۔ بعض حالات میں تو خاموشی اس قدر ناگزیر ہو جاتی ہے کہ آدمی دین و ایمان اور بعض اوقات اس کی جان کی سلامتی بھی خاموشی میں مضمر ہو جاتی ہے لیکن صوفیہ کے ہاں خاموشی آداب حضوری میں شمار کی جاتی ہے۔ ان کے ہاں یہ معرفت کا ثمر ہے۔ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے رب کو پہچان لیا اس کی زبان گنگ ہو گئی۔ حکمت کی نشانی یہ ہے کہ آدمی خاموش رہے اور صرف ضرورت کے وقت بولے۔ خاموشی کا یہ فائدہ بھی ہے کہ اس سے انسان غیبت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

باب ٦

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا
اور مقامات و درجاتِ تصوف

فقر

تصوف میں جن احوال و مقامات کو تزکیۂ نفس کی رُوح سمجھا جاتا ہے ان میں فقر کا مقام اعلیٰ واشرف تسلیم کیا گیا ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی کتاب تاریخ تصوف میں ابو طالب مکی کی کتاب "قوت القلوب" کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں (اولیاء) کے اوصاف میں فقر کو سب سے مقدم رکھا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ:

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ۔

ترجمہ: "ان غرباء کے لئے جو خدا کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں زمین میں

کاروبار کے لئے حرکت نہیں کر سکتے بے خبر ان کی خودداری کے سبب
غنی خیال کرتا ہے تم انہیں صورت سے پہچان سکتے ہو وہ لوگوں سے
لپٹ کر نہیں مانگتے اور تم جو مال خرچ کرو گے اللہ اس سے خوب
واقف ہے۔"

(سورۃ البقرہ 2، آیت 273)

حدیث پاک

ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقراء اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے بہشت میں داخل ہونگے۔

فقر

فقر اولیاء کا شعار اور اصفیاء کا زیور ہے اللہ نے اس کو اپنے انبیاء، اولیا، اتقیاء اور خواص کے لئے پسند فرمایا ہے۔ فقراء اللہ کے پسندیدہ بندوں میں سے ہیں ان ہی کی برکات سے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کا رزق کشادہ کرتا ہے۔ عربوں کے ہاں فقر سے مراد محتاجی اور مال کی عدم ملکیت تھی لیکن جب اہلِ سلوک نے دنیاوی مال و اسباب سے صرف اور صرف خدا کے لئے اپنی مرضی سے کنارہ کشی اختیار کی اور فقر اختیار کیا تو اس میں خودداری کے ساتھ استغناءِ قلب کا مفہوم بھی شامل ہو گیا۔ صوفیاء کے نزدیک فقر وہ بلند مقام ہے جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے خود اس آیت میں کی ہے جو آغاز میں درج کی جا چکی ہے۔ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنی مثنوی "پس چہ باید کرد" میں فرماتے ہیں:

چیست فقر؟ اے بندگانِ آب و گِل
یک نگاہ راہ بیں، یک زندہ دل

فقر کارِ خویش را سنجیدن است
بر دو حرف لااله پیچیدن است
فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضا است
ما امینیم ایں متاعِ مصطفی است

الفقر وفخری

علاوہ ازیں اہل تصوف کے نزدیک فقر کے محمود ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فقر کو اپنا فخر کہا ہے۔

"اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَبِہٖ افتخر"

"فقر میرا فخر ہے اور میں اس پر فخر کرتا ہوں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہائش گاہ ایک چھوٹا سا مٹی کا حجرہ تھا جس کی چھت کھجور کے پتوں اور بکری کے بالوں کے بوریا کی تھی ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرے میں آئے تو دیکھا آپ چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور جسم مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بے اختیار گریہ طاری ہو گیا اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیصر و کسریٰ تو دنیا میں آرام سے شان و شوکت کی زندگی بسر کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حال ہے کہ بستر تک میسر نہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"عمر رضی اللہ عنہ! میں چاہتا ہوں کہ دنیا میں مشقت برداشت کروں تا کہ آخرت بہتر ہو سکے۔"

حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک خوبصورت شعر کہا ہے۔

بوریا ممنونِ خوابِ راحتش
تاج کسریٰ زیر پائے امتش

خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجاہدانہ وزاہدانہ زندگی ایسی تھی کہ پُر مشقت زندگی بسر کرتے، اُون کا لباس تن زیب کرتے اور جَو کی روٹی زیتون کے تیل سے کھاتے ہر نوالے کے بعد پانی کا گھونٹ پی کر حلق سے نیچے اُتارتے، انہوں نے بادشاہی میں فقیری کی ایسی مثال قائم کی کہ جب آپ شہید کیے گے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اللہ آپ کو بلند درجہ عطا فرمائے آپ سادگی میں حکمرانی کا ایسا معیار قائم کر گئے ہیں کہ اب کون اس پر پورا اُترے گا۔“

فقیر کون؟

حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ:

”فقیر وہ ہے جو معدوم چیز کی اس وقت تک تلاش نہ کرے جب تک وہ چیز گم نہ کرے جو اس کے پاس ہو۔“

شیخ ابوعبداللہ ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ متوفی 360ھ فرماتے ہیں کہ:

”فقیر وہ ہے جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور جب ہو تو پھر نہ رہے۔“

شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ:

”فقیر وہ ہے کہ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو تو اسے سکون حاصل ہو اور جب ہو تو اسے خرچ کر دے۔“

(التعرف)

ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر، استغناء اور شانِ بے نیازی کے ہم معنی ہے۔ اسی بنا پر حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فقر کو مومن کی اعلیٰ ترین صفت سمجھتے ہیں اور ”پس

چہ باید کرد" میں فرماتے ہیں کہ:

فقرِ مومن چیست تسخیر حیات
بندہ از تاثیر او مولا صفات

شانِ بے نیازی

امام ابوالقاسم عبدالکریم القشیری رحمۃ اللہ علیہ رسالہ قشیریہ میں بیان کرتے ہیں کہ:

"ایک دفعہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص نے دس ہزار درہم بھیجے لیکن شیخ نے انہیں اس خدشہ کی بنا پر لینے سے انکار کر دیا کہ مبادا ان کا نام فقراء کی فہرست سے نہ نکال دیا جائے۔"

یاد رہے یہ وہی ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو فقیری کے لئے اپنی بادشاہی کو ترک کر چکے تھے اور اب اس قدر بے چین ہوتے ہیں کہ خدانخواستہ کہیں ان کا نام فقراء کی فہرست سے نہ نکال دیا جائے۔ شاید انہی کے بارے میں حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بالِ جبریل میں یوں فرمایا ہے:

نگاہ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

دل کے غنی

مطالعۂ تصوف میں ڈاکٹر غلام قادر لون نے عوارف المعارف کے حوالے سے شیخ ابوعبداللہ ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ فقر کیا ہے تو انہوں نے تب تک جواب نہیں دیا جب تک جیب میں موجود ایک درہم کو پہلے خیرات نہیں کر دیا۔ اسی طرح رسالہ قشیریہ کے حوالے سے انہوں نے حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا

واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے مرض الموت میں کہا گیا کہ وصیت کیجئے تو آپ نے فرمایا میرے مرنے کے بعد میری قمیض صدقہ کر دینا کیونکہ میں دنیا سے اس حالت میں جانا چاہتا ہوں جس حالت میں آیا تھا۔

اسی بنا پر علامہ مرحوم نے اپنی مثنوی مسافر میں کہا تھا:۔

فقر سوز و درد و داغ و آرزو است

فقر را درخوں تپیدن آرزو است

دل مراد سے خالی

رسالہ قشیریہ کے حوالے سے ہی لکھا گیا ہے کہ صرف مال کا ظاہری طور پر اپنے پاس موجود نہ ہونا ہی فقر کے لئے کافی نہیں بلکہ ایک صوفی کا قول درج کیا گیا ہے کہ فقیر وہ نہیں ہے جو سامان سے خالی ہو بلکہ وہ ہے جس کا دل مراد سے خالی ہو۔ یہی بات حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں یوں بیان کرتے ہیں کہ ذات حق کے سوا تمام چیزوں سے قلب کے فارغ ہونے کا نام فقر ہے، وہ مزید فرماتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جو نہ ظاہری اسباب سے غنی ہو اور نہ اسباب کے نہ ہونے سے مفلس ہو۔ اسباب کا وجود و عدم اس کے نزدیک برابر ہو بلکہ عدم اس کے لئے باعث مسرت ہو۔ ابونصر سراج کتاب اللمع میں لکھتے ہیں کہ صوفیائے فقر میں تو میرا اور تیرا کا بھی سوال نہیں ہوتا۔

عہد نامۂ جدید

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ ایم اے پی ایچ ڈی اپنی کتاب ''رابعہ دی مسلک'' میں فقر کے ضمن میں بیان کرتی ہیں کہ فقر کے مراحل درویشی یا ترک دنیا دراصل اپنی مرضی کو ترک کر کے خدا کی مرضی میں ضم کرنے اور خدا پر مکمل بھروسے اور انحصار کا نام فقر ہے پھر ڈاکٹر صاحبہ

نے ابن ماجہ کی حدیث جس میں فقراء کے اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہونے کا ذکر کر کے اس کا موازنہ عہد نامہ جدید کی تعلیمات سے کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ امیر خدا کی بادشاہت میں مشکل سے ہی داخل ہوں گے۔

خدائی تحفہ

شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ کتاب اللمع میں لکھتے ہیں کہ غریب خدا کی مخلوق میں امیر ترین ہیں، انہیں دینے والے نے خود یہ غربت تحفے میں دی ہے جو اگرچہ آزمائش اور مصائب کا سمندر ہے لیکن اس آزمائش وابتلا میں عظمت اور بزرگی اور شان ہے۔

ان کے درجات

جن کے پاس کچھ بھی نہیں ان کے مختلف درجات ہیں۔ یہ کسی سے اپنی اندرونی اور بیرونی ضرورت کے لئے نہیں مانگتے، یہ نہ صرف اپنی خواہش کو بیان کرنے سے رکے رہتے ہیں بلکہ یہ خواہش کو اپنے دل میں محسوس بھی نہیں کرتے، اور یہ کسی سے بھی کسی چیز کی توقع نہیں رکھتے، اور اگر ان کو کوئی چیز دی جائے تو وہ لینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ یہ مقام بلند ان لوگوں کا ہے جو خدا کے قریب ہیں اور بے شک یہ توحید کی اوّلین منازل میں سے ہے اسی وجہ سے اس مقام کے فرائض بھی بہت سخت ہیں۔ مثلاً بھوک پیاس میں صبر، غصے کو پی جانا، رنج وغم میں بھی شکر، دنیاداری سے کنارہ کشی، دے کر احسان نہ جتانا، ایثار وسخاوت کرنا، اہل دولت سے مستغنی ہونا۔ اس ضمن میں وہ ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ”جو شخص دولت مندوں سے جا کر سوال کرتا ہے وہ اپنے لئے جہنم کے انگارے جمع کرتا ہے۔“

نیز فرمایا:

''جو بلا ضرورت سوال کرتا ہے، مانگتا ہے قیامت کے دن اس کے چہرے پر گوشت نہ ہوگا۔''

اسی لئے صوفیائے فقر سوال سے مستغنی ہوتے ہیں۔ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ بالِ جبریل میں فرماتے ہیں:

علم کا مقصود پاکئ عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب و نگاہ
علم فقیہہ و حکیم، فقر مسیح و کلیم
علم ہے جُویائے راہ، فقر ہے دانائے راہ
علم کا موجود اور، فقر کا موجود اور
اشهد ان لا اله، اشهد ان لا اله

(بالِ جبریل)

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی فقر طلبی

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا جب ابھی نو آموز تھیں اور کامل رُوحانی فقر کے معانی اور گہرائی کو سمجھنے سے قاصر تھیں تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس کی التجا کی تھی شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' میں سارا واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ جب حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا دوسری بار حج کے موقعہ پر میدانِ عرفات پہنچیں تو آپ نے وہاں ہاتفِ غیبی کی آواز سنی جو کہہ رہی تھی اے رابعہ! اس طلب میں کیا رکھا ہے اگر تُو چاہتی تو ہم بصرہ میں ہی تمہیں اپنی تجلی سے نواز سکتے تھے لیکن اس طرح تم جل کر خاک ہو سکتی تھی جس پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے کہا ''اے باعظمت و باجبروت خداوند! رابعہ میں

اتنی قوت وسکت نہیں کہ تیری تجلی برداشت کر سکے اور مجھے اس بلند مقام کی خواہش بھی نہیں۔ مجھے تو بس اپنی کرم فرمائی سے فقر کا ایک ذرہ ہی عطا کر دے۔'' آواز آئی کہ فقر ہمارے قہر کے مترادف ہے جس کو ہم نے صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دیا ہے جو ہر وقت ہماری بارگاہ سے اس طرح متصل ہیں کہ سر بہ مُو فرق نہیں رہتا۔ لیکن اس کے باوجود ہم انہیں لذتِ وصال سے محروم کر کے آتشِ فراق میں جھونک دیتے ہیں لیکن وہ اُف بھی نہیں کرتے اور نہ ان پر حزن وملال طاری ہوتا ہے اور نہ ہی وہ مضمحل ہو کر بیٹھ جاتے ہیں بلکہ وہ پہلے سے زیادہ گرمجوشی سے سرگرمِ عمل ہو جاتے ہیں۔

اے رابعہ! تُو ابھی دنیا کے ستر پردوں میں ہے اور جب تک تو ان حجابوں سے باہر آ کر ہماری راہ میں گامزن نہیں ہوتی اس وقت تک تمہیں فقر کا نام لینا بھی زیبا نہیں۔ مگر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا اصرار جاری رہا تو صدا آئی:

''اے رابعہ نگاہ اُٹھا اور سامنے دیکھ۔''

جب آپ نے سامنے دیکھا تو لہو کا ایک بحر بیکراں ہَوا میں معلق نظر آیا جس کا ایک سرا آسمان کو چھو رہا تھا اور دوسرا زمین کے اندر جاتا محسوس ہو رہا تھا۔ پھر ندا آئی:

''یہ ہمارے ان عشاق کی چشم خونچکاں کا سمندر ہے جو ہماری طلب میں چلے اور پہلی ہی منزل میں اس طرح شکستہ پا ہو گئے کہ ان کا کہیں سراغ بھی نہیں ملتا۔''

رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے کہا:

''اے اللہ کیا میں ان کو دیکھ سکتی ہوں۔''

جس لمحے آپ نے یہ سوال کیا اسی لمحے آپ کو نسوانی معذوری لاحق ہو گئی۔ ندا آئی کہ:

''اے رابعہ دیکھا تو نے سات برس تک لڑھکتے ہوئے ہم تک پہنچنے کی کوشش کی مگر تو جب قرب کی منزل تک پہنچی تو ایک حقیری سی علت

نے تیری راہ مسدود کر کے رکھ دی۔"

بشریت کی ایک حد متعین ہے جبکہ یہاں پر بتایا گیا ہے کہ فقر کی حدود ماورایت سے جا ملتی ہیں جس کو اپنی ذات کی مکمل نفی اور اپنی مرضی کے مکمل خاتمے کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

زُہد و ترکِ دُنیا

پروفیسر یوسف سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تاریخ تصوف" میں دنیا کی مذمت کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت درج کی ہے:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَّفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ○

ترجمہ: "جان لو! اس کے سوا نہیں کہ دُنیا کی زندگی (محض) کھیل کود ہے، اور ایک زینت، اور باہم فخر (خودستائی) کرنا اور کثرت کی خواہش کرنا مالوں میں اور اولاد میں، بارش کی طرح کہ کاشتکار کو اس کی پیداوار بھلی لگی، پھر وہ زور پکڑتی ہے پھر تُو اس کو دیکھتا ہے زرد، پھر وہ چُورا چُورا ہو جاتی ہے، اور آخرت میں باعث عذاب بھی ہے اور مغفرت بھی ہے اللہ کی طرف سے اور رضامندی، اور دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔"

(سورۃ الحدید 57، آیت 20)

اسی طرح اللہ نے ایک اور آیت میں فرمایا کہ:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ.

ترجمہ: ''اور لوگوں کیلئے مرغوب چیزوں کی محبت خوشنما کر دی گئی، مثلاً عورتیں اور بیٹے اور ڈھیر جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے، اور نشان زدہ گھوڑے، اور مویشی اور کھیتی، یہ دنیا کی زندگی کا ساز و سامان ہے، اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔''

(سورۃ آل عمران 3، آیت 14)

اللہ کی رضا

ان آیات قرآنیہ کی روشنی میں ان مرغوبات دنیا کو زندگی کا مقصد بنانا انسان کے لئے مفید نہیں بلکہ اللہ کی رضا کو مدنظر رکھنا ضروری ہے ان چیزوں سے نفس انسانی اللہ اور آخرت کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے زُہد کا پہلا درجہ یہ ہے کہ خواہشات نفسانی کو ترک کیا جائے اور اللہ کی رضا کو طلب کیا جائے۔

زُہد کا مفہوم

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگوں نے فرمایا کہ زُہد کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی امیدوں اور تمناؤں کو کم سے کم کر دے، حکما بھی یہی کہتے ہیں کہ جب ایک آدمی اپنی امیدیں قلیل کر دے تو غفلت کے دام سے آزاد ہو جاتا

ہے۔ایک عالمِ دین کا قول ہے کہ زاہد وہ ہے جس کے دل سے دنیاوی چیزوں کی قدرومنزلت زائل ہو جائے، ایک اور بزرگ کا کہنا ہے کہ اصل زاہد وہ ہے جس کی نگاہ میں یہ دنیا نہ نفرت کے لائق ہو نہ محبت کے۔ جب اسے مل جائے تو وہ خوش نہیں ہوتا اور جب چلی جائے تو رنجیدہ نہیں ہوتا۔ زہد کے اعلیٰ مقامات تک ان کو رسائی حاصل ہوتی ہے جو اللہ کی محبت میں اس کی رضا سے موافقت پیدا کرلیں یعنی اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیں۔ انہی لوگوں کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا سے ترک تعلق کو اپنا فرض سمجھتے ہیں زُہد یہ ہے کہ دنیا کی محبت دل سے نکل جائے اور اللہ کی محبت دل میں داخل ہو جائے، اور پھر اس کو مقصود و مطلوب جانے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد نام ہے امیدوں و تمناؤں کو کم کرنے کا، نہ کہ صوفیانہ لباس پہننے کا۔

زُہد ایک ہمہ گیر عمل

زُہد و ترک دنیا نفس کے تزکیہ کے لئے ایک ہمہ گیر عمل ہے، صوفیاء کا کہنا ہے کہ دنیا اور خدا کی محبت دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتیں اس لئے اللہ کے طالب کا دنیا و مافیہا کو ترک کرنا لازمی ہے کیونکہ اُخروی نعمتوں کا کمال دنیاوی نعمتوں کا نقصان برداشت کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صوفیاء رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ترک دنیا کو شرطِ اوّل قرار دیتے ہیں۔

سنت اور فرض

ڈاکٹر غلام قادر لون صاحب نے اپنی کتاب ''مطالعہ تصوف'' میں شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی بابت لکھا ہے کہ ایک بار ان سے کسی نے پوچھا معرفت میں فرض کیا ہے اور سنت کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ترک دنیا سنت اور پھر صحبت مع اللہ فرض ہے پس

جس نے فرض اور سنت کو جان لیا وہ کمال کو پہنچا۔

زُہد کی چند اور تعریفیں

زُہد کا مطلب حرام چیزوں اور مشتبہ باتوں سے پرہیز اور خواہشات کو کم کرنا ہے
حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے زُہد کی تعریف یوں کی کہ:

''زُہد یہ ہے کہ دنیا و مافیہا سے بغض رکھو۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''جو شخص اپنے دین کا بچاؤ اور قلب و بدن کا آرام چاہتا ہے تو اسے لوگوں سے علیحدہ ہو جانا چاہیے۔''

ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''تنہائی کو لازم پکڑ لو، دیوار کی طرف منہ کر لو، حتیٰ کہ تمہیں موت آ جائے۔''

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ:

''میں نے مخلوق کی طرف نگاہ ڈالی تو انہیں مردہ پایا پس میں نے ان پر چار تکبیریں پڑھ ڈالیں۔''

خود کی پہچان

لوگوں سے کنارہ کشی کو اعتزال عن الناس کہا جاتا ہے اس کے بعد صوفیاء نفس کشی کے عمل میں مشغول ہو جاتے ہیں اس میں سب سے اوّل عمل خود کو پہچاننے کا ہے۔ کیونکہ انسانی نفس ہی دراصل خدا اور بندے کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے پس اس سنگ گراں کو ہٹائے بغیر آگے نہیں بڑھا جا سکتا کیونکہ نفس انسانی ہی تمام خواہشات کا منبع اور خدا

کی نافرمانی کا سب سے بڑا سبب ہے لہٰذا ذات کی تسخیر کا عمل پہلے ذات کو جاننے سے شروع کیا جاتا ہے۔اس موقعہ پر حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مرحوم انسان کو اس کی عظمت یاد دلاتے ہیں کہ

''اے بے خبر انسان تُو ساتویں آسمان پر واقع درخت سدرۃ المنتہیٰ کی ایک شاخ تھا لیکن اپنے نفس کے ساتھ ملوث ہو کر باغ کی گھاس پھونس بن گیا ہے اور سب کچھ بھول گیا ہے، اپنے خدا کو بھی اور اپنی صلاحیتوں کو بھی۔اب اگر تُو خدا کو نہیں مانتا تو نہ مان مگر خود اور اور خود کی صلاحیتوں پر تو ایمان لا۔''

شاخِ نہالِ سدرہ خار و خسِ چمن مشو
منکرِ او اگر شوی منکرِ خویشتن مشو

(زبورِ عجم)

قرآن کریم میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ:

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قف

ترجمہ: ''کیا وہ غور نہیں کرتے اپنے آپ میں۔''

(سورۃ الروم 30، آیت 8)

اس ضمن میں مشہور یونانی فلسفی سقراط کا ایک قول بہت مشہور ہے جو دراصل اس نے ڈیلفی کے معبد پر لکھا ہوا دیکھا تھا۔KNOW THY SELF (خود کو پہچانو)۔ عربی میں بھی کسی بڑے آدمی سے یہ قول منسوب ہے ''من عرفہ نفسہٗ فقد عرفہ ربہٗ'' جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے ربّ کو پہچان لیا یعنی معرفت کے سفر کا آغاز اپنی ذات کی پہچان سے شروع ہوتا ہے اور ربّ تعالیٰ تک جا پہنچتا ہے۔

حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا تھا دین

کیا ہے؟ اپنی ذات کے رازوں کو دریافت کرنا۔ خود کو پہچاننا، اور خود کو جانے بغیر زندگی موت کے مترادف ہے۔ خود اپنے کھوئے ہوئے مقام تک پہنچنا اور خداوند ذوالجلال کا دیدار کرنا ہی زندگی ہے، یہ نہیں تو پھر تجھ پر موت طاری ہے اور تو مردہ ہے۔ دیکھئے:

چیست دِیں؟ دریا فتن اسرارِ خویش
زندگی مرگ است بے دیدارِ خویش
بر مقامِ خود رسیدن زندگی است
ذات را بے پردہ دیدن زندگی است

اور پھر اس کا طریقہ بھی بتاتے ہیں۔ بانگ درا میں ارشاد کیا:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تُو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

اور بقول حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ خود کو تلاش کرو گے تو وہ مل جائے گا اور اسے تلاش کرو گے تو خود کو پالو گے۔

کرا جوئی؟ چرا در پیچ و تابی
کہ او پیدا ست تو زیر نقابی
تلاش او کنی جز خود نہ بینی
تلاش خود کنی جز او نیابی

بعد کے مراحل

اس کے بعد نفس کو حرام کی چیزوں سے ہی نہیں بلکہ حلال اور مباح چیزوں سے بھی پرہیز کرایا جاتا ہے اس کے لئے تین چیزوں کو لازم سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ دراصل یہی تین باتیں انسان کو ولایت کے درجے پر فائز کر دیتی ہیں۔

اوّل: کم کھانا

دوم: کم بولنا

سوم: کم سونا

یعنی فاقہ کشی، خاموشی اور شب بیداری۔ اس مرحلے کو عربی میں قلت الطعام، قلت المنام، قلت الکلام اور قلت اختلاط مع الانام کہا جاتا ہے اور کسی استاد نے فارسی کے اس شعر میں بھی اس کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

چشم بند، گوش بند و لب بہ بند

گر نہ بینی سرِ حق بر ما بخند

"یعنی اے انسان تو اپنی آنکھ بند کر لے اپنے ہونٹ سی لے اور اپنے کان بند کر لے پھر بھی اگر تجھے حق کا راز معلوم نہ ہو تو بے شک مجھ پر ٹھٹھہ کرنا۔ ہنسنا۔"

قلت الطعام

شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ:

"تصوف قیل وقال سے نہیں بلکہ بھوک، ترک دنیا، اور پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ دینے سے حاصل ہوتا ہے۔"

صوفیاء کے بقول بھوک سے انسان کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اس میں سے قساوت اور سختی جاتی رہتی ہے۔ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ:

"جب آدمی بھوکا ہوتا ہے تو اس کے دل پر حکمت کی بارش ہوتی ہے صوفیاء کے نزدیک بھوک مریدین کے لئے ریاضت، توبہ کرنے والوں کے لئے تجربہ اور عارفین کے لئے باعث عزت ہے۔"

قلت الطعام

شیخ ابوسید الخزار رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھوک زاہدوں کی غذا اور ذکر عارفوں کی خوراک ہے جبکہ حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھوک صوفیوں کا طعام، مریدوں کے لئے مسلک اور شیطان کے لئے زنجیر ہے۔ راہ سلوک میں فاقہ کشی یا روزہ رکھنا اس لئے بھی محمود ہے کیونکہ شکم سیری سے شہوت کو تحریک ملتی ہے کسی نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ ہر وقت بھوک کی تعریف کیوں کرتے رہتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر فرعون بھوکا ہوتا تو انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ بلند کرتا، قارون بھوکا ہوتا تو سرکشی کرتا؟۔ بلکہ صوفیائے کرام کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ایک لقمہ کھانے کی پاداش میں ہی جوار حق سے دُور ہوئے تھے۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اور بھوک

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے بصرہ میں گوشہ نشینی کے دوران عبادت و ریاضت کو اپنا معمول بنالیا تھا، وہ اکثر روزہ رکھتیں اور صرف پانی سے افطار کرتیں، بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا کہ گھر میں اگر افطار کے لئے کوئی چیز پڑی ہے اور کوئی سائل آگیا ہے تو اس کو دے دی۔ ان کی زندگی کا ایک واقعہ جو اگرچہ پہلے لکھا جاچکا ہے لیکن یہاں موقعہ کی مناسبت سے اسے مختصراً درج کیا جارہا ہے۔ ایک دفعہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے سات روز مسلسل روزے رکھے اور صرف پانی سے افطار کئے آٹھویں دن بھوک کی شدت سے نفس نے فریاد کی کہ مجھے کب تک اذیت دوگی تو اس وقت کوئی شخص پیالے میں کھانے کی چیز دے گیا، آپ شمع روشن کرنے اُٹھیں تو کہیں سے بلی آئی اور پیالہ الٹ دیا کھانا ضائع ہو گیا آپ نے پانی سے روزہ افطار کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اس وقت شمع بجھ گئی اور آپ

کا ہاتھ لگنے سے پانی کا پیالہ بھی گر گیا اور سارا پانی بہہ گیا، جس پر آپ نے آہ بھر کر اللہ سے عرض کیا کہ میرے ساتھ ایسا معاملہ کیوں کیا جا رہا ہے تو ندا آئی کہ اگر دنیاوی نعمتوں کی طلب گار ہو تو ہم عطاء کیے دیتے ہیں لیکن اس کے عوض ہم اپنا درد تمہارے دل سے نکال لیں گے۔ کیونکہ ہمارا غم اور دنیا کا غم کبھی ایک قلب میں جمع نہیں ہو سکتے، یہ سنتے ہی آپ نے اپنا دل حب دنیا اور دنیاوی اشیاء کی طلب سے خالی کر لیا۔

قلتِ المنام

راہِ سلوک میں کم سونا اور جاگ کر عبادت کرنا لازمی ہے، حضرت ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"جو سویا وہ غافل رہا اور محجوب ہوا۔"

صوفیا کرام کا کہنا ہے کہ:

"اگر تمہیں حضوری حاصل ہے تو پھر تمہارے لئے سونا منع ہے کیونکہ حضوری میں سونا بے ادبی ہے۔"

مشائخ کا اس بات پر اجماع ہے کہ:

"بیداری کو نیند پر فضیلت حاصل ہے اس لیے مرید کو ہدایت کی جاتی ہے کہ صرف غلبہ کے وقت ہی سوئے اور جب بیدار ہو پھر نہ سوئے۔"

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اور نیند

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا دن بھر روزہ رکھتیں اور شب بھر جاگ کر عبادت کیا کرتی تھیں کیونکہ روحانی قوت میں اضافے کے لئے شب بیداری بہت ضروری ہے۔

شب بیداری کے متعلق کہا جاتا ہے کہ:

شب بیداری کارِ مرداں

لیکن اس معاملے میں بھی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا مَردوں کے شانہ بشانہ تھیں بلکہ بعض جگہ تو آگے تھیں۔ آپ کی زندگی کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ آپ کے پاس تشریف لائے اور رات بھر آپ کے ہاں ہی مقیم رہے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا رات بھر جاگ کر نماز میں مشغول رہیں اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بھی دوسری جگہ نماز پڑھتے رہے، جب صبح ہوئی تو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بہت خوش نظر آئیں وہ اس بات پر خوش تھیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کو نماز کی توفیق عطا فرمائی اور اس توفیق عطاء ہونے پر انہوں نے کہا کہ وہ کل شکرانے کا روزہ رکھیں گی۔

قلت الکلام

قلتِ طعام وقلتِ منام کے ساتھ ساتھ قلتِ کلام بھی زُہد وتقویٰ اور ریاضت کا ایک لازمی جزو ہے۔ یوں بھی حکماء اور مصلحین نے خاموشی کو اس لئے بھی بہتر بتایا ہے کہ اس سے انسان زبان کے فتنوں سے محفوظ رہتا ہے، بعض اوقات تو خاموشی اس قدر ناگزیر ہو جاتی ہے کہ آمی کے دین وایمان اور بعض اوقات جان کی سلامتی بھی اس میں مضمر ہو جاتی ہے۔ صوفیاء کے ہاں خاموشی آدابِ حضوری میں شمار سمجھی جاتی ہے، ان کے ہاں یہ معرفت کا ثمر ہے۔ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''جس نے رب کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہوگئی۔''

حکمت کی بھی نشانی یہ ہے کہ آدمی خاموش رہے اور صرف بوقتِ ضرورت ہی کلام کرے۔

قلت الکلام اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بہت کم گفتگو کیا کرتی تھیں معتقدین یا معاصرین آجاتے تو بہت زور لگا کر سوال کرتے تو آپ مختصر اور مدلل جواب دے کر خاموش ہو جاتی تھیں آپ کی ہر بات قرآن کی آیات کے حوالے سے ہوتی یا اکثر آپ سوال کے جواب میں آیات قرآنی پڑھ دیتی تھیں۔ بعض حضرات نے اس بارے میں پوچھا تو کہا کہ انسان جو کچھ بولتا ہے فرشتے اسے لکھتے ہیں، میں اسی لئے قرآن کی آیتوں کے سوا بات نہیں کرتی کہ کہیں میرے منہ سے بری بات نہ نکل جائے جسے فرشتے لکھ لیں، تو میں آیتیں پڑھتی ہوں اور فرشتے لکھتے رہتے ہیں۔

قرآنی گفتگو

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے کئی ایک تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ:

"آپ بہت کم گفتگو کیا کرتی تھیں یوں تو آپ کا زیادہ تر وقت نماز اور اللہ کے ذکر اذکار میں گزرتا تھا لیکن اگر کسی سے بات بھی کرنی ہوتی تھی تو آپ قرآنی آیات کے ذریعے اپنا مطلب بیان کیا کرتی تھیں۔ لوگوں نے پوچھا آپ ایسا کیوں کرتی ہیں تو فرمایا انسان جو کچھ بولتا ہے فرشتے اسے لکھتے رہتے ہیں، میں کوشش کرتی ہوں کہ قرآن کی آیتوں کے سوا کچھ نہ بولوں، یہ احتیاط اس لئے ہے کہ کہیں میرے منہ سے کوئی غلط بات نہ نکل جائے اور فرشتے اسے لکھ لیں۔"

اس ضمن میں ایک روایت بھی آپ کے حوالے سے بیان کی جاتی ہے کہ:

"ایک بار عالمِ کشف میں آپ نے دیکھا کہ فرشتے ایک مردے کے

ساتھ سختی سے پیش آ رہے ہیں آپ نے گھبرا کر پوچھا یا اللہ! اس سے کیا غلطی سرزد ہوگئی ہے؟ جواب آیا کہ اس نے اپنی زندگی میں ایک بار ایسا لفظ منہ سے نکالا تھا جس کی وجہ سے مخاطب کی دل آزاری ہوئی تھی آپ یہ سن کر خوف زدہ ہوگئیں اور آپ نے دل میں فیصلہ کرلیا کہ اب زندگی بسر اپنا مدعا قرآنی آیات کے ذریعے بیان کیا کریں گی اور پھر آپ عمر بھر اس فیصلے پر قائم بھی رہیں اور آخر تک اپنا مافی الضمیر قرآنی آیات کے ذریعے بیان کرتی رہیں۔''

ایک قرآنی مکالمہ

کلیم النساء صاحبہ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں اپنی کتاب ''حیات ابدی'' میں ایک مکمل قرآنی مکالمہ درج کیا ہے جو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اور امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان ہوا۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہی سے روایت ہے کہ وہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے راہ میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے ملے۔ آپ میدان میں تنہا بیٹھی تھیں۔ اس وقت جو گفتگو ہوئی وہ نہایت دلچسپ اور عجیب وغریب تھی جو کہ درج ذیل ہے:

عبداللہ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

رابعہ: سَلٰمٌ قف قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ. (سورۃ یٰسین، آیت ۵۸)

(سلام قول ہے پروردگار مہربان کی جانب سے)

عبداللہ: خدا تم پر رحمت نازل کرے، یہاں کیا کر رہی ہو؟

رابعہ: وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ. (سورۃ الشوریٰ، آیت ۴۶)

(جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اس کیلئے کوئی راستہ نہیں۔)

عبداللہ: (دل میں سمجھے کہ راہ بھول گئی ہیں اور کہا) کہاں جاتی ہو؟

رابعہ: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی. (سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۱)

(پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف)

عبداللہ: (سمجھے کہ حج سے فارغ ہو کر بیت المقدس جاتی ہیں اور پوچھا) کب سے اس مقام پر پڑی ہو؟

رابعہ: ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا. (سورۃ مریم، آیت ۱۰)

(تین راتیں پوری) یعنی تین دن سے۔

عبداللہ: تمہارے پاس کھانے کو تو ہے نہیں آخر تم نے بسر کیونکر کی؟

رابعہ: هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ. (سورۃ الشعرآء، آیت ۷۹)

(وہی مجھے کھلاتا ہے اور وہی مجھے پلاتا ہے)

عبداللہ: تم وضو کس چیز سے کرتی تھیں؟

رابعہ: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا. (سورۃ النساء، آیت ۴۳)

(اور اگر نہ پاؤ تم پانی تو تیمّم کرو پاک مٹی سے)

عبداللہ: میرے پاس کھانا ہے کھاؤ گی؟

رابعہ: ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ. (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۷)

(پھر پورا کرو تم روزہ رات تک)

عبداللہ: یہ رمضان کا مہینہ تو نہیں؟

رابعہ: وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا لا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاکِرٌ عَلِیْمٌ. (سورۃ البقرہ، ۱۸۵)

(اور جو بطور نفل نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ قبول کرنے والا اور جاننے والا ہے)

عبداللہ: لیکن سفر میں تو روزہ نہ رکھنا مباح ہے؟

رابعہ: وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (سورۃ البقرہ، ۱۸۴)

(اور اگر روزہ رکھو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو)

عبداللہ: (ان کی قرآن خوانی سے تنگ آ کر کہا) جس طرح میں تم سے باتیں کرتا ہوں اسی طرح آزادی سے تم مجھ سے باتیں کیوں نہیں کرتیں؟

رابعہ: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ. (سورۃ قٓ، آیت ۱۸)

(کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو)

عبداللہ: تم کس قبیلے کی عورت ہو؟

رابعہ: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا. (سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۳۶)

(جس کا علم نہ ہو اس سے پیچھے نہ لگ جایا کرو بے شک تم سے کان، آنکھ اور دل کے بارے میں پوچھا جائے گا۔)

عبداللہ: کہا: مجھ سے خطاء ہوئی معاف کرو؟

رابعہ: قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ. (سورۃ یوسف، آیت ۹۲)

(آج تم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے)

عبداللہ: میں اپنی اونٹنی پر بٹھا کر لے چلوں، چلو گی؟

رابعہ: وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ. (سورۃ البقرہ، ۱۹۷)

(اور جو نیکی کا کام تم کرو اللہ اسے جانتا ہے)

عبداللہ: (اپنی اونٹنی بٹھائی اور کہا) آؤ!

رابعہ: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (سورۃ النور، آیت ۳۰)

(مومنین سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں)

عبداللہ: (اپنی آنکھیں بند کیں اور کہا) سوار ہو جاؤ!

رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے جیسے سوار ہونے کا قصد کیا تو اونٹنی بھڑکی اور ان کی چادر پھٹ گئی جس پر آپ نے کہا وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ (سورۃ الشعرآء، آیت ۳۰) (اور تم کو جو مصیبت پہنچی وہ خود تمہارے ہاتھوں سے ہے)

عبداللہ: کہا: اچھا ذرا ٹھہرو میں اپنی اونٹنی کو باندھ دوں پھر تم سوار ہو جانا۔

رابعہ: فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ (سورۃ الانبیاء، آیت ۷۹)

(پس سمجھایا ہم نے سلیمان کو)

عبداللہ: عبداللہ نے اونٹنی کو باندھ کر کہا۔ اب سوار ہو جاؤ!

رابعہ: رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سوار ہوئیں اور اونٹنی کی پیٹھ پر بیٹھ کر کہا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۝ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ. (سورۃ الزخرف، آیت ۱۴-۱۳)

(پاک ہے وہ اللہ جس نے اس کو ہمارا مطیع کیا ہم اس کی صلاحیت نہ رکھتے تھے ہم اپنے پروردگار کی طرف پلٹنے والے ہیں)

عبداللہ: عبداللہ نے اپنی اونٹنی کی مہار پکڑی اور شور مچاتا ہوا چلا۔

رابعہ: وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ. (سورۃ لقمان، آیت ۱۹)

(نرمی کر و اپنی چال میں اور پست کر و اپنی آواز کو)

عبداللہ: عبداللہ یہ سن کر آہستہ آہستہ چلنے لگے اور چلانے کی بجائے دھیمی آواز میں حدی خوانی شروع کر دی۔

رابعہ: فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ. (سورۃ المزمل، آیت ۲۰)

(پس جتنا آسانی سے ہو سکے (اتنا) قرآن پڑھ لیا کرو)

عبداللہ: اللہ تعالیٰ نے تم میں بہت سی نیکیاں پیدا کی ہیں۔

رابعہ: وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ. (سورۃ آل عمران، آیت ۷)

(اور نہیں سمجھتے مگر صاحبانِ عقل)

عبداللہ: (عبداللہ نے تھوڑی دُور چل کر دریافت کیا) کیا تمہارے شوہر بھی ہیں؟

رابعہ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ ج

(سورۃ المائدہ، آیت ۱۰۱)

(اے ایمان والو نہ سوال کرو ان چیزوں سے اگر ظاہر ہو جائیں تو تم کو بری معلوم ہوں)

اس کے بعد کا سفر خاموشی سے کٹ گیا اور وہ منزلِ مقصود پر پہنچ گئے۔

قلتِ اختلاط مع الانام

تصوف میں ایک صوفی کے لئے جہاں قلتِ طعام، قلتِ منام، قلتِ کلام ضروری ہے وہاں قلتِ اختلاط مع الانام یعنی لوگوں سے کم ملنا جلنا بھی بہت ضروری ہے کیونکہ آپ جتنا زیادہ لوگوں میں ملیں گے اتنا زیادہ دنیا میں ملوث ہوتے جائیں گے اس لئے مرشد اپنے مریدانِ باصفا کو لوگوں سے کم سے کم ملنے کا پرہیز بھی بتاتے ہیں۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اپنی جھونپڑی میں گوشہ نشین تھیں، آپ مردم بیزار تو نہ تھیں لیکن لوگوں سے کم کم ملتی تھیں چونکہ صرف اشد ضرورت کے وقت ہی باہر نکلتی تھیں لہٰذا لوگوں سے ملنا بھی کم پڑتا تھا ہاں اکثر ہم عصر صوفیاء اور شاگرد کچھ سیکھنے کے لئے آپ کے پاس آتے رہتے تھے اور آپ اس سے ان کو منع نہ فرماتی تھیں چونکہ آپ کا مطمعٔ نظر یہ تھا کہ اپنے قول وعمل سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو سکھا سکیں لہٰذا آپ نے لوگوں سے ملنا بالکل ترک نہیں کر دیا تھا۔

مذہب تسلیم و رضا

جب انسانی روح خواہشات سے پاک ہو جاتی ہے تو صوفی کا نفس یوں پاک ہو جاتا ہے جیسے شعلہ دھوئیں سے۔ اس وقت صوفی کا خدا کی طرف سفر شروع ہو جاتا ہے۔

(محمود شبستری رحمۃ اللہ علیہ۔ گلشن راز)

اور وہ خدا کے سوا ہر ایک چیز سے منہ موڑ لیتا ہے یہ مقام صرف تربیت یافتہ ہی حاصل کر سکتا ہے، ابتدائی تصوف میں زُہد کا سوال بہت اہمیت کا حامل تھا کیونکہ ابتدائی دنوں میں تصوف درویشی و تسلیم و رضا کا ہی مذہب تھا اس وقت یہ معرفت کا مذہب نہیں بنا تھا۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اور ترکِ دُنیا

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے ترک دنیا اور زُہد و ریاضت میں بھی کمال حاصل کر لیا تھا آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ دوسرے حج سے واپسی کے بعد آپ نے بصرہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور دن رات میں ایک ہزار نفل ادا کیا کرتی تھیں، اللہ سے آپ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ دُنیا کی ہر چیز سے منہ موڑ کر خالص اللہ کی طرف توجہ کر لی تھی آپ کئی کئی دن روزے رکھتی تھیں اور بعض اوقات افطار کے لئے بھی گھر میں کچھ نہ ہوتا تو صرف پانی سے افطار کر لیا کرتی تھیں۔ آپ پیکر تسلیم و رضا تھیں یہ سب خاموشی سے برداشت کرتیں تھیں کبھی آپ نے اللہ سے گلہ شکوہ نہ کیا بلکہ اس حال میں بھی اللہ کا شکریہ ادا کرتی تھیں، صبر کا دامن کبھی آپ کے ہاتھ سے نہ چھُوٹا، ساتھ ساتھ خشیت الٰہی سے آپ کانپتی رہتیں اور آپ کی آنکھوں سے ہر وقت آنسو رواں رہتے تھے یوں آپ نے ترک و تجرید میں بھی اعلیٰ مثال قائم کی۔

توحید

رابعہ دی بصری میں ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ ایم۔اے پی ایچ ڈی لکھتی ہیں کہ:

''توحید اسلام کا سب سے بنیادی اور مرکزی عقیدہ ہے کہ خدا ایک ہے اسلام میں شرک نا قابل معافی گناہ ہے، شرک سے مراد یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، اس کا ہمسر یا ثانی سمجھنا۔ توحید میں دُوئی نا قابل تسلیم ہے، خدا اپنے جوہر میں اور اپنی سرگرمی میں ایک ہے اور اسی لئے وہ اس کائنات اور حاضر و موجود و غائب کی علت ہے۔''

صوفی کا نظریۂ توحید

صوفی کے لئے توحید کے نظریئے کا مطلب صرف خدا کو ایک تسلیم کرنا ہی نہیں بلکہ اپنی خودی کو اس میں فنا کر دینے اور اپنی مرضی کو اسی کی مرضی میں ضم کرنا ہے۔ اس طرح وحدت کا یہ نظریہ صوفیاء میں توحید کے نظریئے کے طور پر ترقی پا گیا۔

دل کا اقرار

ایران کے مشہور صوفی ابوسعید بن ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ:

''توحید میں صرف زبانی اقرار کی نہیں بلکہ دل کے اقرار کی اہمیت ہے، خدا کے نیک بندے وہ ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں اور تمام

شہوانی جذبات وخواہشات سے آزاد ہو جاتے ہیں، جب تک آپ
اپنی خودی خود سے نہ نکالیں گے آپ اس سے بھاگ نہیں سکتے اس
سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے، میرے لئے مسلمان بننے کے لئے صرف لا
الہ الا اللہ کو منہ سے پڑھ دینا ہی کافی نہیں کیونکہ قرآن میں فرمایا گیا
ہے کہ ان میں سے زیادہ خدا کو نہیں مانتے بلکہ وہ مشرک ہیں کیونکہ وہ
ایمان کا صرف زبان سے اقرار کرتے ہیں لیکن وہ دل سے مشرک
ہیں اور ایمان ان کے دلوں میں نہیں اُترا۔"

مشرک

خدا نے قرآن میں بھی فرمایا کہ میں مشرک کو نہیں بخشوں گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں ان کو معافی نہیں دی جائے گی لیکن ان کے علاوہ وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا۔ خدا کو چھوڑ کر مخلوق پر بھروسہ کرنا بھی شرک ہے جبکہ مخلوق کچھ بھی نہیں وہ فانی ہے اور خدا سب کچھ ہے اس پر یقین کرنا اور پھر اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ خدا ایک ہے اور پھر اس پر ڈٹ جاؤ۔

قدیم صوفیاء

قدیم صوفی مصنف ابو نصر سراج رحمۃ اللہ علیہ نے عقیدۂ توحید پر بحث کرتے ہوئے رویم بن احمد بن یزید البغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بیان کیا ہے کہ توحید انسانی فطرت کو محو کرنا اور اس کو خدائی سے الگ کرنا ہے جس کی تشریح یوں کی کہ ظاہری اور فنا پذیر وجود کو ابدی سے جدا کرنا۔

رسالہ قشیریہ میں ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''بندہ خدا کے ہاتھ میں پکڑا ہوا ایک جسم ہے جو اس کی وحدت کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہے۔''

مزید کہا کہ:

''جس نے اپنی خودی کو ترک کر دیا ہے اور پیدا کردہ چیزوں سے علیحدہ کر لیا ہے آخر کار اب یہ بندہ وہی بن گیا ہے جو آغاز میں تھا اپنے پیدا ہونے سے پہلے۔''

دریائے وحدت

پانی کا قطرہ اگرچہ شراب میں جذب ہوتا نظر آتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ دو مختلف چیزیں ہیں لوہا گرم ہو کر آگ کا ہم رنگ ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی ان کا علیحدہ علیحدہ وجود ہے اسی طرح من وتو میں بھی دُوئی پائی جاتی ہے۔ صوفی اس وقت تک مکمل اتحاد حاصل نہیں کر سکتا جب تک وہ اپنی ''میں'' ختم نہ کر دے۔

اتحاد کی مثال یوں دی جا سکتی ہے جیسے پانی کا ایک قطرہ سمندر میں مل جائے۔ شرر شعلے میں جذب ہو جائے، جزو، کُل میں مل جائے اور انسانی رُوح ابدی رُوح میں جا کر ایک ہو جائے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا قول

توحید کے بارے میں بہترین قول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''لائق حمد ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں پر اپنی ذات وصفات کے علم کا اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں کھولا کہ وہ اس باب میں اپنے عجزِ فہم کا اعتراف کر لیں (رسالہ قشیریہ) شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ بھی یہی ہے کہ توحید کا علم سرحدِ ادراک سے پرے ہے چنانچہ

علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں کہتے ہیں کہ دشواری کا منبع یہ ہے کہ کسی زبان میں ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں جو توحید کے مفہوم کو واضح کر سکیں، حقیقت یہ ہے کہ کوئی زبان حقائق مجردہ کا بیان کماحقہ نہیں کر سکتی۔

اکبر الہ آبادی کہتے ہیں کہ

انکشاف راز ہستی عقل کی حد میں نہیں
فلسفی یاں کیا کرے اور سارا عالم کیا کرے

اعلیٰ ترین توحید

اعلیٰ ترین توحید میں سالک اپنی شخصیت کو خدا کی ذات میں محو کر دیتا ہے اور بحر وحدت میں غرق ہو جاتا ہے اور قرب و اتصال کی لذت سے بہرہ افروز ہوتا ہے اور خود بھی مجسم مشیت ایزدی بن جاتا ہے۔ اس کی ذاتی مرضی اور ارادہ باقی نہیں رہتا صرف اللہ کا ارادہ باقی رہ جاتا ہے۔

(بحوالہ رسالہ قشیریہ)

یہیں پر کہا جاتا ہے کہ:

"بندے کا ہاتھ خدا کا ہاتھ بن جاتا ہے حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو یوں بیان کیا ہے:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا و کار ساز

جبکہ ان کے مرشد رُومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رنگ میں یوں فرمایا:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

توحید کی سادہ اور عام تعریف

توحید اللہ کو ایک ماننا، ایک جاننا، اس کے سوا کسی کو خدا نہ ماننا۔ کسی کو اس کا شریک، ہمسر، ثانی مثیل یا مقابل نہ قرار دینا۔ خدا کے سوا کسی دوسرے سے امید نہ رکھنا اس توحید کامل کی وجہ سے غیر اللہ کا تصور دل سے اس طرح محو ہو جاتا ہے جس طرح طلوع آفتاب پر ستارے غائب ہو جاتے ہیں۔

توحید کی صوفیانہ تعریف

پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم اپنی کتاب ''تاریخ تصوف'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''صوفیاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ واحد (ایک) ہے، صمد ہے قدیم ہے، عالم ہے، قادر ہے، حی ہے، سمیع وبصیر ہے، عزیز وحکیم ہے، جلیل وکبیر ہے، روف ورحیم ہے، رحمٰن اور کریم ہے، خالق ہے رازق ہے۔''

ان تمام صفتوں سے موصوف ہے جن سے اس نے خود کو متصف کیا ہے۔ وہ ازل سے ہے اس کا کوئی مشابہ یا مثل نہیں۔ وہ وراء الوراء ہے، انسان اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اس بات کو شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں ادا کیا ہے:

اے برتر از گمان و قیاس و یقین و وهم
وزهر چه گفته ایم و شنیدیم و خوانده ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ماهم چناں در اوّل و صف تو مانده ایم

توحید اور رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

اس عنوان پر لکھتے ہوئے مجھے مولانا محمد علی جوہر کا شعر بہت یاد آرہا ہے، رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بالکل اس شعر کی مصداق محسوس ہوتی ہیں۔

شعر یہ ہے:

توحید تو یہ ہے خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے جب زُہد اختیار کیا تو ساری دنیاوی محبتوں اور علائق سے منہ موڑ کر خالصتاً اللہ کی طرف رُخ کرلیا تھا اور نہ صرف اپنی ذات کی نفی کی بلکہ اپنی مرضی بھی ترک کر کے اس کو اللہ کی مرضی میں شامل کر دیا تھا۔ وہ خدا سے بے لوث محبت کے اس مقام تک پہنچ گئیں جہاں شاید تصوف کی دنیا کے چند لوگ ہی جاسکے ہوں گے، آپ نے اپنے قول و فعل سے ثابت کر دیا کہ وہ اللہ کی عبادت کسی ڈر یا خوف اور کسی لالچ سے نہیں کرتیں بلکہ ان کے باطن میں عشق الٰہی کے چراغ جل رہے تھے، اب ان کی زندگی کا مطلوب و مقصود صرف خدا کی ہی ذات تھی، چونکہ آپ کا دل دنیاوی علائق سے پاک اور ہر قسم کی کدورتوں سے صاف ہوگیا تھا اس لئے وہ تمام مقامات کو پھلانگتی ہوئیں عالم ملکوت میں جا پہنچی تھیں جہاں وہ معرفت حقیقی کی بے کنار دنیا اور ابدیت کی حدود میں داخل ہوگئی تھیں، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے کس طرح دل کی گہرائیوں سے پکار کے رب کائنات کو کہا تھا کہ:

"اے اللہ اگر میں تیری عبادت جہنم کی آگ کے ڈر سے کروں تو مجھے جہنم میں جھونک دے اور اگر میں جنت کی لالچ میں تیری عبادت کروں تو مجھے جنت سے محروم کر دے، اگر میں تیری عبادت صرف

تیرے لئے کروں تو مجھے اپنی ذات سے محروم نہ رکھنا۔"

کسی شاعر نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے جذبات کو کیا خوب زبان دی ہے:

سجدوں کے عوض فردوس ملے یہ بات مجھے منظور نہیں
بے لوث محبت کرتا ہوں بندہ ہوں تیرا مزدور نہیں

کیا کسی اور صوفی میں بھی اس طرح کی دُعا مانگنے کا حوصلہ یا جرأت تھی۔ یہی نہیں بلکہ ایک بار آپ نے خدا سے یوں دُعا مانگی:

"اے مولا! جو بھلائیاں تو نے اس دنیا میں میرے مقدر میں لکھ رکھی ہے وہ اپنے دشمنوں کو دیدے اور جو راحتیں میرے حصے کی آخرت میں ہیں وہ اپنے دوستوں کو دیدے کیونکہ مجھے تیرے علاوہ اور کسی چیز کی خواہش نہیں، میں تو صرف تیرے دیدار کی طالب ہوں۔"

ان باتوں سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کس درجہ اللہ کی بے لوث محبت میں ڈوبی ہوئی اور دریائے توحید میں غرق تھیں۔

توکل

سب سے توڑ...... ربّ سے جوڑ

توکل اغیار کو چھوڑ کر صرف خدا تعالیٰ کی ذات پر بھروسے کا نام ہے اور یہ یقین کے ان اعلیٰ مقامات میں سے ایک ہے جو مقربین بارگاہ الٰہی کے لئے مخصوص ہے اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ.

ترجمہ: "بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

(سورۃ آل عمران 3، آیت 159)

پھر ان متوکلین کو اللہ کی طرف سے یہ خوشخبری بھی سنائی گئی۔

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ط

ترجمہ: "جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اس کی ضروریات کے لئے کافی ہو گا۔"

(سورۃ الطلاق 65، آیت 3)

خود سے دستبرداری

توکل وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر صوفی ظاہری اسباب وعلائق سے بے نیاز ہو جاتا

ہے اور وہ اپنے آپ کو اللہ کی مرضی پر چھوڑ دیتا ہے، رزق کی تلاش اور فکر اس کے دل سے یک لخت نکل جاتی ہے اور وہ کشتی حیات کو تقدیر کے حوالے کر دیتا ہے، توکل کا یہ تصور صرف رزق تک ہی محدود نہیں بلکہ ہر اس عمل میں اپنے ارادے سے دست بردار ہوتا ہے جس میں انسانی کوششوں کا کسی نہ کسی حد تک تعلق ہوتا ہے، اس لحاظ سے توکل سعی و تدبیر سے سبکدوشی کا نام ہے۔

توکل کی تعریف

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ ترک تدبیر اور اپنے اختیار و قوت سے باہر نکل جانے کا نام توکل ہے۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

(التوكل عمل القلب و التوحيد قول القلب)

جبکہ عبداللہ بن سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ توکل ترک تدبیر کا نام ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''توکل اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ بندہ رزق اور دوسری ضروریات کے متعلق خدا کے ضامن اور کفیل ہونے کا خیال رکھے۔''

(بحوالہ مطالعہ تصوف از ڈاکٹر غلام قادر لون)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مسجد میں نماز پڑھی، نماز کے بعد امام صاحب نے پوچھا کہ حضرت! آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ سوال سنتے ہی بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ٹھہر جاؤ میں نماز دوبارہ پڑھوں گا کیونکہ اس شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں جس کو رزاق کا ہی پتہ نہ ہو۔

اللہ پر بھروسہ اور انحصار

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ اپنی کتاب ''رابعہ دی مسٹک'' میں لکھتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسے اور انحصار کا نام توکل ہے اور یہ زُہد اور تقویٰ، ترکِ دنیا اور اپنی مرضی سے انکار کا لازمی نتیجہ ہے۔ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں لکھتے ہیں کہ متوکلین خدا کے چنے ہوئے ہوتے ہیں جو خدا پر مکمل انحصار کرتے ہیں اور پھر اسی پر قانع ہو جاتے ہیں اس طرح وہ اس دنیا اور اگلی دنیا کی تکالیف سے بچ جاتے ہیں متوکل جانتا ہے کہ اللہ جو کچھ اسے فراہم کرتا ہے وہ اس سے ہزار ہا درجہ بہتر ہوتا ہے جسے بندہ پسند کرتا ہے اور خدا اس کی ضروریات خود اس سے بہتر سمجھتا اور جانتا ہے اس لئے وہ سوچنا بھی ترک کر دیتا ہے کہ کیا ہے اور کیا ہوگا چونکہ وہ نتائج کو مکمل طور پر اللہ کے حوالے کر دیتا ہے اور ہر حال میں اللہ پر قانع اور شکر گزار رہتا ہے۔ ابو نصر سراج رحمۃ اللہ علیہ نے شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اللہ کے چنے ہوئے لوگوں کے توکل کے بارے میں بتایا کہ وہ اسی طرح اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں جیسے پرندے۔ اسی طرح ابو نعیم الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''حلیۃ الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ توکل کیا ہے؟۔ آپ نے جواب دیا کہ توکل کا مطلب دنیاوی آقاؤں اور محرکات سے آزادی اور خدا پر مکمل انحصار کا نام ہے۔

رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا متوکلین کی سردار

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا متوکلین کے گروہ کی سردار تھیں۔ شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں بیان کرتے ہیں کہ:

کسی نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا:

''تم کہاں سے آئی ہو؟''

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے جواب دیا۔

''اُس دنیا سے۔''

پھر انہوں نے پوچھا

''کہاں جا رہی ہو؟''

آپ نے جواب دیا۔

''اُسی دنیا میں۔''

پھر پوچھا گیا کہ

''تم اس دنیا میں کیا کر رہی ہو؟''

آپ نے جواب دیا۔

''میں افسوس کر رہی ہوں!''

''کس بات پر؟'' انہوں نے پوچھا۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے جواب دیا

''میں اِس دنیا کی روٹی کھا رہی ہوں اور اُس دنیا کا کام کر رہی ہوں۔''

مسافر خانہ کی محافظ

پھر کسی نے آپ سے کہا:

''آپ کی گفتگو بہت دلنشین ہے آپ کے پاس تو کوئی مسافر خانہ ہونا چاہیے۔''

آپ نے جواب دیا:

''میرے پاس پہلے سے ہی ایک مسافر خانہ ہے جو کچھ اس میں ہے

میں اسے باہر آنے کی اجازت نہیں دیتی اور جو کچھ اس کے باہر ہے
اس کو میں اندر جانے کی اجازت نہیں دیتی اگر کوئی چیز اندر باہر آتی
جاتی ہے تو میں اس کی ذمہ دار نہیں کیونکہ میں دل کی نگہبان ہوں جسدِ
خاکی کی نہیں۔''

شیخ عطار رحمتہ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

''حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا تعلق صرف خدا کے ساتھ تھا
اور آپ دوسرے خیالات اور مفادات بھول چکی تھیں انہوں نے
دنیاوی علائق سے منہ موڑ لیا تھا۔''

آٹے کا خمیر

اس ضمن میں ایک چھوٹی سی کہانی بیان کی جاتی ہے یہ کہانی سوائے حضرت ابو طالب مکی رحمتہ اللہ علیہ کے کسی اور سوانح نگار نے بیان نہیں کی، ابو طالب مکی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے ایک بار فرمایا:

''میں ایک رات فجر کی نماز تک اللہ کی عبادت کرتی رہی پھر سو گئی۔
میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سبز چمکدار درخت ہے جس کا
خوبصورت قد وقامت اور حسن بے مثال تھا، اور دیکھو! کہ اس میں
تین قسم کے پھل لگے ہوئے تھے جو دنیاوی پھلوں جیسے نہیں تھے یہ
گول تھے اور ان کے رنگ سفید، سرخ اور پیلے تھے، یہ روشن کرّوں
اور سورج کی طرح چمک رہے تھے، میں نے سبز درخت کے حسن کی
تعریف کی اور کہا یہ کس کا ہے؟ ایک نے بتایا کہ یہ آپ کا ہے آپ کی
نمازوں کے صلے میں ہے، میں نے اس درخت کے گرد گھومنا شروع

کر دیا اور لو دیکھو زمین پر ایسے اٹھارہ پھل گرے ہوئے تھے جو سنہری رنگ کے تھے اور میں نے پوچھا اگر یہ پھل بھی درخت پر دوسرے پھلوں کے ساتھ ہوتے تو کتنا اچھا تھا اس پر اس معزز شخصیت نے کہا یہ وہیں لگے ہوئے تھے لیکن جب تم نے نماز پڑھی تو تم سوچ رہی تھیں کہ گندھا ہوا آٹا خمیرا ہو گیا ہے کہ نہیں، اسی وقت یہ پھل زمین پر گر پڑے، یہ صاحبان علم و بصیرت کے لئے ایک تنبیہ ہے جو نیک اور پرہیزگار ہیں، اس کا مطلب ہے کہ عام گھریلو اور زندگی کے لئے ضروری چیزوں کا احساس بھی اللہ سے دوری کا سبب بن سکتا ہے لہٰذا وہ محتاط رہیں۔"

دُنیا سے آزادی

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ابو جعفر بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ ان کا ہاتھ پکڑا اور کہا میرے ساتھ اس استاد کے پاس چلو کیونکہ مجھے اس کے علاوہ نہ کسی سے تشفی ہوتی ہے نہ فرصت کا احساس۔ جب سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اندر آئے تو انہوں نے دُعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہا اے اللہ! میں تجھ سے اس دنیا اور اس کی چیزوں سے آزادی طلب کرتا ہوں۔ اس پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا رو پڑیں، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا آپ کیوں روئیں تو وہ بولیں سفیان! تم میرے رونے کا سبب ہو۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا وہ کیسے؟

انہوں نے کہا تمہیں نہیں معلوم کہ اس دنیا سے آزادی صرف اس کے ترک کرنے سے ہی مل سکتی ہے جبکہ تم اس میں آلودہ ہو۔

ربّ کی قربت

نفحات الانس میں مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے پوچھا رب کی قربت چاہنے کے لئے بہترین چیز کون سی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بندے کے پاس اِس دنیا اور اُس دنیا میں کچھ نہ ہونا چاہیے۔ تب ہی وہ خدا کو پا سکتا ہے۔

فانی دُنیا

ایک بار اسی لہجے میں کہا کہ اگر ایک آدمی کے پاس ساری دنیا ہو تو وہ پھر بھی دولت مند نہ ہوگا، پوچھا وہ کیوں؟ آپ نے جواب دیا کہ دنیا غارت ہونے والی اور گزر جانے والی فانی چیز ہے لہٰذا ایسی چیز کے ساتھ کوئی کیسے دولت مند ہو سکتا ہے۔

کرامات

الجاہز رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب البیان میں لکھتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ایک ولیہ کی شہرت رکھنے کے باوجود اس بات سے خوفزدہ تھیں کہ کہیں ایسا نہ ہو انہیں اپنے رب کی خدمت کے علاوہ کسی اور کام میں اطمینان محسوس ہونے لگے، الجائز رحمۃ اللہ علیہ مزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت رابعہ القیسیہ سے پوچھا گیا کیا آپ کوئی کرامت کر سکتی ہیں تا کہ معلوم ہو سکے کہ واقعی آپ ولیہ ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر ایسی چیز ہو بھی تو مجھے خوف ہے کہ وہ میرے فائدے کی نہ ہوگی۔ بقول علامہ اقبال بندۂ آزاد خود ایک زندہ کرامت ہوتی ہے۔ اس لئے ضروری نہیں کہ وہ کرامات کرتا بھی پھرے۔

محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا
ہے بندہ آزاد خود اک زندہ کرامات

اپنے کام چھپاؤ

ایک بار چند مخلص مسلمان آپ کے پاس آئے اور نصیحت طلب کی تو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے کہا کہ اپنے اچھے کام بھی اسی طرح چھپاؤ جس طرح آپ اپنے برے کام دنیا سے چھپاتے ہو۔ آپ خود بھی دنیا سے کسی بھی ستائش یا صلے کی تمنائی یا تعریف کی طلب گار نہ تھیں۔

اللہ سے دُوری کا سبب

ابتدائی صوفیاء کی خواہش تھی کہ دنیا کی ہر چیز سے آزاد ہو جائیں تاکہ روحانی دنیا میں بھی ان کو آزادی میسر ہو۔ اس بات کی توضیح وتشریح شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ واقعہ سے ہوتی ہے کہ ایک ان حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے ایک آدمی کو چاندی کے تین درہم دیئے اور کہا کہ میرے لئے لباس خرید لاؤ۔ لباس کی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو اشد ضرورت بھی تھی، وہ باہر جاتے جاتے رُکا اور کہا یہ بتائیے کہ لباس کون سے رنگ کا لاؤں؟ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے کہا چونکہ رنگوں کا معاملہ دنیاوی حواس سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا تم رقم واپس کر دو مجھے لباس کی ضرورت نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ لباس جیسی چیز کو بھی خدا سے دُوری یا جدائی کا سبب نہیں بننا چاہیے۔

دُنیاداروں کو سرزنش

ایک بار حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اپنے چند ملاقاتیوں کو دنیاداری کی وجہ سے سخت سرزنش کی۔ واقعہ یوں ہوا کہ آپ کی بیماری کے دوران بصرہ کے چند مشہور آدمی آپ کی عیادت کو آئے اور آپ کے سرہانے کی طرف بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے دنیا

اور اس کی چیزوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ آپ کو خوش کرنے کی خواہش میں ایسا کر رہے تھے لیکن رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اپنی خداداد صلاحیت سے ان کے عدم اخلاص اور ریا کاری کو جان لیا اور کہا تم اس دنیا کے بہت رسیا ہو، اگر تم اس کے شیدائی نہ ہوتے تو تم اس کی بابت اتنی بات نہ کرتے اگر تم دنیا سے علیحدہ ہوتے تو اس کا ذکر بھی نہ کرتے کہ یہ اچھی ہے یا بری۔

یاد رکھو! جو جس چیز سے محبت کرتا ہے وہ اس کے متعلق باتیں بھی زیادہ کرتا ہے۔

دُنیاوی ساز و سامان سے اعراض

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن ایک امیر سوداگر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے ملنے آیا، جب اس نے دیکھا کہ بی بی صاحبہ کا گھر کھنڈر بنا ہوا ہے تو اس نے آپ کو ہدیۃً ایک ہزار اشرفیاں اور ایک مکان دیا، جب حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا مکان میں داخل ہوئیں اور انہوں نے مکان میں لگی ہوئی تصاویر دیکھنا شروع کر دیں اور ایسی مشغول ہوئیں کہ آپ کو وقت کا بھی احساس نہ رہا جب آپ اس کیفیت سے باہر آئیں تو فوراً سوداگر کے پاس گئیں ہزار اشرفیاں اور مکان اسے واپس کر دیا اور اس سے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ میرا دل کہیں اس مکان میں محو نہ ہو جائے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی مجھ پر زیادہ دیر تک فتح پالے میری تو بس ایک ہی خواہش ہے کہ میں مسلسل اپنے رب کی حضوری میں ہی رہوں، لہٰذا میں یہ مکان اور اشرفیاں واپس کر رہی ہوں۔

ازلی وابدی سے رابطہ

غالباً اسی مکان کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ مکان کیوں چھوڑا جس پر آپ نے جواب دیا کہ مکان کا تعلق اس دنیا سے ہے جو فانی ہے لہٰذا میں نے

اسے چھوڑ دیا اور اس سے جو ازلی اور ابدی ہے سے رابطہ استوار کرلیا ہے جو ہمیشہ قائم رہے گا۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی سوانح حیات میں درج واقعات نہایت وضاحت سے بتاتے ہیں کہ حضرت صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا نے ایک سچے درویش کی زندگی بسر کی، انہوں نے اللہ کی محبت میں فقر کو گلے لگایا۔ خود جھونپڑی میں رہنا پسند کیا آپ کے پاس سامان زیست کی بھی کمی تھی لیکن آپ نے تمام چیزوں سے منہ موڑ کر اپنے عمل سے صوفی نصب العین کو اور سچے زاہد کے رتبے کو حاصل کرلیا تھا۔ آپ اپنے اشعار میں فرماتی ہیں کہ:

"میں نے اس دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے فرار حاصل کرلیا ہے
میری امید خدا کے ساتھ قرب اور اتصال کی ہے اور یہی میری
خواہش کی آخری منزل اور نصب العین ہے۔"

آپ خدا کے چنے ہوئے لوگوں میں سے تھیں آپ نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں ضم کردیا تھا اور اپنی تمام ضرورتوں کو خدا کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا تھا حتیٰ کہ آپ کا کہنا ہے کہ میں نے تیس سال تک اپنے ربّ سے بھی کچھ نہ مانگا۔ اس کے باوجود خدا نے مجھے کبھی نا کام نہیں کیا۔ آپ نے چونکہ تمام دنیاوی علائق کو پیچھے پھینک دیا تھا لہٰذا آپ نے صوفیانہ تلاش کے آخری مقام جہاں خدا کے ساتھ قرب اور جمال دوست کو بے نقاب دیکھنا اور محبت کا محبوب سے ہمیشہ متحد رہنے کی منزل کو پالیا تھا۔

رضا کی تعریف

امام ابو القاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الرسالہ میں ایک صوفی کا قول درج کیا ہے کہ:

"اگر میرا دل خدا سے مطمئن ہو یعنی اس کی رضا پر رضا مند ہو تو مجھے

معلوم ہو جائے گا کہ وہ مجھ سے مطمئن ہے۔"

رویم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رضا کے تصور کی یوں تشریح کی کہ رضا یہ ہے کہ:

"اگر خدا دوزخ کو اپنے دائیں طرف کر لے تو بندے کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ وہ اسے بائیں کر دے۔"

ابن خفیف رحمۃ اللہ علیہ اطمینان کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ:

"خدا کے فیصلے پر دل کی رضامندی اور جو کچھ بھی خدا کا ارادہ ہو یا وہ کرے اس پر دل کا اتفاق ہو، اطمینان و رضا اللہ کے فیصلوں کو خوشی سے قبول کرنے کا نام ہے۔"

بقول شاعر:

سب کام اپنے کر لے تقدیر کے حوالے
نزدیک عارفوں کے تدبیر ہے تو یہ ہے

ابو القاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اطمینان کی ایک اور مثال پیش کرتے ہوئے بیان کیا کہ عتبہ الغلام ساری رات صبح طلوع آفتاب تک یہی کہتے رہے اگر تُو مجھے سزا دے تو میں اس پر بھی تجھ سے محبت کروں اور اگر تو مجھ پر رحم کرے تو بھی میں تجھ سے محبت کروں گا۔

(رسالہ قشیریہ)

چار جماعتیں

حضرت ابو الحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں مطمئن لوگوں کی چار جماعتوں کا ذکر کیا ہے:

اوّل: جو خدا کے تحفے درویشی پر خوش ہیں۔

دوم: وہ جو اس دنیا کی خوشیوں پر مطمئن ہیں۔

سوم: وہ جوان تکالیف ومصائب پر مطمئن ہیں جو طرح طرح کی آزمائشوں پر مشتمل ہیں۔

چہارم: وہ جو چنے جانے پر مطمئن ہیں۔

مؤخر الذکر دو جماعتوں کے بارے میں حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"وہ جو خدا کی بھیجی گئی مصیبتوں پر مطمئن ہیں وہ دراصل تکالیف کو نہیں دیکھتے بلکہ لکھنے والے کو دیکھتے ہیں اس لئے وہ نہ صرف صبر و استقامت سے ان کو برداشت کرتے ہیں بلکہ ان پر خوش بھی ہوتے ہیں آخر کار وہ جو خدا کی طرف سے چنے جانے پر مطمئن ہوں وہ اس کے محب ہوتے ہیں۔"

شوق

محبت وعشق میں ایک اور عنصر بھی ہے جو شوق ہے اس کی روح میں خدا کے لئے جذبہ سرشاری اور تڑپ ہوتی ہے ایک درویش نے ایک دفعہ شیخ ابوسعید بن ابی الخیر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا یہ ہمارے سینوں کے اندر شور و غوغا کیا ہے؟ شیخ نے جواب دیا یہ آہ وزاری کی آگ ہے مزید کہا کہ خدا نے دو آگیں بنائی ہیں ایک زندگی کے لئے اور ایک موت کے لئے ،اس دنیا میں زندہ آگ یہی آہ وزاری کی آگ ہے جو خدا نے اپنے بندوں میں پیدا کی تا کہ ان کے دلوں سے شہوانی نفس کو ختم کیا جا سکے جب نفس کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے تو یہی آگ شوق کی آگ بن جاتی ہے اور شوق کی یہ آگ اس دنیا اور اس دنیا میں بھی کبھی نہیں مرتی۔ یہ وہ آگ ہے جس کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''جب خدا بندے کے بارے میں اچھائی چاہتا ہے تو وہ اس کے دل میں ایک شمع روشن کر دیتا ہے۔''

انہوں نے پوچھا:

''اس روشنی کی علامت کیا ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''غرور کے گھر سے علیحدگی اور ہمیشگی والے گھر کی طرف رُخ اور موت سے پہلے موت کی تیاری۔''

ظرف کے مطابق

سوال کرنے والے نے شیخ سے پوچھا جب خدا یہ تصور دیتا ہے تو کیا شوق کی یہ آگ سرد ہو جاتی ہے؟۔ شیخ نے جواب دیا نہیں بلکہ مزید پیاس بڑھ جاتی ہے اور اس شوق کی آگ سے آسودگی یا دل نہیں بھرتا۔ بلکہ ہر دیکھنے والا اپنے اپنے ایمان کی مقدار کے مطابق دیکھتا ہے، یہ ان کے ایمان کی روشنی تھی جو نظر کے ذریعے دل میں آئی، اس طرح یہ ایمانی روشنی خدائے لم یزل کے حسن کو اپنے ایمان کی آنکھ سے اپنے ظرف کے مطابق دیکھتی ہے۔

شوق کا بلند درجہ

ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اللمع میں شوق کی اس آگ کے بارے میں بات کی ہے اور کہا کہ خدا یہ آگ اپنے ولیوں کے دلوں میں روشن کرتا ہے تا کہ ان کے دلوں سے ہر قسم کی نفسانی خواہشات، آرزوئیں، ضرورتیں اور رکاوٹیں دُور ہو جائیں۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ شوق کا سب سے بلند درجہ وہ حاصل کرتا ہے جو خدا کا مشاہدہ اپنے پاس ہی کرتا ہے اور وہ خدا کو ہر وقت حاضر و موجود ہی سمجھتا ہے غیر حاضر غیر موجود نہیں سمجھتا۔ اس طرح وہ اس کی عبادت میں خوشی و مسرت محسوس کرتا ہے اور خود سے کہتا ہے کہ شوق تو صرف غیر حاضر کے لئے ہے لیکن جو ہر وقت موجود ہو اس کے لئے شوق کی کیا ضرورت؟ لہٰذا وہ شوق کے شعور کے بغیر اپنی خواہش سے اس کی عبادت کرتا ہے اور یہی سچا مشتاق ہے۔

اُنس

اُنس بھی محبت اور عشق کے ساتھ جڑا ہوا ہے جس میں عبادت گزار احترام محسوس

کرتا ہے تو عشق کرنے والا انس محسوس کرتا ہے۔ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ محبوب سے انس میں دل کی خوشی بتاتے ہیں اور اسے شوق کی طرح انس کا بلند درجہ سمجھتے ہیں، جب انس بھی غیر شعوری ہو جائے تو اس احساس کے ساتھ خدا کی موجودگی اور قربت انس میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

جلال و جمال

حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ عام عبادت گزار جو اللہ سے ڈرتا ہے اور صوفی جو اللہ سے محبت کرتا ہے کے درمیانی فرق کو ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"جب خدا بندے کے دل پر اپنا جلال ظاہر کرتا ہے تو اس کی شان غالب ہوتی ہے اور وہ رُعب و دبدبہ محسوس کرتا ہے لیکن جب خدا کا جمال آشکار ہوتا ہے تو بندہ انس اور قربت محسوس کرتا ہے لہٰذا جو رُعب محسوس کرتا ہے اس کو دکھ اور تکلیف ہوتی ہے جبکہ وہ جو قربت اور انس محسوس کرتا ہے وہ مسرت و شادمانی پاتا ہے۔"

بقول علامہ اقبال:

جمال عشق و مستی نے نوازی
جلال عشق و مستی بے نیازی

خدا کا بندہ اس کی عنایت دیکھ کر اس سے محبت کیے بغیر نہیں رہ سکتا، اور جب اسے محبت ہو جاتی ہے تو وہ قریبی آشنا بن جاتا ہے کیونکہ رُعب و دبدبے میں محبوب سے کھچاؤ اور کشیدگی پیدا ہوتی ہے جبکہ انس سے قربت اور یکتائی پیدا ہوتی ہے۔ رُعب اور دبدبہ کی طاقت کمزور رُوحوں اور ان کی خواہشات پر زور ڈالتی ہیں اور انسانی فطرت کو ختم کرنے کی

کوشش کرتی ہے جبکہ انس کی طاقت دل پر زور ڈالتی ہے تاکہ اس میں جلد معرفت کی روشنی پیدا ہو جائے۔

شوق اور اُنس

ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ شوق اور اُنس کا موازنہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''شوق اس سرشاری کا نام ہے جو چھپی ہوئی حقیقت کو دیکھنا چاہتی ہے، یہ حالت غم کا سبب بنتی ہے جبکہ انس قرب کی حالت ہے جس میں خدا کی بے نقاب موجودگی محسوس کی جا سکتی ہے اور یہ مقامِ مسرت ہے۔''

معرفت

عقل وخرد

صوفیاء کا عقیدہ ہے کہ خدا کی معرفت بذریعہ عقل حاصل نہیں کی جاسکتی۔ عقل تو محسوسات کی دنیا میں ہی چل سکتی ہے اور خدا وراء المحسوسات ہے، خدا صرف غیر مادی ہی نہیں بلکہ وہ منطق کی گرفت سے بھی باہر ہے۔ جگر مراد آبادی عقل کی کم مائیگی پر یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

آنا ہے جو بزمِ رنداں میں تو عقل وخرد کو چھوڑ کے آ
اے عقل وخرد کے دیوانے، یہاں عقل وخرد کا کام نہیں

علمِ باری تعالیٰ

صوفیاء کرام اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کو اپنی اصطلاح میں معرفت کہتے ہیں یہ اس بات پر موقوف ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرلے تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر اپنا فضل وکرم کرے گا یعنی اسے وہ باطنی قوت عطا فرمائے گا جس کی بدولت اسے مشاہدۂ ذات ہوسکے گا۔ مختصراً یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت استدلال سے نہیں بلکہ کشف ووجدان سے حاصل ہوسکتی ہے۔ عقلی دلائل کی رُو سے واجب الوجود کا اثبات نہیں ہوسکتا۔ اس کے اثبات کا واحد طریقہ باطنی مشاہدہ یا مذہبی تجربہ ہے، خداشناسی کا ذریعہ خرد نہیں عشق ہے۔ لہٰذا اللہ کی معرفت کے لئے عقل وخرد کے پاس کچھ بھی نہیں اور اسے کسی خاص نظر کی ضرورت ہے۔ علامہ

اقبال رحمۃ اللہ علیہ صوفیاء کے اس خیال کے حامی ہیں وہ بال جبریل میں فرماتے ہیں:

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ بھی نہیں

ترا علاج نظر کے سوا کچھ بھی نہیں

صوفی کا مقصدِ حیات

معرفت کا حصول ہی صوفیاء کا مقصد حیات ہے اور جو شخص معرفت کا علم حاصل کرلے اس کو عارف کہا جاتا ہے یعنی اس نے خدا کو پہچان لیا ہے۔ جس طرح وہ اپنے آپ کو پہچانتا ہے۔ معرفت کا علم حاصل کئے بغیر کوئی سالک اللہ سے محبت نہیں کرسکتا کیونکہ محبت کے لئے اوّلین شرط معرفت ہے اسی لئے معرفت کا مقام علم سے بدر جہا بلند ہے۔ امام ابو القاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ کے بقول جب سالک کو اللہ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ نفس امارہ کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے اور یکسوئی کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرسکتا ہے۔

(رسالہ قشریہ)

مدارج کا فرق

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ علم اور معرفت میں کوئی فرق نہیں لیکن وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ عوام اور خواص کے علم باری تعالیٰ میں مدارج کا فرق ضرور ہے۔ خدا کے متعلق عوام کا علم ادنیٰ درجے کا ہے جبکہ خواص کا علم اعلیٰ درجے کا ہے۔ علماء یہ کہتے ہیں کہ عقل کے ذریعے سے خدا کا علم حاصل ہوسکتا ہے اور صوفیا کہتے ہیں کہ یہ علم کا ناقص ہوتا ہے، صحیح علم یعنی معرفت عقل کے ذریعے نہیں بلکہ قلب ونظر سے حاصل ہوتا ہے۔

اس بات کو حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب بانگ درا میں یوں بیان فرمایا ہے کہ

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشہ کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی
ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی

یہی بات حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہی کہ ہمارے علم باری کا ابتدائی درجہ یہ ہے کہ ہم اس کی احدیت کا اقرار کریں اور انتہائی درجہ یہ ہے کہ ہم میں زُہد و ورع اور پاکی قلب و نظر پیدا ہو جائے اور ہم ہر شے میں خدا کا جلوہ دیکھیں۔

علمِ معرفت کا اقسام

خدا کے متعلق بندوں کے علم کی دو قسمیں ہیں پہلا علم استدلال کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور دوسرا وجدان کے ذریعے۔ لیکن جب وہ توحید کی منزل تک پہنچتا ہے تو اس کی شخصیت پر فنا طاری ہو جاتا ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں عقل وخرد کا گزر بھی نہیں ہو سکتا۔ عقل اس حالت کا ادراک نہیں کر سکتی۔ اس مقام کے بارے میں محرمِ راز حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ بالِ جبریل میں یوں فرماتے ہیں:

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

واضح رہے کہ غریق بحر رحمت ہو کر بندے کی قلب ماہیت ہو جاتی ہے، اس کی انفرادیت ختم ہو جاتی ہے لیکن اس مقام پر پہنچ کر اسے حقیقی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔

معرفت میں کیفیت

علم خدا کا دروازہ ہے تو معرفت اس کی دربان ہے، علم وہ ستون ہے جو معرفت

کے سہارے کھڑا ہے اور معرفت وہ ستون ہے جو مشاہدے کی بدولت قائم ہے، خدا جب کسی کو اپنی معرفت عطا کرتا ہے کہ اسے اس میں فنا کر دیتا ہے پھر اس کو کسی شے کی حاجت نہیں رہتی۔ اس کی قوت گویائی چھن جاتی ہے وہ قیل وقال سے ماوراء ہو جاتا ہے تمام صوفیا کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ کی طرف صرف اللہ ہی رہنمائی کر سکتا ہے۔

اللہ کی طرف رہنمائی

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا اللہ تعالیٰ کی طرف کون رہنمائی کر سکتا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ صرف اللہ ہی اپنے تک پہنچنے کی راہ دکھا سکتا ہے اس نے پھر پوچھا اور عقل کا وظیفہ کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ عقل تو عاجز ہے۔

عقل وفکر کے اس عجز پر حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نصیحت کرتے ہیں کہ:

به درد عشق بسازد خموش شو حافظ

رموز عشق مکن فاش پیش اهل عقول

ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عقل عبودیت تک پہنچنے کا آلہ نہ کہ ربوبیت پر اطلاع پانے کا۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ باتیں ہیں جو انسان اس کے بارے میں سوچتا ہے یا ذاتی رجحان کے مطابق اس کا مشاہدہ کرتا ہے خود اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ .

ترجمہ: "یعنی لوگوں نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسا کہ جاننے کا حق تھا۔"

(سورۃ الانعام 6، آیت 91)

باب ۷

عشق اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

بے لوث محبت کی رِیت

سید علی عباس جلالپوری اپنی کتاب ''وحدت الوجود تے پنجابی شاعری'' میں لکھتے ہیں کہ:

''اسلامی تصوف میں عشق حقیقی اور خدا سے بے لوث محبت کی رِیت حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے شروع ہوئی۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے جس طرح مسلسل اور پُر جوش طریقے سے عشق حقیقی کا اظہار کیا ہے تو ہم بلاخوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کا اصل مذہب ہی عشق الٰہی تھا۔''

عشق مجازی و عشق حقیقی

سیر و سلوک کا اہم ترین مرحلہ عشق ہے، ارباب ذوق ہمیشہ سے محسوس حسن کی طرف مائل رہے ہیں کیونکہ یہ جمال محسوس جمالِ حقیقی یا حسنِ ازل کا ہی پَرتو ہے اسی لئے صوفیا کرام اس عشق کو عشقِ حقیقی تک پہنچنے کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے وہ کہا کرتے تھے۔

المجاز قنطرة الحقيقة.

''یعنی مجاز حقیقت کا پل ہے۔''

لیکن خود صوفیاء کے نزدیک یہ عشق کا ناقص مرحلہ ہے، عشقِ کامل یہ ہے کہ سالک مادی حسن سے بلند تر ہو کر خالقِ مادہ واجسام کے جمال پر اپنی نگاہ مرتکز کرے، یہاں سالک کو محسوس ہوتا ہے کہ اس کا مطلوب و مقصود مادی حسن و جمال نہیں بلکہ وہ حسنِ ازلی ہے جو خالقِ جمال ہے۔ صوفی کا حقیقی وطن وحدت ہے ایک صوفی کے بقول ظاہری آنکھوں کو بند کر کے اور دل کی آنکھوں کو کھول کر ہم اس حسنِ ازلی کا نظارہ کر سکتے ہیں جیسے حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا کہ:

''وہ کہیں دُور نہیں بلکہ ہمارے اندر ہے لیکن ہمیں پہلے خودی (نفسانی خواہشات) کو تسخیر کرنا ہوگا۔ پہلے خود کو پہچاننا ہوگا پھر ہم اس کو سامنے دیکھ سکیں گے۔

اگر خواهی خدا را فاش بینی
خودی را فاش تر دیدن بی آموز

تصوف کی بنیاد

تصوف کی بنیاد ہی عشق الٰہی پر رکھی گئی ہے جس طرح جہلم شہر کا تصور دریائے جہلم کے بغیر نہیں کیا جا سکتا اسی طرح اقلیم تصوف کا تصور بھی عشق کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ عشق الٰہی کی بنیاد کیا ہے؟ عشق الٰہی کی بنیاد ''الست بربکم'' کا میثاق ہے جو خدا اور انسانی رُوحوں کے درمیان آفرینش کائنات سے پہلے ہوا تھا۔ لیکن انسان دنیا میں آ کر اس پیمان اور اپنے مرکز و محور کو بھول جاتا ہے اور دنیاوی حسن میں ملوث ہو کر بھٹکتا پھرتا ہے لیکن صوفیائے کرام کو حقیقت کا علم ہوتا ہے لہٰذا وہ اس ذاتِ ازلی کے عشق کا دم بھرتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بغیر سب ہیچ پوچ ہے۔

حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے عہدِ الست کے بارے میں یوں خیال آفرینی کی ہے۔

از دم صبح ازل تا آخر شام ابد
دوستی و مہر بریک عہد و یک میثاق بود

یعنی روزِ ازل رُوحوں نے ربّ کائنات کے رُوبرو "قابو بلی" کہہ کر جواقرار کیا تھا وہ پیمان ازلی وابدی ہے۔

لہٰذا بس یہی بنیاد ہی درست ہے اس کے علاوہ ہم جس چیز پر بنیاد رکھیں گے وہ درست نہ ہوگی۔ دیکھئے حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں:

خلل پذیر بود ہر بنا کہ می بینی
مگر بنائے محبت کہ خالی از خلل است

یعنی صرف عشق حقیقی ہی خلل اور فنا سے پاک ہے باقی ہر شے برباد ہو جانے والی ہے۔

تصوف کا تار بھی عشق ہے پود بھی عشق ہے یعنی تانا بانا عشق ہے یہ بنیاد بھی قرآن نے فراہم کی ہے جس کا ذکر ہو چکا جبکہ ایک اور مقام پر خدائے قدوس فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط

ترجمہ: "یعنی جو مومن ہیں وہ اللہ کی محبت میں بہت شدید ہیں۔"

(سورۃ البقرہ 2، آیت 165)

اسی لئے صوفی کی زندگی کا آغاز، انجام اور محور عشق الٰہی ہی ہوتا ہے اس کی نظر میں اللہ صرف معبود ہی نہیں بلکہ مقصود بھی ہے۔ مطلوب بھی ہے اور محبوب بھی ہے اور اگر یہ نہ ہو تو بقول مرشد رومی رحمۃ اللہ علیہ

دَور گردوں را ز فیض عشق داں
گر نبودے عشق بفسر دے جہاں

یعنی کائنات میں کاروبارِ حیات عشق ہی کی بدولت چل رہا ہے اگر یہ نہ ہو تو سب تلپٹ ہو جائے۔

مرشد رُومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کو کسی شاعر نے اُردو میں یوں بیان کیا ہے:

رونق بزم جہاں ہے تو اسی کے دم سے
اور کچھ بھی نہیں دُنیا میں محبت کے سوا

اور یہی بات انگریزی میں ایک مقولے کی صورت میں بیان کی جاتی ہے کہ:

"IT IS LOVE THAT MAKES THE WORLD GO AROUND."

کائنات کی ہر شے محبوبِ ازلی میں ضم ہونے کے لئے بے چین ہے، تڑپ رہی ہے اور یہی تڑپ عشق ہے۔ **کل شی یرجع الی اصلہٖ**۔ یہی تڑپ انسان میں بھی ہونی چاہیے۔ اس کا جینا، مرنا بلکہ ساری زندگی اللہ ہی کے لئے ہونی چاہیے۔ بلکہ انہیں بمطابق قرآن یہ کہنا چاہیے کہ:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

ترجمہ: ''تم فرماؤ! بیشک میری نماز، اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہاں کا پالنے والا ہے۔''

(سورۃ الانعام 6، آیت 162)

اس آیت کی رُو سے معلوم ہوا کہ انسانی پیدائش کا مقصد ہی رب العالمین کی محبت ہے۔

عشقِ حقیقی کی بھٹی

چونکہ صوفی کا مطمعٔ نظر اور نصب العین اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہوتی ہے اس

لئے وہ ہر وقت اس کی خوشنودی یا رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ عشق حقیقی کی بھٹی میں پڑ کر صوفی کندن بن کر نکلتا ہے۔ شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''اصحابِ طریقت اور اربابِ حقیقت کا اس باب میں اتفاق ہے کہ انسان کی پیدائش سے مقصود و مطلوب اللہ کی محبت اور اس کے نتیجے میں اُس کی اطاعت ہے یہی وجہ ہے کہ صوفیا کرام عشق الٰہی کو اپنی زندگی کا مقصد اوّل قرار دیتے ہیں۔''

ذکرِ الٰہی

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''ایک دن میں نے اپنے مرشد بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا وہ ایک رُباعی پڑھ کر وجد کر رہے تھے جس کا مفہوم یہ تھا کہ ''اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تُو ہی میرا مقصود ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تیرے لئے ہی جیوں اور تیرے لئے ہی مروں۔''

آپ دیکھئے کہ یہ قرآن کی درج بالا آیت **قل ان صلاتی ونسکی** کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ جب ایک شخص اپنی زندگی کو اللہ کے لئے وقف کر دیتا ہے تو اس کے باطن میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو جاتا ہے پھر ہر کام میں اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے، وہ جو کام کرتا ہے اُس کی رضا کے لئے کرتا ہے حتیٰ کہ کھانا بھی کھاتا ہے تو اس لئے نہیں کہ اسے لذت کام و دہن حاصل ہو بلکہ اس لئے کھاتا ہے تاکہ وہ ذکر کے لئے زندہ رہ سکے۔ اسی بات کو شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان فرمایا ہے:

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است
تو در گماں کہ زیستن از بہر خوردن است

اثرات

عشقِ الٰہی انسان کو یکسر تبدیل کر دیتا ہے اور اس پر کئی اثرات مرتب کرتا ہے۔

پہلا: اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کی زندگی میں مرکزیت پیدا ہو جاتی ہے، وہ موحدِ کامل بن جاتا ہے۔

دوسرا: اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت حضوری کی کیفیت میں رہتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ میں خدا کے سامنے ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے لہٰذا وہ ہر قسم کے غلط کام سے اجتناب کرتا ہے۔

تیسرا: اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کی نگاہ میں سونا اور پتھر برابر ہو جاتے ہیں بلکہ اس کے نزدیک دُنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ سے عشق کرتا ہے تو اس کے طفیل اسے عرفان حاصل ہو جاتا ہے اور وہ دنیا کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے کہ یہ دنیا دار الغرور ہے یعنی دھوکے کا گھر، عالم اور عارف میں یہی فرق ہے کہ عالم اس دنیا کے ظاہر سے واقف ہوتا ہے جبکہ عارف اس کی کنہ وحقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے۔

چوتھا: اثر یہ مرتب ہوتا ہے کہ اس میں توکل اور استغناء پیدا ہو جاتا ہے اور بادشاہی بھی اس کی نظر میں ہیچ ہو جاتی ہے۔

پانچواں: اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے رزق جس کے لئے انسان ضمیر اور ایمان تک کا سودا کر لیتا ہے سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے۔

حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ عشق کی کارفرمائیوں کے بارے میں یوں فرماتے ہیں کہ:

عشق ھم خاکستر و ھم اخگر است

کار او از دین و دانش برتر است

عشق کا درجہ

"رابعہ دی مسٹک" (Rabia The Mystic) میں ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ لکھتی ہیں کہ:

"کچھ صوفی مصنفین نے عشق کو اخلاص، مراقبہ، احتساب ذاتی اور موت پر غور وفکر کے ساتھ جگہ دی لیکن خود صوفیاء نے عشق کو آخری اور بلند ترین درجہ دیا ہے جو کوئی بھی سالک اپنی لگن سے حاصل کر سکتا ہے۔ عشق میں رضا، شوق، انس کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔ رضا میں محب کی رضامندی محبوب کی رضا میں ہوتی ہے۔ شوق محبوب سے ملنے کی سرشاری کا جذبہ جبکہ انس محب اور محبوب کے درمیان استوار قربت کا نام ہے لیکن یہ عشق ہی ہے جس سے سالک بلاواسطہ حقیقی معرفت کا علم حاصل کر کے خدا کے حسن و جمال کو بے نقاب دیکھ سکتا ہے۔"

رضا

عشق الٰہی کی وجہ سے قضا وقدر پر راضی ہو جانا رضا کہلاتا ہے رضا کی دو قسمیں ہیں معروضی اور موضوعی، بندے کا اپنے ربّ پر اطمینان اور خدا کا بندے پر اطمینان جیسے

صوفی خدا کے ہر کام پر مطمئن ہوتا ہے گرچہ خدا اس سے جو بھی کرے اور اسی طرح خدا بھی صوفی کے ہر کام پر خوش ہوگا۔

(اسرار التوحید)

حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بندے کا خدا پر اطمینان یہ ہے کہ بندہ جہاں خوشی پر شکر گزار ہوتا ہے وہاں وہ دُکھوں پر بھی شکر کرتا ہے اور اللہ کے کیے پر راضی ہوتا ہے، اسی طرح اللہ کا اطمینان بندے پر تب ہوتا ہے کہ جب بندہ اس کی مرضی اور احکامات کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہے۔''

محبتِ الٰہی

ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں لکھتے ہیں کہ:

''خدا کی اپنے ولیوں سے محبت ان کی خدا سے محبت سے بہت بڑھ کر ہے لیکن صوفیاء خدا کی اس محبت کے بارے میں عامۃ الناس کو بتا نہیں سکتے کیونکہ ابھی تک وہ الفاظ وجود میں نہیں آئے جو اُن کیفیات کو کماحقہٗ بیان کرسکیں۔''

بھیکا! بات اگم دی، کہن سُنن وچ ناہیں
جو جانیں وہ نہ کہیں، کہیں سو جانیں ناہیں

بھیک تخلص کے شاعر خود سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ:

''اے بھیک خدا کا راز اور اس کی بات کہنے سننے میں نہیں آتیں اور جو جانتے ہیں وہ خاموش ہو جاتے ہیں جبکہ جن کو کچھ پتا نہیں ہوتا وہ اِدھر اُدھر کی ہانکتے پھرتے ہیں۔''

خدا سے محبت تو بندے پر فرض ہے جبکہ خدا کی بندے سے محبت سراسر اس کا فضل وکرم ہے جس پر بندے کا کوئی دعویٰ نہیں۔ حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

> ''خدا کی بندے کے ساتھ محبت، اس کی بندے سے نیک خواہی اور عنایت ہے اور اس پر رحم ہے جبکہ بندے کی خدا کے ساتھ محبت ایک خوبی ہے جس کا اظہار ایمان والے کے دل میں ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے محبوب میں اپنا اطمینان تلاش کر سکے اور اس کو دیکھنے کی خواہش میں بے چین اور بے صبر ہو جائے اور پھر اس کے بغیر اسے کسی کے ساتھ چین نہ آئے اور اس کی یاد کے ساتھ وہ اس قدر ہم آہنگ ہو جائے کہ اور اس کے علاوہ ہر چیز کی یاد سے دستبردار ہو جائے۔''

(کشف المحجوب)

محبت کرنے والے

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں ایمان والے جو خدا سے محبت کرتے ہیں وہ دو قسم کے ہوتے ہیں:

☆ ایک وہ جو خود پر خدا کی عنایت اور کرم فرمائی کی وجہ سے اس کا احترام کرتے ہیں اور یہ احترام ان کو فائدہ دینے والی ذات سے محبت کی طرف لے جاتا ہے۔

☆ دوسرے وہ جن پر محبت نے وجد طاری کر رکھا ہے اور وہ ان تمام مہربانیوں اور عنایتوں کو اپنے اور خدا کے درمیان حجاب سمجھتے ہیں۔ اپنے آقا کا احترام انہیں اس کی بے لوث محبت کی طرف لے جاتا ہے۔

ابو نصر سراج رحمۃ اللہ علیہ نے اس دوسری جماعت کی خدا سے بے لوث محبت کی تعریف

کی ہے جو کسی غرض طمع یا فائدے کے لئے محبت نہیں کرتے بلکہ اُس سے اُسی کی محبت میں ایسا کرتے ہیں۔

محبت خود اولیاء کی نظر میں

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ:

''محبت محب کا اپنی صفات کو محبوب کی صفات میں اس طرح ضم کر دینے کا نام ہے کہ ان میں دُوئی ختم ہو جائے اور وہ سب محبوب کی صفات بن جائیں، انسان کی مرضی اللہ کی مرضی میں گم ہو کر اُس کی مرضی بن جائے۔''

یہی بات ابو عبد اللہ قریشی رحمۃ اللہ علیہ نے باندازِ دگر یوں کہی کہ:

''محبت کا مطلب ہے جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ اسے دے دینا ہے جس سے تم محبت کرتے ہو تاکہ اس میں ہمارا کچھ نہ رہے۔''

اسی طرح ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ:

''یہ اس لئے محبت کہلاتی ہے کیونکہ دل میں سے محبوب کے سوا سب کچھ مٹا دیا جاتا ہے۔''

مزید فرمایا کہ محبت دل میں روشن وہ آگ ہے جو محبوب کی مرضی کے سوا سب کچھ ختم کر دیتی ہے، اس محبت کا صوفی پر جو اثر ہوتا ہے اس کے بارے میں یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا اور پوچھا کہ:

''تم اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے محبت کے سمندر سے ایک قطرہ پیا اور بے خود ہو گیا۔''

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ:

''تم اس کے بارے میں کیا کہو گے جو اگر دنیا کے سارے سمندر محبت سے بھر جائیں اور وہ انہیں پی جائے اور پھر بھی پیاس کی تسکین کے لئے چلائے۔''

حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں اس بے خودی و مدہوشی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ:

''محبت کے پیالے کی یہ مدہوشی دراصل مہربان کے احترام سے اُبھرتی ہے۔''

اس گروہ کو ایک فارسی شاعر نے یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

بآں گروہ کہ از ساغر وفا مستند

سلام ما بر سانید کجا ہستند

وَجْهُ رَبِّكَ

شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''خدا عارف کو اپنا جوہر دیکھنے کے لئے ایک شدید خواہش بخشتا ہے پھر اس کا علم تصور بن جاتا ہے پھر یہ تصور الہام اور وجدان بن جاتا ہے اور پھر مشاہدے میں بدل جاتا ہے، یہ مشاہدہ ذات باری تعالیٰ کا ہوتا ہے، یہاں لفظ خاموش ہو جاتے ہیں، زندگی موت میں بدل جاتی ہے، اس دنیا کے محدود اذہان کی وضاحتیں ختم ہو جاتی ہیں، نشانات محو ہو جاتے ہیں، فنا ختم ہو جاتا ہے اور بقا کی تکمیل ہو جاتی ہے، عناصر فنا ہو جاتے ہیں اور صرف وہی باقی رہ جاتا ہے جو ہمیشہ رہے گا اور جو کبھی ختم نہ ہوگا۔''

وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ.

(سورۃ الرحمٰن 55، آیت 27)

جس طرح قیامت کا صور پھونکنے پر کوئی زندہ نہ رہے گا خدا کے سوا، اسی طرح انسان کے مشاہدۂ ذاتِ باری کے دوران بھی انسان باقی نہیں رہتا نہ اس کی ذات نہ صفات۔ ان کیفیات کے رمز آشنا حضرت بابا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا:

اب ہم ایسے گم ہوئے پریم نگر کے شہر
اپنے آپ نوں سودھ رہے ہیں نہ سر ہاتھ نہ پیر
کھوئی خودی اپنا پد چیتا، تب ہوئی گل خیر
بلھا شوہ ہے دوہی جہانیں کوئی نہ دِسدا غیر

وحدت کا دریا

خدا کو دیکھنے والا آدمی اپنی خودی کو ترک کر دیتا ہے اور تمام اشیاء کو نہ اپنا سمجھتا ہے نہ اپنے پاس رکھتا ہے بلکہ اپنے آپ کو ان سے خالی کر لیتا ہے ایسا آدمی تمام خیالات سے خالی ہو کر بلا رکاوٹ اپنی رُوح کے سب سے اندرونی حصے میں اُتر سکتا ہے جہاں وہ اپنے آپ کو محبت کی دائمی زندگی میں محسوس کر سکتا ہے، جہاں وہ سب سے پہلے خدا کے ساتھ ایک ہونے کی پُر خلوص دُعا مانگتا ہے۔ وحدت میں قلب ماہیت کے دوران تمام رُوحیں اپنی سرگرمیاں جاری نہیں رکھ سکتیں وہ وہاں کچھ محسوس نہیں کرتیں۔ بلکہ خدا کے ساتھ ایک سادہ وحدانیت میں خود کو جلتا محسوس کرتی ہیں جہاں رُوح جل جائے اور وحدت کے سوا کچھ محسوس نہ ہو کیونکہ خدا کی محبت کے شعلے سب کچھ ختم کر دیتے ہیں اور اس محبت میں ہم ہمیشہ کے لئے جلتے چلے جاتے ہیں۔ عارف کھڑی میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ نے وحدت کی اسی کیفیت کو یوں بیان کیا ہے کہ وحدت کی ایک واضح تصویر سامنے آگئی ہے دیکھئے وہ

فرماتے ہیں:

وحدت دا دریا وڈیرا جاں موجاں وچ آوے
ڈھاباں وکھریاں بھن ٹہناں ہکو لہر بناوے
قطرہ ونج پیا دریائے تاں اوہ کون کہاوے
جس تے اپنا آپ گواوے آپ اوہو ہو جاوے

ابدی زندگی

صوفیاء اور ان کی سردار حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے خود کو درج بالا گروہ میں سمجھا یا کم از کم مستقل مزاجی سے یہ جستجو کی کہ وہ محبت کی یہ ابدی زندگی حاصل کرلیں اور خدا کے ساتھ ایک ہونے کی دُعا مانگیں، گو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا صوفیاء میں پہلی نہیں تھیں جس نے محبت کے ذریعے خدا تک پہنچنے کا احساس کیا تھا۔ لیکن شاید وہ ان میں سے سب سے پہلی ضرور تھیں جنہوں نے اس نظریے پر سب سے زیادہ زور دیا بلکہ اپنی تعلیمات کے ذریعے اس نظریے کی تبلیغ کی اور اس کو پھیلایا۔ شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تذکرۃ الاولیا میں لکھتے ہیں کہ:

”رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا عشق الٰہی کی آگ میں جلنے والی اور خدا کی آرزو میں سرشار اور اس کی مشتاق تھیں۔“

آج کے دَور کے ایک عظیم مستشرق جناب آر۔اے۔ نکلسن نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں کہا کہ:

”رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے ساتھ محبت ایک نہ بجھنے والا شعلہ تھا جو رسمی مذہب کی راکھ میں سلگتا رہا اور جس نے تصوف کی شمع کے ساتھ تاریک ترین دَور میں مسلمانوں کے دِلوں کو فتح کرلیا۔“

بے لوث محبت

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بے لوث محبت کا درس دینے والی سب سے پہلی صوفی خاتون تھیں جبکہ یہ نظریہ آپ کے ہمعصر صوفیاء کے لئے بھی نیا تھا کیونکہ اس وقت وہ سب ہی ابدی سزا کے خوف یا انعام کی امید میں خدا کی عبادت کیا کرتے تھے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے باقاعدہ ان کو سمجھایا پڑھایا حتیٰ کہ یہ نظریہ تصوف میں باقاعدہ شامل کر لیا گیا۔ ہمعصروں کے ساتھ ان واقعات کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ

محبت کے مرحلے میں رضا کے عنصر کے بارے میں ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ:

''حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی موجودگی میں دُعائیہ انداز میں کہا ''اے اللہ تو ہم سے راضی ہو جا۔'' اس پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فوراً کہا سفیان رحمۃ اللہ علیہ! تم کو اللہ سے کہتے ہوئے شرم نہیں آئی کہ مجھ سے راضی ہو جا جبکہ تم خود اس سے راضی نہیں ہو یعنی تم اپنے لئے خدا کی مرضی پر رضا مند نہیں ہو جس پر حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ''میں اللہ سے اس کی معافی چاہتا ہوں۔'' اس کے بعد ایک اور شخص جعفر نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا کہ ''بندہ کب خدا سے مطمئن ہوتا ہے۔'' آپ نے جواب دیا: ''جب بدبختی پر بھی اس کو اتنی ہی خوشی محسوس ہو جتنی اسے اپنی ترقی پر ہوتی ہے۔''

راضی بہ رضا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کچھ لوگ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی موجودگی میں ایک زاہد و پارسا آدمی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے جس کو بہت مقدس اور اللہ والا سمجھا جاتا تھا۔ جس کا گزارہ شاہی محل کے ضائع شدہ کھانے کے ڈھیر سے حاصل کردہ خوراک پر تھا، وہاں موجود ایک آدمی نے کہا کہ اس میں کیا حرج یا نقصان ہے اگر وہ شخص اللہ سے کسی دوسرے ذریعہ سے خوراک مہیا کرنے کی دُعا کرے اس پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اس سے کہا "خاموش ہو جاؤ اے بے قدر و منزلت انسان! کیا تمہیں ادراک نہیں کہ اللہ کے ولی اللہ سے راضی ہوتے ہیں چاہے وہ ان سے ان کی روزی کے ذرائع بھی چھین لے اور یہ وہی ہے جو اُن کے لئے انتخاب کرتا ہے لہٰذا راضی بہ رضا رہو۔

خدا کا باغی

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا کہ:

"خدا سے محبت کرنے والے کا جوش اور شوق کبھی بھی ختم نہیں ہوتا تا آنکہ وہ ذاتِ خداوندی سے ہم آہنگ نہ ہو جائے۔"

(عوارف المعارف از سہروردی رحمۃ اللہ علیہ)

سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے منسوب کچھ اشعار لکھے ہیں جن میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اس شخص کے بارے میں بات کی جو خدا سے جنت کا دعویدار ہے لیکن اس کی رضا کو بلاچوں و چراں نہیں مانتا۔ اس کو مخاطب کر کے آپ فرماتی ہیں:

"تم خدا کے باغی ہو کر اس کی محبت کا دم بھرتے ہو۔ مجھے اپنے ایمان

کی قسم ہے کہ یہ عجیب بات ہے اگر تم اپنی محبت سے مخلص ہوتے تو تمہیں اس کی اطاعت کرنی چاہیے تھی کیونکہ محبت کرنے والے ہمیشہ اپنے محبوب کا کہا مانتے ہیں۔"

رُوح کا مہمان

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے محبت کے ایک اہم عنصر انس کے بارے میں کہا کہ جو کوئی بھی اطاعت کرتا ہے وہ قرب یا انس کو پالیتا ہے پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے:

"میں نے اُسے اپنے دل کا ساتھی بنالیا ہے لیکن میرا جسم ان لوگوں کے لئے دستیاب ہے جو اس کی رفاقت کے متمنی ہیں، میرا جسم اپنے مہمانوں کے لئے نہایت دوستدار ہے لیکن میرے دل کا محبوب ہی دراصل میری رُوح کا مہمان ہے۔"

خوف و لالچ

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ نے اپنی کتاب "رابعہ دی مسٹک" (Rabia The Mystic) میں ایران کے مصنف افلاکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "مناقب العارفین" کے حوالے سے ایک واقعہ بیان کیا ہے جس میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اپنے ہمعصر ساتھیوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ سچے صوفی کو صرف لوجہ اللہ ہی خدا سے محبت کرنی چاہیے یعنی بے غرض و بے لوث محبت۔ ایک دن کچھ اولیائے کرام رحمھم اللہ اجمعین نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو دیکھا کہ ایک ہاتھ میں پانی اور دوسرے ہاتھ میں آگ لئے بھاگی چلی جارہی ہیں۔ انہوں نے حضرت صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا سے بآواز بلند کہا "اے اگلے جہاں کی محترم خاتون! آپ ایک ہاتھ میں آگ اور دوسرے میں پانی اُٹھائے کہاں بھاگتی چلی جا

رہی ہیں؟'' آپ رُک گئیں اور جواب میں فرمایا کہ میں اس آگ سے جنت کو پھونک دینا چاہتی ہوں اور اس پانی سے دوزخ کی آگ کو بجھانا چاہتی ہوں تا کہ یہ دونوں حجاب جو خدا کے سچے تصور میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں زائرین کی نظروں سے مکمل طور پر غائب ہو جائیں تا کہ خدا کے بندے کی چیز کی لالچ یا خوف کے محرک کے بغیر اُسے دیکھ سکیں، دوزخ کے خوف اور جنت کی طمع پر اس کی عبادت نہ کریں اگر جنت کی امید نہ ہوتی اور دوزخ کا خوف نہ ہوتا تو کیا پھر کوئی اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت نہ کرتا۔

حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا چاہتی تھیں کہ لوگ جزا اور سزا کے تصور کے بغیر خدا کی عبادت کریں۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی اس بات کو غالب مرحوم نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

خدا کی طرف رہنمائی

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے محبت کے بارے میں بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب ''احیائے العلوم الدین'' میں لکھا کہ:

''حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے ایک دن جب وہ صوفیاء کی مجلس میں بیٹھی تھیں تو کہا کہ ہماری خدا کی طرف رہنمائی کون کرے گا، اور تو کوئی نہ بولا لیکن آپ کی خادمہ جن کا نام غالباً عبدہ بنت شوال تھا اور جنہوں نے اپنی مالکہ سے بہت کچھ سیکھ رکھا تھا، نے جواب دیا کہ ہمارا محبوب تو ہمارے ساتھ ہی ہے اسے اس دنیا کی محبت نے ہم سے کاٹ دیا ہے یعنی ہم دنیا میں ملوث ہو کر اس سے ناطہ توڑ لیتے ہیں

کیونکہ دنیا سے دوستی دراصل خدا سے دشمنی ہے۔ دیکھئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بال جبریل میں اس بات کو کیسے بیان کیا ہے۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

خدا سے محبت

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں خدا کی محبت کے عظیم موضوع پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے کئی اقوال درج کئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن ان سے پوچھا گیا کہ:

''کیا تم خدائے بزرگ و برتر سے محبت کرتی ہو؟''

شاید پوچھنے والے کے نزدیک رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا اپنے علاوہ کسی اور سے محبت کرنا ناممکن تھا لیکن آپ نے جواب میں کہا کہ:

''ہاں میں کرتی ہوں۔''

پھر آپ سے پوچھا گیا کہ:

''کیا تم شیطان سے نفرت کرتی ہو؟''

آپ نے جواب دیا کہ:

''نہیں''

دوسرے لوگ اس جواب سے ششدر و حیران ہو گئے اور کہنے لگے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ:

''میرے دل میں خدا کی محبت نے گنجائش ہی نہیں چھوڑی کہ میں کسی سے نفرت کر سکوں۔''

آپ کا مطلب یہ تھا کہ مجھے شیطان کو برا کہنے کی فرصت ہی کہاں ملتی ہے؟ اس کو تو میں تب برا کہوں جب مجھے اللہ کی محبت سے فراغت ملے۔

بقول شاعر:

عشق وہ کار مسلسل ہے کہ ہم اپنے لئے
ایک لمحہ بھی پس انداز نہیں کر سکتے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

پھر آپ نے بات جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا

''اے رابعہ! کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟''

تو میں نے عرض کیا:

''اے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کون ہے جو آپ سے محبت نہیں کرتا لیکن خدا کی محبت نے میرے دل پر اس قدر غلبہ پالیا ہے کہ اب اُس کے علاوہ کسی اور سے محبت یا نفرت کی جگہ نہیں بچی۔''

تبصرہ

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے منسوب یہ قول اگرچہ تمام تذکرہ نگاروں اور رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے سوانح نگاروں نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے مثلاً شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں، جناب امام ابوالقاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ میں، جناب امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احیائے علوم الدین میں اور جناب عبدالرؤف المناوی نے اپنی کتاب طبقات الاولیاء میں اس کا ذکر کیا اور اس قول کی کوئی نہ

کوئی توجیہہ پیش کی دَورِ جدید کے مشہور فرانسیسی مستشرق موسیو میسینون اور برطانوی خاتون ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ نے بھی اپنی کتاب میں حضرت موصوفہ کا یہ قول درج کیا ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک موصوفہ سے منسوب یہ قول درست نہیں کیونکہ نبی پاک ﷺ سے محبت جزوِ ایمان ہے اور کوئی بھی شخص اس کے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس قلب میں ذاتِ محمد ﷺ کی تقدیس و تکریم اور محبت نہیں اس میں ذاتِ خداوندی کے بارے میں بھی حقیقی جذباتِ عقیدت وارادت پیدا نہیں ہو سکتے، اور حیرت یہ ہے کہ وہ نبی ﷺ کی محبت کے بغیر عشقِ الٰہی میں کیسے گم ہو سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ.

ترجمہ: آپ (ﷺ) فرما دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ غفور الرحیم ہے۔

(سورۃ آل عمران 3، آیت 31)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.

ترجمہ: البتہ تمہارے لئے ہے اللہ کے رسول (ﷺ) میں ایک اچھا نمونہ۔

(سورۃ الاحزاب 33، آیت 21)

وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ.

ترجمہ: اور بے شک آپ اخلاقِ انسانی کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔

(سورۃ القلم 68، آیت 4)

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا.

ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود و سلام بھیجو۔

(سورۃ الاحزاب 33، آیت 56)

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا.

ترجمہ: قریب ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ربّ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مقامِ محمود میں کھڑا کر دے (گا)۔

(سورہ بنی اسرائیل 17، آیت 79)

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ.

ترجمہ: اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر بلند کیا ہے۔

(سورہ الم نشرح 94، آیت 4)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ.

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

(سورۃ الانبیاء 21، آیت 108)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ.

ترجمہ: بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب ان میں ایک رسول بھیجا جو انہی میں سے ہے۔

(سورہ آل عمران 3، آیت 164)

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ.

ترجمہ: ''اور اللہ ایسا نہیں کہ انہیں عذاب دے جبکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں موجود ہیں۔''

(سورۃ الانفال 8، آیت 33)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ مرحوم اپنی کتاب ''تاریخ تصوف'' میں ''رسالہ قشیریہ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں کہ تمام صوفیائے متقدمین، محاسبی رحمۃ اللہ علیہ، خراز رحمۃ اللہ علیہ، کلاباذی رحمۃ اللہ علیہ، ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ، اور ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے متفقہ طور پر اپنی تصانیف میں شرک اور بدعت کی تردید کے ساتھ راہِ سلوک طے کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع کو لازمی قرار دیا۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں یہی بات کہی ہے:

محال است سعدیؔ کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

''اے سعدی! محال ہے کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر اور کسی ذریعے سے سلوک وتصوف کا راستہ طے کر سکے۔''

یہی بات ایک اور صاحب ایمان نے بھی یوں کی:

خلاف پیمبر کسے را گزید
کہ ہر گز بہ منزل نہ خواہد رسید

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

مقام خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم رو

کیونکہ جو کچھ ملے گا وہ اس راستے پر گامزن ہو کر ملے گا۔

هر که عشق مصطفی سامانِ اوست

بحر و بر در گوشهٔ دامانِ اوست

اندریں حالات راقم السطور کی یہ انتہائی عاجزانہ رائے ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا زیر بحث قول ان کا ذاتی نہیں بلکہ الحاقی ہے جو اِن سے بلا سوچے سمجھے منسوب کر دیا گیا۔ مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ادب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھنے کے ضمن میں حضرت علامہ اقبال نے "ارمغانِ حجاز" میں بحضورِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے عزت بخاری کا یہ شعر درج کیا ہے:

ادب گاهیست زیر آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کرده می آید جنید و بایزید ایں جا

یعنی زیرِ آسمان مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا مقام ہے جو عرش سے بھی نازک تر ہے، یہاں پر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم صوفی اپنے نفوس گم کر بیٹھے۔

محرمِ راز حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس بابت حرفِ آخر یوں کہا:

بمصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم برساں خویش را که دیں همه اوست

گر به او نه رسیدی تمام بولهبی است

یعنی خود کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاؤ، ان سے محبت کرو کہ دین سارے کا سارا یہی ہے، اگر ان تک نہ پہنچے اور ان کی محبت دل میں جاگزیں نہ ہوئی تو پھر سب کچھ بے فائدہ اور سب بولہبی ہے۔

عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

قارئین کرام! اپنے موقف کی تائید میں ہم حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا ایک ایسا واقعہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں جو ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ نے اپنی کتاب ''رابعہ دی مسٹک'' (Rabia The Mystic) میں عبدالروف المناوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''طبقات الاولیاء'' کے حوالے سے درج کیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت کرتی تھیں جس کی روشنی میں یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی ایسا فقرہ کہا ہو جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کا پہلو نکلتا ہو:

> ''حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا دن رات میں ہزار رکعت نماز پڑھتی تھیں لوگوں نے اس قدر زُہد و ورع کا سبب پوچھا اور کہا کہ اس سے آپ کیا حاصل کرنا چاہتی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا میرا مقصود ثواب حاصل کرنا نہیں، میں تو صرف قیامت کے روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کیلئے ایسا کرتی ہوں تاکہ وہ دوسرے نبیوں سے فرمائیں کہ میری امت کی اس عورت کی طرف دیکھو اس کا عمل کیسا ہے؟ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انبیاء کے سامنے فخر کرنے کا موقع حاصل ہو سکے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

رضائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طالب تھیں اور یہ آرزو رکھتی تھیں کہ ان کی وجہ سے عورت معظم ومکرم کہلائے اس لئے وہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتی تھیں اوران سے روزِ جزاء ملنے کی شدید خواہش مند بھی تھیں۔اس واقعہ سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے منسوب قول درست نہیں بلکہ الحاقی ہے۔"

محبت کیا ہے؟

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ:

"آپ رحمۃ اللہ علیہا سے کسی نے پوچھا کہ محبت کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ "محبت ازل سے آئی ازل سے ہی گزرتی ہے اور ستر ہزار دنیاؤں میں کسی کو نہیں معلوم ہو سکا کہ اس کا ایک قطرہ بھی کسی نے پیا ہو جب تک کہ وہ خود اُس ذات میں جذب نہ ہو جائے۔"

اسی لئے کہا جاتا ہے:

ذوقِ ایں بادہ نہ دانی بخدا تانہ چشی

وہی ذات اقدس جس نے فرمایا ہے:

یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ.

ترجمہ: "وہ ان سے محبت کرتا ہے اور یہ اس سے محبت کرتے ہیں۔"

(سورۃ المائدہ 5، آیت 54)

آسمانی محبت

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو دُنیاوی عشق سے کوئی علاقہ نہ تھا بلکہ ان کا عشق

بلند ترین طرز کا تھا جو نفسانیت سے سراسر پاک تھا۔ آپ آسمانی محبت یعنی خدا کی محبت ہی میں پگھل چکی تھیں۔ عالم اسلام ہی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا وہ پہلی شخصیت ہیں جو تصوف میں منہمک ہوئیں اور معرفت تامہ کے درجہ پر فائز ہوئیں، آپ کی طرف یہ مناجات منسوب ہے جس سے آپ کی خدائے واحد سے محبت کا اندازہ ہو جاتا ہے:

''اے معبود! میں جب بھی کسی حیوان کی آواز، پتے کھڑکنے کی آہٹ، پانی گرنے کی صدا اور بجلی کی کڑک سنتی ہوں یا کسی پرندے کے نغمات میرے کانوں میں رس گھولتے ہیں یا میں ستاروں کو خاموشی سے سفر کرتا دیکھتی ہوں یا ہوا کے سرسراہٹ سنتی ہوں تو ان سب کو تیری یکتائی پر گواہ اور تیرے بے مثل و بے نظیر ہونے پر شاہد پاتی ہوں۔''

ان الفاظ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ذات خداوند میں کس قدر ذوق وشوق، تڑپ اور لگن رکھتی تھیں بلکہ فنا فی اللہ تھیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا مقصود سوائے ذات الٰہی اور رضائے الٰہی کے اور کچھ بھی نہیں۔

انہی جیسے لوگوں کے بارے میں حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کہہ گئے ہیں:

ہر گز نمیرد آنکه دلش زنده شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

علاوہ ازیں مناجات ہذا کے الفاظ اور جملے اس قدر خوبصورت ہیں کہ ان میں شاعرانہ رنگ پایا جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ واقعی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اچھی شاعرہ بھی تھیں، ان کی شاعری کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا۔

آتشِ عشق

ایک رات کا واقعہ ہے کہ:

''حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا عشق الٰہی کے جذبہ سے معمور ہو کر شوق واشتیاق میں وارفتہ ہو کر چیخنے لگیں اور کہنے لگیں الحریق الحریق آس پاس کے لوگوں نے جب حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی آواز سنی تو سمجھے کہ شاید ان کے کپڑوں کو آگ لگ گئی ہے اور اس وجہ سے وہ چلا رہی ہیں، وہ فوراً آگ بجھانے کے لئے اپنے گھروں سے باہر نکلے اسی دوران وہاں سے ایک صاحب نظر بزرگ گزرے انہوں نے لوگوں کا اضطراب اور بے چینی دیکھی تو متعجب ہوئے اور کہا: کیسے بے وقوف ہیں یہ لوگ جو رابعہ کی آگ بجھانے نکلے ہیں اس کے سینے میں تو عشق کی آگ بھڑکی ہوئی ہے، یہ آگ تو وصالِ دوست کے سوا بجھنے والی نہیں۔''

عشق کے بارے میں عربی کا ایک مقولہ ہے:

العشق نار فقد وقع فی القلب فاحترقت ماسوا المحبوب.

''عشق آگ ہے، یہ دل میں لگی ہو تو محبوب کے سوا سب کچھ جلا دیتی ہے۔''

عشق کا راز

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے ایک بار فرمایا تھا کہ

''عشق وہی جانتا ہے جس نے اس کا مزا چکھا ہو، جو لوگ عشق کا بیان کرتے پھرتے ہیں وہ گونگے اور بہرے ہیں، ہیبتِ عشق تو زبان گنگ کر دیتی ہے، حیرت اظہار سے منع کرتی ہے، غیرت نظروں

کے لئے حجاب ہے اور دہشت عقل کو اقرار سے منع کرتی ہے، یہاں
ایک دائمی مسرت اور ابدی حیرت ہے پھر بھی دل کی شیفتگی اور وارفتگی
ہے کہ سنبھالے نہیں سنبھلتی۔ دل سے کہو اس وقت تک سنبھلا رہے
جب تک اسرار خود عیاں نہ ہو جائیں۔"

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی وفات کے بعد اکثر کہا کرتے تھے کہ نہ جانے رموز و اسرار عیاں ہو جانے کے بعد رابعہ نے اپنی مسرت کیسے برداشت کی ہوگی؟ عشق کے اسرار کو عیاں کرنے والوں کو نظیری یوں خبردار کرتے ہیں۔

عشق عصیاں است اگر مستور نیست
کشته جرم زباں مغفور نیست

کیونکہ عشق ایسا راز ہے جو عاشق و معشوق کے درمیان ہے اور کسی
تیسرے کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین راہ هم خبر نیست

بے لوث عبادت، بے غرض محبت

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ بیان کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے بے لوث محبت کی تعلیمات پر کتنا زور دینے کی کوشش کی، کس طرح ذاتی مثالوں سے اپنے ہمعصروں کو ترغیب دی۔ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ایک دفعہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پاس چند بڑے بزرگ آئے ان میں سے ایک بزرگ سے آپ نے استفسار کیا کہ تم خدا کی کیوں عبادت کرتے ہو؟ اس نے جواب میں کہا چونکہ دوزخ کے ساتھ طبقات ہیں جو میرے خوف کی وجہ ہیں اور پھر ہر ایک کو ان میں سے

گزرنا ہوگا چاروناچار خوف اور دہشت کے ساتھ۔ آپ نے دوسرے سے پوچھا کہ تم خدا کی کیوں عبادت کرتے ہو تو اس نے جنت کے مختلف حلقوں اور اس میں ملنے والی مسرت اور لطف و کرم کا ذکر کر کے کہا کہ میں اسکی وجہ سے عبادت کرتا ہوں تب رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے دوبارہ گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے فرمایا کہ وہ کتنا برا بندہ ہے جو خدا کی عبادت کسی خوف اور ڈر کی وجہ سے کرتا ہے یا کسی طمع اور لالچ کی وجہ سے اللہ کی عبادت کرتا ہے اس پر انہوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کس لئے خدا کی عبادت کرتی ہیں؟ کیا آپ کو جنت کی خواہش نہیں تو آپ نے جواب دیا مجھے جنت سے زیادہ جنت کے خالق کا خیال ہے میں اس کی معیت پہلے چاہتی ہوں اور جنت کا خیال مجھے بعد میں ہے اور انہوں نے سادہ سا جواب دیا پہلے ہمسایہ پھر مکان۔ آج کے کسی شاعر نے لین دین والی عبادت پر طنز کرتے ہو کیا خوب کہا ہے:

سجدوں کے عوض فردوس ملے یہ بات مجھے منظور نہیں
بے لوث عبادت کرتا ہوں بندہ ہوں تیرا مزدور نہیں

"یعنی عبادت کو بے لوث ہونا چاہیے کسی لالچ کی خاطر نہیں اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی بھی یہی تعلیمات تھیں۔"

پھر آپ نے فرمایا کہ:

"کیا میرے لئے یہ کافی نہیں کہ مجھے عبادت کی اجازت دی گئی ہے اور اگر جنت اور دوزخ نہ بھی ہوتے تو کیا ہمارا فرض نہیں تھا کہ اس کی اطاعت کرتے، اللہ کسی درمیانی محرک کے ہماری عبادت کے لائق ہے۔"

سرزنش

امام ابو القاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "رسالہ" میں محبت کے باب میں

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے حقیقی تصور محبت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"ایک بار حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے دُعا کی اور پوچھا کہ اے خدا کیا تُو اس دل کو دوزخ میں جلائے گا جو تجھ سے محبت کرتا ہے؟ ایک غیبی آواز نے فوراً جواب دیا کہ ہم ایسا نہیں کریں گے ہمارے بارے میں ایسے غلط خیالات مت سوچا کرو۔"

شاید خدا کی اپنے ولیوں سے محبت کے خلاف غلط تصور پر رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو سرزنش کی گئی تھی جس پر آپ نے توبہ کی، حالانکہ آپ کی رائے پرانے صوفیاء کی رائے کے مطابق تھی جس میں بندے کے لئے اپنے آقا سے تو محبت لازمی تھی لیکن خدا کے لئے ضروری نہیں تھا کہ وہ اس محبت کا جواب محبت سے ہی دے۔

دُنیاداری

بتایا جاتا ہے کہ ایک بار ان کی موجودگی میں کسی کو دنیاداری کا الزام دیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ:

"خدا کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی کسی چیز سے اللہ کی یاد سے زیادہ محبت کرنے لگا تو وہ چیز اس کو گمراہی کی طرف لے جائے گی کیونکہ تم کسی اور چیز کے رکھنے کا برتن ہو اور تم نے اس میں کسی اور کی محبت کو رکھ لیا ہے۔"

کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے دل کو اپنی یاد کے لئے بنایا ہے لیکن تم اس کو بھول کر اور چیزوں کی محبت میں مبتلا ہو کر اللہ کو بھول جاتے ہو اور یہی چیز تمہیں گمراہ کر دیتی ہے۔ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو یوں بیان کیا

ہے:

افسوس صد افسوس شاہیں نہ بنا تُو
دیکھے نہ تیری آنکھ نے فطرت کے اشارات

''یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں کچھ اور بنانا چاہتا ہے اور تم اپنے کرتوتوں سے کچھ اور بن گئے ہو۔''

استغفارِ مسلسل

حضرت ابوسعید بن ابی الخیر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اسرار التوحید'' میں جناب ابوعلی قانونی کے حوالے سے درج کیا گیا ہے کہ کسی نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا کہ آپ نے کن ذرائع سے رُوحانی دنیا میں افضلیت حاصل کی ہے آپ نے جواب دیا مسلسل استغفار سے۔ یہ کہتے ہوئے کہ:

''میں نے تیری پناہ پکڑی، ہر اس رکاوٹ سے پناہ جس نے مجھے تجھ سے روکا اور ہر اس چیز سے پناہ جس نے مجھے تم سے موڑا۔''

خواتین کا گروہ

ابوعبدالرحمٰن السلامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب طبقات میں پارسا خواتین کے تذکرے میں لکھا ہے کہ:

''ایک بار ان کا ایک گروہ دُعائیں حاصل کرنے اور کچھ سیکھنے کے لئے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی جھونپڑی میں آیا ہوا تھا۔ انہوں نے فرمائش کی کہ ان کے لئے دعا کی جائے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے ان کے لئے دُعا کی ان کو اشیر باد دی اور یہ الفاظ

کہے "خدا نے تم سے جدائی کی ہر وجہ کو دُور کر دیا ہے جس نے تمہیں اس سے جدا کر رکھا تھا، لہٰذا اب تمہارا رخ ہمیشہ کے لئے خدائے ذوالجلال کی طرف ہونا چاہیے۔"

ایمان کی بنیاد

حضرت ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "قوت القلوب" میں یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ

"ایک بار حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا کہ آپکے ایمان کی بنیاد کیا ہے؟ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے جو جواب دیا ہے اس سے نہ صرف ان کی ساری زندگی کے اسرار منکشف ہوئے بلکہ ان کی تعلیمات کا جوہر بھی سامنے آ جاتا ہے۔ جب وہ کہتی ہیں: "میں دوزخ کے ڈر سے خدا کی عبادت نہیں کرتی اگر میں ایسا کرتی تو میں بھاڑے کا ایک ٹٹو ہوتی نہ ہی میں اس کی عبادت جنت کے طمع یا لالچ میں کرتی ہوں اگر میں ایسا کرتی تو میں ایک خراب غلام ہوتی لیکن میں تو اس کی محبت اور اس کی خواہش کے مطابق اس کی عبادت کرتی ہوں۔"

دیکھیے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے طمع و لالچ کی عبادت پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے خیالات کی ترجمانی کیسے بہترین انداز میں کی ہے:

سودا گری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر جزاء کی تمنا بھی چھوڑ دے

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

عشقِ حقیقی کی رِیت

تصوف میں عشق حقیقی اور خدا سے بے غرض محبت کی ریت حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے شروع ہوئی اور آہستہ آہستہ تصوف کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہو کر سب سے اہم درجہ حاصل کرلیا۔

(بحوالہ وحدت الوجود تے پنجابی شاعری از سعید علی عباس جلالپوری مرحوم)

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے جس طرح مسلسل اور پرجوش طریقے سے عشق حقیقی کا اظہار کیا، اس پر زور ڈالا اور عملاً اپنے ہمعصروں کو سکھایا اس کے بعد ہم بلاخوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کا اصل مذہب عشق تھا ان کے نزدیک عشق وہ اکسیر ہے جو دل کے کھوٹ کپٹ کو کندن میں بدل دیتا ہے۔

العشق ھو اللّٰہ

مراۃ الاسراء میں ہے کہ بعض بزرگوں کا یہ اعلان ہے کہ عشق ہی تصوف کی انتہا ہے اور عشق ہی اللہ ہے سلطان المشائخ نے فرمایا:

راہِ قلندر عشق است، "العشق ھو اللّٰہ"

سلطان المشائخ نے فقر کے بارے میں یہی فرمایا ہے:

الفقر ھو اللہ و ایں نہایت کارِ تصوف است

جبکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "انفاس العارفین" میں اپنے چچا کے حوالے سے کہا:

"الصوفی ھو اللّٰہ" یعنی صوفی ہی اللہ ہے۔

عشق کے خدا ہونے کا تصور عیسائیت میں بھی موجود ہے۔

"GOD IS LOVE AND LOVE IS GOD."

''خدا محبت ہے اور محبت ہی خدا ہے۔''

جبکہ ہمارے ہاں یہ تصور وحدت الوجودی اور ہمہ اوستی صوفیاء کے ذریعے آیا جن کے امام محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے سب سے بڑے شارح مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ بعد از اں فارسی اور اردو کے شاعروں نے بھی **العشق هو الله** کے تصور کو ادب کا حصہ بنا دیا۔ آیئے ہم بھی اپنے دل کو عشق کے دریا کے حوالے کر دیں:

دل عشق کے دریا میں ڈالا
توکلت علی اللہ تعالیٰ

میر تقی میر فرماتے ہیں:

لوگ بہت پوچھا کرتے ہیں کیا کہیے میاں کیا ہے عشق
کچھ کہتے ہیں سر الٰہی، کچھ کہتے ہیں خدا ہے عشق

خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں:

کیا حقیقت کہوں کہ کیا ہے عشق
حق شناسوں کا ہاں خدا ہے عشق
عشق سے جا کوئی نہیں خالی
دل سے لے عرش تک بھرا ہے عشق

دیکھیے درج ذیل اشعار میں میر تقی میر صاحب نے وہ تمام خدائی صفات عشق میں بیان کر کے عشق کے خدا ہونے کا نظریہ پیش کیا ہے:

ارض و سما میں عشق ہے ساری، چاروں اور بھرا ہے عشق
ہم ہیں جنابِ عشق کے بندے، نزدیک اپنے خدا ہے عشق
ظاہر و باطن، اول و آخر، پائیں بالا عشق ہے سب
نور و ظلمت، معنی و صورت، سب کچھ آپھی ہُوا ہے عشق

لیکن خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے باانداز دیگر اپنی غزل میں محبوب کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے جو پیش خدمت ہے:

مینڈا عشق وی توں مینڈا یار وی توں
مینڈا دین وی توں ایمان وی توں
مینڈا جسم وی توں مینڈی روح وی توں
مینڈا قلب وی توں جند جان وی توں
مینڈا کعبہ، قبلہ، مسجد، منبر
مصحف تے قرآن وی توں
مینڈے فرض فریضے حج زکوٰتاں
صوم صلوٰات اذان وی توں

دو محبتیں

عشق ومحبت کے موضوع کو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے شہرہ آفاق اشعار پر ختم کرتے ہیں جو انہوں نے دو محبتوں پر کہے ہیں:

اے خدا
میں تجھ سے دو طرح کی محبت کرتی ہوں
ایک محبت غرض کی محبت ہے
اور دوسری ایسی محبت جس کا تُو مستحق ہے
رہی غرض والی محبت
تو وہ اس لئے ہے تا کہ
تجھے یاد کروں اور

تیرے ماسوا کو بھول جاؤں

اور وہ محبت جس کا تُو مستحق ہے

تو یہ تبھی کامل ہو سکتی ہے

اگر تو پردے اُٹھا دے

اور میں تجھے دیکھ لوں

ان دونوں محبتوں کے لئے

میں مستحقِ تعریف نہیں۔

قابل حمد تو تُو ہی ہے جس نے

مجھے دونوں محبتوں سے سرفراز فرمایا۔

باب ۸

فضائل اولیائے کرام

(رحمتہ اللہ علیہم اجمعین)

قرآن کریم کی روشنی میں

جن لوگوں کا ایمان اللہ کی توحید، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور قرآن کی حقانیت پر اتنا مستحکم ہو کر کوئی ابلیسی وسوسہ اندازی اور کوئی مصیبت اسے متزلزل نہ کر سکے اور ان کا ظاہر و باطن تقوے کے نور سے جگمگا رہا ہو اور ایسے تمام اعمال سے ان کا دامن صاف ہو جو اُن کے خالق کو ناپسند ہوں تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ خلعتِ ولایت سے نوازتا ہے اور ان کو وہ مقام عطا کیا جاتا ہے کہ دنیا ان پر رشک کرتی ہے، ایسے لوگوں کی فضیلت میں قرآن پاک میں کئی آیات ہیں جو پیش خدمت عالی ہیں:

وہ انبیاً، صدیقین، شہدا اور صالحین کرام کے ساتھ ہوں گے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ۝ ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیْمًا.

ترجمہ: ''سو وہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ اچھے ساتھی ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔''

(سورۃ النساء 4، آیت 69 تا 70)

ان کو خوف و حزن نہ ہوگا

سورۃ یونس آیت نمبر 62 تا 64 میں ارشادِ ربانی ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ○ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.

ترجمہ: ''بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہوگا نہ حزن۔ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے ان کے لئے بشارت ہے دُنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اللہ کے کلمات میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

ان پر شیطان غلبہ نہیں پا سکتا

سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 65 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ.

ترجمہ: ''بے شک جو میرے خاص بندے ہیں ان پر تُو غلبہ نہیں پا سکتا۔''

اولیا پر رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں

سورۃ البقرہ آیت نمبر 157 میں ارشاد باری ہے:

أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ.

ترجمہ: ''یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے ربّ کی طرف سے عنایات اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہیں جو ہدایت والے ہیں۔''

اللہ انہیں خود اپنا راستہ دکھاتا ہے

سورۃ العنکبوت آیت 69 میں کہا گیا ہے:

وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ.

ترجمہ: ''اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ضرور ہم انہیں ہدایت دیں گے اپنے راستوں کی، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

ایک دوسرے کے دوست

سورہ المائدہ آیت 54 میں ارشاد ہوتا ہے:

يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ.

ترجمہ: ''اللہ انہیں دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں۔''

ان پر فرشتے اُترتے ہیں

سورۃ حٰمٓ السجدہ آیت نمبر 30 میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ.

ترجمہ: ''بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے پھر اس پر مضبوطی سے قائم ہو گئے ان پر فرشتے اُترتے ہیں کہ غم نہ کرو نہ خوف زدہ ہو اور اس جنت کے ساتھ خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔''

دُنیا و آخرت میں اللہ مددگار

اسی سورۃ کی آیت 31 تا 32 میں فرمایا گیا:

نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ.

ترجمہ: ''ہم تمہارے مددگار تھے دُنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اور تمہارے لئے اس جنت میں ہر وہ شے ہے جسے تمہارا جی چاہے اور تم طلب کرو، مہمانی بہت بخشش والے، بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا گیا ان کے ساتھ رہیئے

سورۃ الکہف آیت نمبر 28 میں بارگاہِ ایزدی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا جاتا ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا.

ترجمہ: ''اور روکے رکھیے اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام اس کی خوشنودی کے لئے، آپ کی آنکھیں ان سے نہ ہٹیں، اس حال میں کہ آپ حیات دنیا کی زینت چاہتے ہوں اور آپ اس کا کہانہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا۔''

قیامت کے دن غمناک ہوں گے

سورۃ الانبیاء آیت نمبر 103 میں ارشاد ہوا:

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ.

ترجمہ: ''انہیں بڑی گھبراہٹ غمناک نہ کرے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔''

ان کے چہرے روشن اور مسکراتے ہوں گے

سورۃ عبس آیت 38 تا 39 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ○ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ.

ترجمہ: ''کتنے چہرے اس دن روشن ہوں گے، ہنستے اور خوشیاں مناتے ہوں گے۔''

اے مطمئن رُوح جنت میں داخل ہو جا

سورۃ فجر آیت نمبر 27 تا 30 میں ان سے کہا جائے گا:

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ○ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ○

ترجمہ: ''اے نفس مطمئنہ چل اپنے ربّ کی طرف، تُو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، پھر شامل ہو جاؤ میرے بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری بہشت میں۔''

ہمیشہ کی جنت اور دُعا سلام کے تحفے

سورۃ الفرقان آیت نمبر 75 تا 76 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا.

ترجمہ: ''یہی وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کی بدولت جنت کے بالا خانے انعام میں ملیں گے اور وہاں ان کا استقبال خیر و عافیت اور سلامتی کے ساتھ کیا جائے گا اس میں ہمیشہ رہیں گے جو ٹھہرنے اور قیام کرنے کی بہت عمدہ جگہ ہے۔''

احادیث کی روشنی میں

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیائے کرام کے بارے میں کئی احادیث میں بیان کیا ہے ان کی خصوصیات اور نشانیاں بتائی ہیں ان کو خوشخبریاں دی ہیں اور امت کو ان کی پیروی

کا حکم دیا ہے چند ایک احادیث پیش خدمت ہیں:

حدیثِ تقرب

اولیائے کرام کی بابت یہ سب سے اہم اور مشہور حدیث قدسی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھے میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا تقرب حاصل کرتا ہے تو میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جن کے ساتھ وہ چلتا ہے اور اگر مجھے سے کچھ مانگے تو میں اسے عطا کرتا ہوں اگر پناہ مانگے تو دیتا ہوں۔''

جنت کے بادشاہ

ابن ماجہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ جنت کے بادشاہ کون لوگ ہیں؟۔ میں نے عرض کیا کیوں نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کمزور بندے جنہیں لوگ کچھ نہیں سمجھتے، جو پھٹے پرانے کپڑے پہنتے ہیں لیکن اگر وہ اللہ کے بھروسے پر کسی شے کی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ اس کو پورا کر دیتا ہے۔''

جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق

کشف المحجوب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے کہ:

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصحاب صفہ پر گزر ہوا تو ان کو دیکھا جو اپنے فقر و مجاہدے کے باوجود خوش و خرم تھے تو آپ نے فرمایا تم کو اور جو تمہارے صفت پر تمہارے بعد آئیں گے میں بشارت دیتا ہوں کہ وہ جنت میں میرے رفیق ہوں گے۔''

اس حدیث میں اصحاب صفہ کے علاوہ اہل طریقت اور صوفیا کو خوشخبری سنائی گئی ہے۔

افضل کون؟

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ لوگوں میں افضل شخص کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا افضل وہ ہے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرے، اس نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا پھر وہ جو کسی گھاٹی میں سب سے الگ ہو کر جا بیٹھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اللہ سے ڈرے اور لوگوں کو اپنے شر سے بچائے۔''

جنت میں پہلے داخلہ

جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فقرا جنت میں مال داروں سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے۔''

قلبِ مومن

حدیث قدسی ہے کہ:

''میں زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا مگر اپنے بندۂ مومن کے دل میں سما سکتا ہوں یعنی قلب المومن عرش اللہ تعالیٰ۔''

نیز قرآن نے اس قربت کی طرف خود بھی اشارے کئے ہیں مثلاً آیت ربانی ہے

وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ.

ترجمہ: ''وہ تمہارے اندر ہے تو تم دیکھتے کیوں نہیں۔''

(سورۃ الذاریات 51، آیت 21)

اسی مضمون کو کسی شاعر نے یوں بیان کیا ہے۔

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے جس میں کہ تُو سما سکے

اچھے لوگوں کی معیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے جو صحیحین میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھے ہم نشین کی مثال مشک رکھنے والے کی طرح ہے اور برے ہم نشین کی مثال بھٹی جلانے والے کی طرح ہے، مشک والے سے تُو کچھ لے نہ لے لیکن تجھے خوشبو آتی رہے گی جبکہ

بھٹی والا تیرے کپڑے جلائے گا یا بدبو سے پریشان کرے گا۔"

چالیس ابدال

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت کے چالیس ابدال ہیں جن میں بائیس شام میں، اٹھارہ عراق میں ہیں، جب ان میں سے کوئی وفات پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو قائم مقام کر دیتا ہے، جب قیامت قریب آئے گی تو سب اُٹھا لیے جائیں گے۔"

اس ضمن میں مزید احادیث انشاء اللہ آگے اپنے مقام پر درج کی جائیں گی۔

ولی اللہ

ولی

☆ ولی کے معنی ہیں دوست، مددگار، نزدیکی اور قریب (القاموس) وَلِیٌّ اس سے اسم ہے جس کے معنی ہیں قریب، محب، صدیق، مددگار۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

ترجمہ: ''یاد رکھو بے شک جو دوست ہیں اللہ کے نہیں ہے کوئی خوف ان کے لئے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔''

(سورہ یونس 10، آیت 62)

☆ تفسیر مظہری میں ولی کے معنی بیان کرتے ہوئے قاضی ثناء اللہ پانی پتی کہتے ہیں کہ صوفیاء کی اصطلاح میں ولی وہ ہے جس کا دل شب و روز ذکر الٰہی میں محو اور مصروف ہو اور اس کے دل میں محبت الٰہی کے سوا کسی غیر کے لئے جگہ نہ ہو اور وہ جس سے بھی نفرت یا محبت کرے وہ اللہ کی رضا کے لئے کرے۔

☆ شیخ الاکبر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں کہ ولی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت و رحمت سے چاروں دشمنوں یعنی خواہشات، نفس، شیطان اور دنیا سے جہاد کرنے کی طاقت و قدرت عطا فرما دی ہو۔

☆ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ولی اللہ کی شان میں یوں فرماتے ہیں:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

اگرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

یعنی ولی اللہ کی گفتگو دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی گفتگو ہوتی ہے اگرچہ بظاہر یہ بندۂ خدا کی زبان سے نکلتی ہے۔

☆ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ

غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو

ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

☆ امام عفیف الدین محمد بن عبداللہ یافعی یمنی کرامات اولیا میں فرماتے ہیں کہ:

''ولی اس کو کہتے ہیں جو اللہ اور اس کی صفات کا بقدر امکان عارف ہو، اللہ کے احکام کی اطاعت کرتا ہو، معاصی سے اجتناب کرتا ہو، لذات وشہوات سے اعراض کرتا ہے۔''

(شرح عقائد النسفیہ)

اولیاء جمع ہے ولی کی اور ولی مشتق ہے وِلایۃ یا وَلایۃ سے علامہ راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ:

''جب واؤ کے زیر کے ساتھ ہو تو اس کے معنی مدد کرنا کے ہیں اور اگر واؤ کے اوپر زبر ہو تو معنی ہیں کسی کام کا ذمہ دار اور انچارج بننا۔''

بعض علمائے لغت کے نزدیک دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔

کشف المحجوب میں حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

وِلایت اور وَلایت کا فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''وِلایت کا مطلب ہے ملکیت حق تعالیٰ۔ شیخ کا دل اللہ کے زیر اثر ہوتا ہے اور اللہ کی محبت سے سرشار ہوتا ہے، شیخ اور اللہ کے درمیان معاملہ وِلایت کا ہے جس سے وہ فیض حاصل کرتا ہے جب اس کا دل فیض سے منور ہو جاتا ہے تو وہ ولی اللہ کہلاتا ہے، شیخ اور خلق کے درمیان جو معاملہ ہے وہ وَلایت کا ہے جس سے خلق کو فیض پہنچتا ہے یعنی اللہ کا فیض ولی کے ذریعے مخلوق تک پہنچتا ہے۔''

☆ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ولی اور ولی اللہ کی تعریف یوں کی گئی ہے:

''ولایۃ اور ولی'' کا مادہ ''ول ی'' ہے لغوی معنی ہیں قریب ہونا، حکمرانی کرنا، کسی کی حفاظت کرنا، مربّی، قریب، سرپرست، محسن، حمایتی، دوست، اللہ کا مقرب، خدارسیدہ اور برگزیدہ آدمی۔''

☆ امام جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول ولی سے مراد عارف باللہ ہے جو جہاں تک ممکن ہو خدا کے احکام کی اطاعت کرتا ہے اور گناہوں سے اجتناب کرتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''ولی وہ ہے جس کو کوئی خوف نہیں ہوتا اس لئے کہ خوف اس چیز سے ہوتا ہے جس کے آنے کا دل کو خطرہ ہو بلکہ ولی وہ ہے جس کو نہ خوف ہو نہ امید۔ اسے نہ کسی چیز کے چھن جانے کا خوف ہو نہ کسی کے ملنے کی امید ہو وہ راضی بہ رضا ہو۔''

☆ صوفیاء کی اصطلاح میں ولی اس کو کہتے ہیں جو ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مستغرق رہے اس کے شب و روز تسبیح و تہلیل میں گزریں اس کا دل محبت الٰہی سے لبریز ہو

اوراس میں غیر کی گنجائش نہ ہو، وہ محبت کرے تو اللہ کے لئے ،نفرت کرے تو اللہ کے لئے ،اسی مقام کو فنا فی اللہ اور باقی باللہ بھی کہا جاتا ہے۔ان ہی کے بارے میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مردانِ خدا، خدا نباشد
لیکن ز خدا جدا نہ نباشد
گفته او، گفتهٔ الله بود
گرچه از حلقومِ عبد الله بود
اولیاء را هست قدرت از اِلٰه
تیرِ جسته باز گرداند ز راه

ترجمہ:

اللہ کے ولی خدا تو نہیں ہوتے
لیکن یہ خدا سے جدا بھی نہیں ہوتے
ان کا کہا ہوا، اللہ کا فرمودہ ہے
گرچہ وہ بندے کی زبان سے ادا ہوا ہے
اولیاء کو اللہ کی طرف سے یہ طاقت ودیعت ہوتی ہے
کہ وہ کمان سے نکلا ہوا تیر واپس لاسکتے ہیں

اس جہت سے ولی اللہ کے معنی ہوئے مقرب، اللہ کے قریب۔

قرب کی اقسام

قرب کی دو اقسام ہیں:

اوّل: وہ قرب جو ہر انسان بلکہ کائنات کی ہر شے کا اپنے خالق سے ہے اسی قرب کی بنا پر کائنات رواں دواں ہے اگر یہ قرب نہ رہے تو کائنات فنا ہو جائے اسی قرب کی طرف نحن اقرب الیہ من حبل الورید میں اشارہ کیا گیا ہے۔

دوئم: وہ قرب ہے جو صرف خاص بندوں کو میسر آتا ہے اسے قرب محبت کہتے ہیں۔

قرب کے درجات

اللہ کے قرب کے کئی درجات ہیں، قرب کا ابتدائی درجہ صرف ایمان سے حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا.

ترجمہ: ''اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔''

(سورۃ البقرہ 2، آیت 257)

ان سے بلند درجہ صوفیاء کا ہے جو فنا فی اللہ کے مقام پر ہوتے ہیں۔ ان کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام کا درجہ ہے اور سب سے بلند اور آخری درجے پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہیں۔

حصولِ ولایت کیسے؟

مرتبۂ ولایت پر فائز ہونے کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے صاحب تفسیرِ مظہری جناب ثناء اللہ پانی پتی صاحب فرماتے ہیں کہ:

''مرتبۂ ولایت کے حصول کی صرف یہ صورت ہے کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ آئینہ دل پر آفتاب رسالت کے انوار کا انعکاس ہونے لگے اور پرتو جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم قلب و روح کو منور کر دے۔''

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''حصول ولایت اور عشق الٰہی میں کمال حاصل کرنے کے لئے آدمی چار چیزوں کا خیال رکھے۔ کم کھانا، کم بولنا، کم سونا اور لوگوں سے کم ملنا، انسان کا دل جب دنیاوی اغراض ومقاصد سے پاک ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کا مقام بن جاتا ہے اس کا تعلق اللہ سے قائم ہو جاتا ہے پھر وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور اس کی مرضی سے کام کرتا ہے۔''

جیسا کہ سابقہ صفحات میں حدیثِ قرب میں بیان ہو چکا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ حصول ولایت کا نسخہ تین اجزاء سے مرکب ہے

اوّل: کسی ولی اللہ کی صحبت اختیار کرنا۔

دوم: اطاعت

سوم: ذکر اللہ کی کثرت

اس کے علاوہ اخلاص، توبہ، سجدہ، قطعِ ماسوا۔ مخالفت نفس، اتباع سنت اور لقمۂ حلال سے بھی ولایت کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔

منصبِ ولایت

غوث الصّمد انی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ الفتح الربانی میں فرماتے ہیں کہ

''خدا جب اپنے بندے کو دیکھتا ہے کہ میری تمنا میں وہ اپنی طبیعت اپنی شہوت اور خواہش کے گھیرے سے نکل آیا ہے، مخلوق کو رُخصت کر دیا ہے، خواہشات کو ترک کر دیا ہے اس کی حالت بدل گئی ہے تو اللہ اچانک اس پر اپنے قرب کا دروازہ کھول دیتا ہے اور اسے منصب ولایت تفویض کرتا ہے، اسے اپنی آغوش لطف میں لے لیتا ہے اور

اپنے فضل کے دستر خوان پر بٹھاتا ہے۔"

جب ان کو خلعت ولایت سے نوازا جاتا ہے تو اس پیکر نیاز کو وہ بلندی عطا کی جاتی ہے جسے دنیا رشک سے دیکھتی ہے۔

سنن ابی داؤد اور قرطبی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے بندوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ نبی ہیں نہ شہید لیکن قیامت کے دن قربِ الٰہی کی وجہ سے انبیاء اور شہداء اُن پر رشک کریں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ لوگ کون ہیں اور ان کے اعمال کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں، نہ ان میں کوئی رشتہ ہے نہ مالی منفعت۔ بخدا ان کے چہرے سراپا نور ہوں گے اور ان کو نور کے منبروں پر بٹھایا جائے گا جبکہ دوسرے لوگ خوفزدہ ہوں گے اور ان کو کوئی خوف نہ ہوگا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ " ترجمہ: "اولیاء اللہ کو نہ خوف ہے اور نہ حزن۔"

(سورہ یونس 10، آیت 62)

سید مقبول حسین صاحب اپنی کتاب "تصوف اور قرآن" میں لکھتے ہیں کہ:

"جب کسی شخص کی اللہ سے محبت اس حد تک بڑھ جائے کہ جو اللہ کی مرضی ہو وہ اس کی چاہت بن جائے تو ایسا شخص قرآن کی رُو سے اللہ کا دوست یعنی ولی اللہ بن جاتا ہے۔"

(تصوف اور قرآن)

اس تعلق کی وجہ

اللہ سے دوستی کا تعلق اور اس مقام پر پہنچنے کی ایک بنیادی وجہ بھی ہے وہ ہے اس کا اللہ کے ساتھ عظیم رُوحانی تعلق، جتنا کوئی شخص اس تعلق کو پہچانتا جاتا ہے اتنا ہی وہ اللہ کے قریب ہوتا جاتا ہے اور اسی قدر اس میں رُوحانیت پیدا ہوتی جاتی ہے، دیکھئے قرآن کریم میں اللہ اسی تعلق کا خود ذکر فرما رہا ہے:

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ.

ترجمہ: "جب کہا تیرے ربّ نے فرشتوں کو، میں مٹی سے ایک انسان بناتا ہوں، پھر جب اس کو ٹھیک سے بنا دُوں، اور اس میں اپنی رُوح پھونک دُوں، تو اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔"

(سورۃ ص 38، آیت 71 تا 72)

انسان ویسے ہی مسجود ملائک نہیں، اس میں دراصل اللہ کی رُوح ہے، یہ اسی لئے اللہ کا مقرب اور ولی بن جاتا ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہیں:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا.

ترجمہ: "اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیے جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام، وہ اس کی رضا چاہتے ہیں اور آپ کی آنکھیں ان سے نہ پھریں کہ آپ دنیا کی زندگی کی آرائش کے طلبگار ہو جائیں۔"

(سورۃ الکہف 18، آیت 28)

یہ آیت دراصل اللہ کے اولیاء کے لئے بہت بڑا اخراجِ تحسین ہے۔ اسی طرح عام مومنوں کو بھی سورۃ توبہ 9، آیت نمبر 119 میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ.

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو۔''

سورۃ کہف کی آیت نمبر 28 کی تفسیر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اکثر نہایت شکستہ حال غریب مخلص مومنین تھے جن میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ شامل تھے، اللہ نے ان کے بارے میں حکم فرمایا کہ ان غرباء کو چھوڑ کر متکبر دنیاداروں کی طرف نگاہ نہ اُٹھایئے گا، یہ امیر ہیں تو کیا ہوا دنیا کی ٹیپ ٹاپ محض فانی اور سایہ کی طرح ڈھلنے والی ہے۔

حدیث پاک

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

''ایک دفعہ قبیلہ مضر کا سردار عینیہ بن حصن ایمان لانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا وہاں پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، اور دیگر غریب صحابی بیٹھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب ہو رہے تھے، عینیہ بن حصن کہنے لگا کہ ہمارا تو جی چاہتا ہے کہ آپ کے پاس بیٹھیں لیکن آپ کے گرد یہ بدبودار کپڑوں والے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں، ان کو آپ اپنے پاس سے اُٹھا دیں تاکہ ہم آ کر آپ پر ایمان لے آئیں، اسی وقت حضرت جبریل علیہ السلام

تشریف لائے اور اللہ کا یہ حکم سنایا (وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ ...... سورۃ الکہف۔آیت 28) جس پر آپ نے عینیہ بن حصن کی بات نہ مانی اور وہ منہ بنا کر چلا گیا اور اس نے اسلام قبول نہ کیا۔"

ولی اللہ کی پہچان

تفسیر مظہری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اولیاء اللہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اِذَا دُعُوْا ذِكْرُ اللّٰه.

"جن کو دیکھنے سے خدا کی یاد آئے۔"

(بغوی)

ایک اور حدیث جو حضرت اسماء بنت یزید سے مروی ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"سنو! کیا میں تمہیں آگاہ نہ کروں کہ تم میں سے اچھے لوگ کون ہیں؟"

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ضرور بتایئے۔تو حضور ﷺ نے فرمایا:

"وہ جن کو دیکھنے سے خدا یاد آئے۔"

طبقاتِ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ میں شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

"اللہ کی طرف سے جس کی دوستی ثابت ہو جائے وہ موت کو برا نہیں سمجھتا یہ ایک ترازو اور معیار ہے اولیائے کرام اور صوفیائے کرام کو

پر کھنے کا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ’’پس اگر تم سچے ہو تو مرنے کی تمنا کرو۔‘‘

کون ولی نہیں ہو سکتا

تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ شریعت مطہرہ کا انکاری ولی نہیں ہو سکتا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

’’کسی نے مجھے بتایا کہ فلاں شہر میں ایک ولی اللہ ہے میں ان کی زیارت کے ارادے چلا، جب ان کے گھر کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہ گھر سے نکل کر مسجد میں داخل ہوئے اور قبلہ رُو ہو کر کلی کر دی، میں جو اس کے پیچھے تھا اسی وقت دُعا سلام کئے بغیر واپس آ گیا اور دل میں کہا کہ ولی اللہ کو چاہیے کہ شریعت مطہرہ کی پابندی کرے اور شعائر اللہ کی عزت کرے اگر یہ شخص ولی ہوتا تو کبھی مسجد میں قبلہ رُو ہو کر کلی نہ کرتا، اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اے بایزید! تم نے وہ کام کیا جس کی برکت سے اللہ نے تمہارے درجات بلند کر دیئے ہیں۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں دوسرے دن ہی اس درجہ پر پہنچ گیا تھا جس پر آج تم جسے دیکھ رہے ہو۔‘‘

پس ثابت ہوا کہ شریعت کی کسی معمولی بات پر بھی عمل نہ کرنے والا ولی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شریعت ولایت کی کسوٹی ہے۔

اولیاء اللہ کی اقسام

اولیاء اللہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو طالب اور مرید ہیں دوسرے وہ جو مطلوب

اور مراد ہیں، ایک وہ جو محب ہیں اور ایک وہ جن کو محبوبیت کی خلعت فاخرہ سے نوازا گیا ہے۔ اولیاء میں قوتیں بھی دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک اثر قبول کرنے کی قوت دوسرے اثر ڈالنے کی قوت پہلی قوت سے وہ بارگاہِ الٰہی سے فیض و تجلی قبول کرتے ہیں اور دوسری قوت سے وہ عامۃ الناس کو فیض پہنچاتے ہیں۔

جن لوگوں کو خلعت محبوبیت سے نوازا جاتا ہے، ان کے بارے میں صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے کہ:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔ جبریل علیہ السلام بھی اس بندے سے محبت کرتے ہیں اور تمام آسمان میں منادی کر دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ سب اہل آسمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں تو اہل زمین میں اس کا چرچا ہو جاتا ہے اور وہ مرجع خلائق بن جاتا ہے۔"

چنانچہ عام مشاہدہ ہے کہ اولیاء اللہ کو لوگ دنیاوی زندگی میں بھی عزت و احترام سے دیکھتے ہیں اور ان کے دُنیا سے رُخصت ہونے کے بعد بھی محبت کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔

ولی کی مخالفت

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میرے ولی سے عداوت باندھے میرا اس سے اعلانِ جنگ ہے۔"

الابریز میں شیخ عبدالعزیز دباغ الحسنی الادریسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو بدبختی میں ثابت قدم کر دے اور ان کے نصیب میں کسی ولی کے فیض کا حصول نہ ہو تو وہ لوگ اولیاء کی مخالفت میں مزید پختہ ہو جاتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ولی بھی ان ہی کی مانند ہیں۔''

الفتح الربانی میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''اولیاء کرام سے حسنِ ظن نہ رکھنے والے اور ان کی غیبت کرنے والے منافق ہیں، ان کے لئے شیخ نے بددُعا بھی کی ہے۔''

ولی کی معیت

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''حدیث پاک میں ہے کہ جن کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوں اللہ ان کے چہروں کو جہنم سے سو سال کی دُوری پر کر دیتا ہے پھر آپ نے فرمایا جو شخص کسی ولی کی معیت میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے چلا اس کا چہرہ بھی جہنم سے دُور کر دیا جائے گا۔''

اولیاء کی غذا

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ الفتح الربانی میں فرماتے ہیں کہ:

''فرشتوں کا کھانا پینا اللہ کا ذکر اور تسبیح ہے، اولیاء اللہ میں سے بھی بہت سے افراد ایسے ہیں جن کی غذا بھی یہی ذکر، تسبیح و تحلیل ہے ان کے بارے میں ایک حدیثِ قدسی ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن

اپنے مومن بندوں سے فرمائے گا کہ ''تم نے مجھے میری ساری مخلوق پر یعنی دنیا و آخرت پر ترجیح دی لہٰذا میرا دیدار اور میرا قرب بھی تمہارے لئے ہے اور تم ہی میرے سچے بندے ہو۔''

آپ نے پھر فرمایا:

''بعض اولیاء اللہ ایسے بھی ہیں کہ جو آج بھی جنت کا کھانا کھاتے اور وہاں کا پانی پیتے ہیں اور جنت کا نظارہ کرتے ہیں، ان ہی اولیاء کی برکت سے زمین پر پانی برستا ہے اور سبزہ اُگتا ہے اور مخلوق سے بلائیں دُور ہوتی ہیں۔''

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا چونکہ قلندری کے بلند مرتبے پر فائز تھیں لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جہاں صوفی اور ولی کے بارے میں معلومات بہم پہنچائی گئیں ہیں، قلندر کے بارے میں بھی کچھ عرض کیا جائے کہ قلندر کون ہوتا ہے ان کا طریقہ کیا ہے؟

قلندر کون؟

قلندر خلوت گزیں، تہجد گزار اور نفسانی لذتوں سے پاک آدمی ہوتا ہے جس کی ذات میں دلیری، دیانت، عجز و انکساری، قناعت اور عشق الٰہی بہ تمام و کمال موجود ہوں۔ ایک بزرگ کا فرمان ہے کہ اپنے آپ کو دنیاوی خواہشات سے مجرد رکھنے اور نفس کو معبود کے تابع کر دینے کو قلندری طریقت کہتے ہیں۔

قلندری طریق والے فرض سے زیادہ نہ نماز پڑھتے ہیں اور نہ ظاہری عابدوں کی طرح عبادت کرتے ہیں بلکہ مخفی طریقہ سے اللہ کی طرف رُجوع کرتے ہیں، دنیا کی دولت سے بے نیاز ہو کر یہ اپنے فرائض کی بجا آوری میں منہمک رہتے ہیں۔ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی قلندری کا یہی مفہوم بیان ہوا ہے، ان کے نزدیک بھی قلندر وہ ہے

جس کے دل میں دنیا کے خطرات اور مشکلات کا خوف نہ ہو چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

قلندری طریقہ

قلندروں کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ وہ کسی کے گھر جا کر کھانا نہیں کھاتے خواہ وہ سفر میں ہوں۔ ہاں ان کی جائے رہائش پر کوئی کھانے پینے کی چیز خلوص دل سے پیش کرتا ہے تو وہ قبول کر لیتے ہیں بشرطیکہ صدقہ، خیرات یا زکوٰۃ میں سے نہ ہو۔ قلندروں کی مجالس میں دنیا کی فضول باتیں قطعاً نہیں ہوتی، وہ نہایت پاکباز اور خوددار ہوتے ہیں، شرک، فسق و فجور، نفاق اور اختلافات سے بالکل گریزاں ہوتے ہیں۔ قلندر بڑے صابر و شاکر اور باہمت ہوتے ہیں، وہ کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے اور ہر حال میں خوش اور راضی بہ رضا ہوتے ہیں، ان کی صحبت سے قلوب انسانی کو راحت نصیب ہوتی ہے کیونکہ یہ بڑے صادق القول، عابد اور کشادہ دل ہوتے ہیں۔ انہی کی محبت کے بارے میں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

حب درویشاں کلید جنت است

باب ۹

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی کرامات

کرامت

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اپنے فضل اور فیوضات رُوحانیہ سے نوازتا ہے تو کائنات کی ہر چیز ان کے تابع تسخیر ہو جاتی ہے اور اگر وہ چاہیں تو خدا کے حکم سے ہر چیز پر تصرف کر سکتے ہیں۔

کرامت کے معنی

لغت کے مطابق کرامت کے معنی بزرگی اور عزت کے ہیں وہ حیرت انگیز اور خلافِ عادت کام جو ولی اللہ کے ساتھ سے ظاہر ہو کر اس کی بزرگی بڑھائے اور عزت ظاہر کرے تقرب الی اللہ کو ظاہر کرے اس کو کرامت کہتے ہیں۔

کرامت علماء کی نظر میں

۱۔ اپنی کتاب کراماتِ اولیا میں امام محمد بن عبداللہ عفیف الدین یافعی یمنی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ:

''کسی نبی کے متبع کامل سے خلاف عادت کوئی بات یا واقعہ ظاہر ہو اس کو کرامت کہتے ہیں کرامت کے ظہور کے لئے ضروری نہیں کہ ولی کو اس کا علم بھی ہو یا اس کا ارادہ بھی ہو۔''

اس تعریف کی روشنی میں کرامت کی تین اقسام ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

۲۔ امام جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کسی شخص سے خلاف عادت امر کا ظہور ہو وہ کرامت ہے۔

۳۔ علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ شرح عقائد میں فرماتے ہیں کہ:

''اس خلاف عادت کام کا نام کرامت ہے جو کسی نیک بندے سے ظاہر ہو، نبوت کے دعوے کے ساتھ نہ ہو بلکہ صاحب ولایت سے متعلق ہو۔''

۴۔ علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کسی نیک بندے سے عادت کے خلاف کسی کام کا ظہور ہونا کرامت ہے بشرطیکہ وہ شخص نبوت کا مدعی نہ ہو۔''

(النبراس)

خوارق عادات کاموں کی اقسام

خلاف عادات کاموں کی کئی اقسام ہیں مثلاً ایک خلاف عادت کام ایک نبی کرتا ہے یا کوئی ولی کرتا ہے یا عام مسلمان کرتا ہے یا کوئی کافر وفاجر کرتا ہے یا کوئی جادوگر کرتا ہے تو کیا اس کے نام یکساں ہیں؟ اس بابت تذکرۃ الانبیاء میں حافظ قاضی عبدالرزاق چشتی صاحب نے ان اقسام کے نام گنوائے ہیں جو پیش خدمت عالی ہیں:

ا۔ معجزہ:

عادت کے خلاف کسی واسطے کے بغیر مدعیٔ نبوت سے بعد از اعلان نبوت کسی کام کا سرزد ہونا معجزہ کہلاتا ہے جبکہ عادت کے مطابق کام کو معجزہ نہیں کہتے۔

۲۔ ارہاص

کسی نبی سے اعلان نبوت سے پہلے عادت کے خلاف کوئی کام ہو جائے تو اُسے ارہاس کہتے ہیں جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارے میں کلام کرنا۔

۳۔ کرامت:

اللہ کے ولی سے کوئی کام عادت کے خلاف سرزد ہو جائے تو اس کو کرامت کہا جاتا ہے۔

۴۔ معونت:

عام مومن جو فاسق و فاجر ہو لیکن ولی بھی نہ ہو، اگر اس سے کوئی خلاف عادت کام ہو جائے تو اسے معونت کہا جاتا ہے۔

۵۔ استدراج:

کسی فاسق و فاجر یا کافر کے ہاتھوں خلاف عادت کسی کام یا واقعے کا ہو جانا استدراج کہلاتا ہے۔

استدراج کا مطلب ہے آگ کی طرف پہچانا۔

۶۔ اہانت:

کافر یا جھوٹے مدعی نبوت سے کوئی خلاف عادت کام ہو لیکن اس کی مرضی و مقصود کے خلاف نتیجہ نکلے تو اس کو اہانت کہتے ہیں جیسے مسیلمہ کذاب نے اپنا کمال ظاہر کرنے کے لئے کلی کر کے پانی کنویں میں ڈالا لیکن وہ میٹھا ہونے کے بجائے کڑوا ہو گیا، اسی طرح اس نے ایک شخص جس کی ایک آنکھ خراب تھی کو ٹھیک کرنے کے لئے اس کی آنکھ پر ہاتھ پھیرا تو اس کی دوسری آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔

۷۔ سحر

شریر لوگ اپنے شیطانی اعمال و امداد سے جو خلاف عادت کام کرتے ہیں یا شعبدہ بازی کرتے ہیں اس کو سحر یا جادوگری کہا جاتا ہے۔

کرامت کی اقسام

کرامت کی تین اقسام ہیں جو درج ذیل ہیں۔ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

۱۔ ایک قسم کرامت کی یہ ہے کہ اس کا علم بھی ہو اور اس کا ارادہ بھی ہو جیسے حضرت آصف بن برخیاہ علیہ السلام کا ملکہ بلقیس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں لے آنا یا جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کی طغیانی روکنے کے لئے جو فرمان بصورت خط لکھا تھا اس کرامت میں یہ دونوں باتیں علم و قصد و ارادہ پائی جاتی ہیں (تاریخ الخلفاء از علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ) اسی طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا زہر پی جانا اور آپ کو اس کا اثر تک نہ ہونا۔

(حلیۃ الابرار از ابونعیم الاصفہانی)

۲۔ دوسری وہ قسم ہے کہ جس میں علم ہو مگر ارادہ نہ ہو جیسے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے پاس کھانا اور بے موسمی پھل آجاتے تھے۔

۳۔ تیسری قسم یہ ہے کہ نہ علم ہو نہ ارادہ اور کرامت واقع ہو جائے جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانا اور کھانے کا دو تین گناہ ہو جانا۔ اسی وجہ سے بعد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تعجب کا اظہار کیا تھا کیونکہ آپ کو نہ اس کا علم تھا نہ ارادہ۔

کرامت کا مزید اقسام

کرامت کی مزید دو اقسام ہیں ایک حسی کرامت اور ایک معنوی کرامت۔

☆حسی کرامت

عام لوگ حسی کرامت کو ہی کرامت سمجھتے ہیں مثلاً دل کی بات پر مطلع ہونا، پانی پر چلنا، ہوا میں اُڑنا، ایک ہی وقت میں کئی جگہ نظر آنا، ذرا سی دیر میں زیادہ فاصلہ طے کر لینا، بے موسم کے پھل لا دینا وغیرہ۔ یہ باتیں ریاضت مجاہدے اور دیگر علوم کی مدد سے غیر مسلم، جوگی، جادوگروں اور فاسق و فاجر مسلمانوں سے بھی صادر ہو جاتی ہیں علاوہ ازیں آج کل مسمریزم، ٹیلی پیتھی، ہپناٹزم، نظر بندی سے بھی ایسے کام ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ہمزاد، عملیات، نقوش، طلسمات، شعبدات اور ادویات کی تاثیر عجیبیہ سے بھی ایسے کام ظاہر ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ کرامات نہیں، اسی وجہ سے کرامت کو ولی کی پہچان کا معیار مقرر نہیں کیا گیا۔

☆معنوی کرامت

معنوی کرامت یہ ہے کہ شریعت کی مکمل پابندی، مکارم اخلاق کا خوگر ہو جانا،

اعمال صالح، نیک کاموں کا پابندی اور بے تکلفی سے صادر ہونا اخلاق رذیلہ، کبر، حسد، ریا، کینہ، حب جاہ، حب مال، حرص، لالچ سے پاک ہونا، یہ ہے کہ وہ سب سے بڑی کرامت جس میں استدراج کا بھی احتمال نہیں، ولی کی اصلی شناخت اور پہچان بھی دراصل یہی معنوی کرامت ہی ہے۔

کیا کرامت ممکن ہے

جی ہاں بالکل ممکن ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ جب وہ بندے جو فاسق و فاجر ہیں غیر مسلم ہیں، ان کے ہاتھوں سے خوارق عادات کام سرانجام پاتے ہیں تو مومنوں اور اللہ کے ولیوں کو تو بدرجہ اولیٰ یہ حق حاصل ہونا چاہیے ان کے ہاتھوں کرامات کا ظہور اللہ کے حکم اور اس کی مرضی اور منشا کے مطابق ہوتا ہے جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان نیک بندوں کی لوگوں کی نظر میں بزرگی اور عزت بڑھانا چاہتا ہے۔ کرامت ولی کے لئے اللہ کی نعمت ہے۔

کرامت کا ثبوت قرآن کریم سے

ا۔ قرآن کریم سے اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی کرامت کا ثبوت ملتا ہے، ہم سب جانتے ہیں کہ سیدۃ النساء حضرت مریم سلام اللہ تعالیٰ علیہا نبی نہیں تھیں، وہ صغرِ سنی سے حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت و نگرانی میں بیت المقدس کے ایک بلند مخصوص کمرے میں رہتی تھیں اس مخصوص جگہ پر کسی کو جانے کی اجازت نہ تھی لیکن چونکہ زکریا علیہ السلام آپ کے نزدیکی عزیز اور سرپرست تھے لہٰذا وہ جا کر آپ کا حال پوچھتے تھے۔

ایک دن حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے حجرے میں

گئے تو دیکھا کہ ان کے پاس کھانا اور بے موسم کے پھل اور میوے پڑے ہوئے ہیں، آپ نے پوچھا اے مریم! یہ پھل کہاں سے آئے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ (هو من عند الله) یہ اللہ کی طرف سے آئے ہیں سورۃ آل عمران پارہ تین رکوع چار کی اس آیت میں اسی واقعے اور کرامت کا ذکر ہے۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ.

ترجمہ: ''جب حضرت زکریا علیہ السلام ان کے پاس آتے نماز پڑھنے کی جگہ تو اس کے پاس نیا رزق پاتے۔ کہا اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ وہ بولیں یہ اللہ کے پاس ہے بے شک اللہ جسے چاہے بے حساب دے۔''

(سورۃ آل عمران 3، آیت 37)

۲۔ قرآن کریم میں ہی ایک غیر نبی آصف بن برخیاہ کی کرامت کا ذکر ہے آپ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی تھے آپ کے پاس کتاب کا علم تھا اور کرامت کے ذریعے آپ پلک جھپکنے میں ملکہ بلقیس کا تختِ شاہی یمن سے بیت المقدس یروشلم لے آئے تھے، کرامت کا یہ واقعہ سورۃ نمل میں بیان ہوا ہے۔

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۝ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۖ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ قف لِيَبْلُوَنِيْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ

أَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ۝

ترجمہ: ''سلیمان (علیہ السلام) نے کہا اے سردارو! تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لائے گا؟ اس سے قبل کہ وہ میرے پاس فرمانبردار ہو کر آئیں۔ کہا جنات میں سے ایک قوی ہیکل نے، بے شک میں اس کو آپ کے پاس اس سے قبل لے آؤں گا کہ آپ اپنی جگہ سے کھڑے ہوں اور میں بے شک اس پر البتہ قوت والا امانت دار ہوں۔ اس شخص نے کہا جس کے پاس کتاب (الٰہی) کا علم تھا، میں اس کو آپ کے پاس اس سے قبل لے آؤں گا کہ آپ کی آنکھ پلک جھپکے، پس جب سلیمان (علیہ السلام) نے (اچانک) اسے اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو آپ نے کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں؟ اور جس نے شکر کیا تو پس وہ اپنی ذات کیلئے شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو بے شک میرا رب بے نیاز کرم کرنے والا ہے۔''

(سورۃ النمل 27، آیت 38 تا 40)

۳۔ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے، حضرت خضر علیہ السلام بھی غیر نبی ہیں لیکن ان کے ہاتھوں کئی کرامات کا ظہور ہوا۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا.

ترجمہ: ''پھر انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ (خضر علیہ السلام)

کو پایا، اسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی، اور ہم نے اپنے پاس سے علم دیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اس سے کہا کیا میں تمہارے ساتھ چلوں؟ اس (بات) پر کہ تم مجھے سکھا دو اس بھلی راہ میں سے جو تمہیں سکھائی گئی ہے"۔

(سورۃ الکہف 18، آیت 65 تا 66)

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے ولیوں سے کرامات کا صدور ممکن ہے۔

مفسرین کا استدلال

سورۃ آل عمران کی درج بالا آیات کی تفسیر میں جو کچھ مفسرین نے اپنی تفسیر کی کتابوں میں تحریر فرمایا ہے وہ پیش خدمت ہے:

تفسیر رُوح البیان

واستدل بالاية علىٰ جواز الكرامة للاولياء لان مريم لا نبوة لها وهذا وهو الذى ذهب اليه اهل السنة.

"اس آیت کے ساتھ اولیاء کرام کے لئے کرامت کے جائز ہونے پر استدلال کیا گیا ہے اس لئے کہ حضرت مریم نبی نہ تھیں اور یہی طریق اہل سنت نے اختیار کیا۔"

تفسیر بیضاوی

وهو دليل علىٰ جواز الكرامة للاولياء.

"اور یہ آیت اولیاء کرام کے لئے کرامت پر دلیل ہے۔"

تفسیر کبیر

واحتج اصحابنا علیٰ صحۃ القول بکرامۃ الاولیاء بھذہٖ الایۃ.

''ہمارے اصحاب نے اس آیت سے یہ دلیل اخذ کی ہے کہ اولیائے کرام کے لئے کرامت کا قول بالکل صحیح و درست ہے۔''

خزائن القران

یہ آیات کرامات اولیاء کے ثبوت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں پر خوارق ظاہر فرماتا ہے۔

تفسیر ضیاء القرآن

اس آیت سے علمائے اہل سنت نے اولیائے کرام کی کرامتوں کا برحق ہونا ثابت کیا ہے، کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام نبی نہ تھیں، بے موسم پھلوں کا آپ کے پاس پایا جانا آپ کی کرامت تھی۔

ان تمام تفاسیر سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو کرامت کی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے۔

کرامت کا ثبوت احادیث سے

امام عفیف الدین محمد بن عبد اللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''کرامات اولیاء'' میں کرامات کے ثبوت میں درج ذیل احادیث پیش کی ہیں:

۱۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں جریج راہب کا قصہ آیا ہے کہ انہوں نے ایک شیر خوار بچے سے دریافت کیا کہ اے لڑکے! تیرا باپ کون ہے تو وہ بول اُٹھا کہ میرا باپ ایک چرواہا ہے۔

۲۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غار والوں کا قصہ بیان کیا ہے جنہوں نے ایک غار میں پناہ لی تو اچانک ایک چٹان لڑھک کر غار کے منہ پر آ گری جس سے غار کا منہ بند ہو گیا، غار میں موجود تمام لوگوں نے اپنے اپنے نیک عمل اللہ تعالیٰ کے آگے پیش کر کے ان کے وسیلے سے دُعا مانگی تو چٹان ہٹ گئی اور وہ قید سے نجات پا گئے۔

۳۔ ایک حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے مہمانوں کا قصہ مذکور ہے جن کا کھانا تین گنا ہو گیا تھا۔

۴۔ مشکوٰۃ شریف باب الکرامات اور بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ آپ نے فرمایا (یا ساریة الی الجبل)، لوگ حیران ہو گئے بعد میں معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا ایک دستہ نہاوند کے مقام پر میدان جنگ میں شکست کے قریب تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبے کے دوران دستے کے سالار حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی کہ پہاڑ کی طرف ہو جاؤ جس کی وجہ سے وہ شکست سے بچ گئے اور فتح پائی۔

۵۔ مشکوٰۃ شریف باب الکرامات میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبادہ بن بشیر رضی اللہ عنہ رات گئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے واپس لوٹ رہے تھے کہ اندھیرے میں ان میں سے ایک کے ہاتھ کی چھڑی روشن ہو گئی اور وہ بخوبی اس روشنی میں چل کر اپنے گھروں کو پہنچے۔

ان احادیث سے بھی یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے خاص بندوں کو کرامات عطا کی جاتی ہیں اور اس میں کوئی حیرانی والی بات نہیں ہے کیونکہ بخاری شریف میں ایک حدیثِ قدسی بیان ہوئی ہے جو اس سلسلے میں قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس طرح نوازتا ہے کہ وہ کارکشا اور کارساز بن جاتے ہیں حدیث قدسی یہ ہے کہ:

"بندہ نفلی نمازوں سے میرا تقرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں۔ حتیٰ کہ اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے عطا کرتا ہوں، بندہ پناہ مانگتا ہے تو میں پناہ دیتا ہوں۔"

اس حدیث کے بعد اس ضمن میں مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی۔

کرامت ولایت کی دلیل نہیں

الابریز ملفوظات قبلہ عبد العزیز دباغ الحسنی الادریسی رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ شیخ احمد بن مبارک العلجاسی رحمۃ اللہ علیہ میں منقول ہے کہ کرامت دلیلِ ولایت نہیں کیونکہ اس سے دیکھنے والے کے ذہن میں ولی کے متعلق یہ بات آتی ہے کہ وہ ہر بات پر قادر ہے اور اس میں خدائی صفات پیدا ہوگئی ہیں یعنی وہ جو چاہے کرسکتا ہے، اس وجہ سے کرامت کو ولایت کا معیار نہیں بنایا گیا۔

کرامت ولایت میں نہ مقصود ہے نہ مطلوب نہ لازم۔ اگرچہ علامۃ الناس ان کو اہمیت دیتے ہیں لیکن کرامات و کشف شرعی مسائل میں حجت نہیں ہیں۔ ولایت کے لئے

کرامت کا اظہار اس لئے بھی ضروری نہیں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ایک بھی کرامت ظاہر نہیں ہوئی حالانکہ ان سب کو اللہ تعالیٰ سے قرب بھی حاصل تھا اور اولیاء کرام پر تفوق بھی۔ فضیلت کا مدار کرامات پر نہیں بلکہ تقویٰ اور اخلاق پر ہے۔

اس بابت تفصیل ''احیا العلوم الدین'' کے باب کتاب القلب کے مضامین میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے اور اپنے محققانہ رسائل القسطاس المستقیم میں بھی۔ جبکہ امام ربانی نے اپنے مکتوبات میں زور دے کر کہا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بالاجماع انبیائے کرام کے بعد سب لوگوں سے افضل ہیں اور اولیائے امت سے بڑھ کر مرتبہ و درجہ رکھتے ہیں لیکن ان سے بہت کم خارق عادات منقول ہیں تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ وہ کرامات والے اولیاء سے کم تر ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں اصل بات یہ ہے کہ خارق عادات کا ظہور ولایت یا افضیلت کا معیار نہیں اس بابت خواجہ عبد اللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے:

> ''اگر بروئے دریا روی خسے باشی، و اگر بر ہوا پری مگسے باشی، دل بدست آر تا کسے باشی۔''
>
> ''یعنی اگر تُو دریا پر چل سکتا ہے تو ایک تنکے کے برابر ہے کیونکہ وہ بھی پانی پر تیر سکتا ہے اور اگر تُو ہوا میں اُڑ سکتا ہے تو بھی ایک مکھی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ وہ بھی اُڑ سکتی ہے، ہاں اگر تُو اپنا دل قابو میں کر لے تو آدمی بن سکتا ہے اور دل کو قابو کرنا ہی دراصل ولایت ہے۔''

صحابہ کرام سے کم اور اولیاء کرام سے کرامات کا زیادہ ظہور کیوں؟

امام عفیف الدین محمد بن عبد اللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے ایمان

قوی تھے انہیں اس کی ضرورت نہیں تھی کہ کرامات سے ان کو تقویت دی جاتی جبکہ دوسروں کے ایمان میں وہ قوت نہیں ہوتی اس لئے ان کو اظہارِ کرامت سے یقین اور ایمان کی قوت دی جاتی ہے عارف باللہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

> ''کرامات بندے پر اس لئے کھولے جاتے ہیں تا کہ ان کا ضعیف ایمان قوت پذیر ہو جائے اور جن لوگوں سے کرامات کا ظہور ہوتا ہے ان سے بھی اوپر ایک اور گروہ ہے جن کے قلوب سے حجاب اُٹھا دیئے گئے ہیں اور ان کے قلوب یقین سے زندہ ہیں، اب انہیں خوارق و کرامات کی حاجت نہیں اور نہ آیات قدرت کی ضرورت ہے، اس وجہ سے کرامات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت کم منقول ہیں اور متاخرین مشائخ سے زیادہ۔''

بعض اولیاء کرام بھی کرامت ظاہر نہیں کرتے

بعض اولیائے کاملین کا مقام غلبہ عبودیت و رضا کا ہوتا ہے اس لئے وہ کسی شے پر تصرف نہیں کرتے، وہ دوست کی رضا میں راضی بہ رضا رہتے ہیں حالانکہ ان میں اللہ کی طرف سے کرامات کی قوت بھی ودیعت ہوتی ہے۔

کرامت حجاب ہے

الفتح الربانی میں محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> ''کرامت کی خواہش نہ کر، تا کہ تجھے قرب خداوندی اور مصاحبت نصیب ہو، جب تجھے دائمی ہم نشینی ہوگی تو وہ تجھے کھلائے گا اور تُو کھائے گا، وہ تجھے پہنائے گا اور تُو پہنے گا ان کرامات کی تمنا حجاب ہے۔''

اخفا ضروری ہے

آپ فرماتے ہیں کہ پہلے جب کسی بزرگ سے کرامت سرزد ہو جاتی تھی تو وہ دیکھنے والوں سے عہد لیتے تھے کہ اس کا ذکر مرتے دم تک کسی سے نہ کرنا، صاحب کرامت کو حکم ہے کہ وہ کرامت کو چھپائے یہاں تک کہ تقدیر الٰہی اس کو ظاہر کرنے کا حکم دے تو پھر ظاہر کرے یہی بات امام محمد بن عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کی ہے کہ:

"بزرگوں کا ارشاد ہے کہ کرامت کا اخفا ضروری ہے لیکن جہاں اذنِ الٰہی ہو یا غلبہ حال ہو یا عقیدے کی تقویت کے لئے ضروری ہو وہاں ولی کو اس کے اظہار کی اجازت ہے۔"

جائزہ

گرچہ خرق عادت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ریاضت شاقہ سے انسان میں ایسی قوت پیدا ہو جاتی ہے جو انسانی فطرت کی عام سطح سے بالا اور بلند ہے پھر جن پاک نفوس نے اپنی قوت ارادی اور ہستی خدائے قدیر میں جذب کر دی ہو ان سے غیر معمولی واقعات کا ظہور ناممکنات میں سے نہیں۔ ان کے تمام افعال خدا کی مرضی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں جیسا کہ ہم اسی باب میں درج ایک حدیث قدسی میں دیکھ چکے ہیں لیکن اس کے باوجود صوفیائے کرام کرامات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ لیکن جہاں قدرت کو منظور ہو وہاں کرامت سرزد ہو جاتی ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ:

"صوفیاء کو ایسی عبادات اور دُعاؤں کی قبولیت پر خوشی نہیں ہوتی جن میں کرامات ہوں مثلاً پانی پر چلنا، ہوا میں اُڑنا، آسمان پر چڑھنا وغیرہ کیونکہ ایسی دُعائیں تو کافروں کی بھی قبول ہو جاتی ہیں۔"

ابونعیم الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ اور عبدالروف المناوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں:

''حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہا میں نے سنا ہے تم ہوا میں اُڑ سکتے ہو، بایزید نے کہا اس میں حیرت کی کیا بات ہے، ایک پرندہ جو مُردے کھاتا ہے وہ اگر ہوا میں اُڑ سکتا ہے تو مومن تو پرندے سے بہت افضل ہے لہٰذا وہ کیوں نہیں اُڑ سکتا۔''

''حیات ابدی'' میں مصنفہ کلیم النسا بیگم، یحییٰ ابن منافد کے حوالے سے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مناجات بیان کرتی ہیں کہ:

''آپ فرماتے ہیں اے اللہ جو تجھ سے کرامات کے طالب ہیں تُو ان کو کرامات عطا کر لیکن میں تجھ سے تیری ذات طلب کرتا ہوں۔''

ہاتفِ غیبی سے آواز آئی:

''تُو ہی میرا خاص بندہ ہے۔''

ظہورِ کرامت کا وقت

الفتح الربانی میں محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''اے شخص اپنی ذات کو حقیر سمجھ، اپنے حال کو لوگوں سے چھپا اور جب تک نصیحت کے اظہار کی اجازت نہ ملے کرامت کا اظہار نہ کر۔''

ابن شمعون رحمۃ اللہ علیہ سے جب کوئی کرامت ظاہر ہو جاتی تو فرماتے یہ دھوکہ ہے اور شیطانی مکر۔ پھر انہیں حکم ہوا کہ ''میری ہر نعمت کا اظہار کیا کرو۔''

ظہور کرامت میں خوف

اولیاء کاملین ظہورِ کرامت کے وقت بہت ڈرا کرتے ہیں کہ کہیں خودنمائی یا خود آرائی نہ ہو یا اس کی وجہ سے شہوت وامتیاز کے جال میں پھنس کر ہلاک نہ ہوں۔

کاش کرامت ظاہر نہ ہوتی

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''بعض اہلِ کرامت نے مرنے کے وقت تمنا کی کہ کاش ہم سے کرامات ظاہر نہ ہوتیں تا کہ ان کا عوض بھی آخرت میں پاتے۔ کیونکہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ مومن کو جس نعمت کی دنیا میں جس قدر کمی ہوگی اس کا اَجر آخرت میں اتنا ہی زیادہ ملے گا۔''

کراماتِ حضرت رابعہ بصری رحمہا اللہ

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ان برگزیدہ ہستیوں اور خاصانِ خدا میں سے ایک تھیں جن پر حق تعالیٰ کے فیوضاتِ رُوحانیہ کی مسلسل بارش ہوتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں خصوصی فضل وکرم سے نوازا تھا لہٰذا آپ کی ذات سے کافی کرامات کا ظہور رہا۔ آپ حتیٰ الامکان کوشش کرتی تھیں کہ آپ کی کرامات پردۂ اخفا میں رہیں بلکہ آپ کرامات کو قرب الٰہی کی دلیل بھی نہیں سمجھتی تھیں اور نہ کرامات ان کے نزدیک ولایت کا معیار تھیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک واقعہ کے بعد وہ اپنے ساتھی سے فرماتی ہیں کہ:

''پانی پر چلنا کون سے کمال کی بات ہے یہ تو چھوٹی مچھلیاں بھی کرسکتی ہیں اور ہوا میں اُڑنا کون سا مشکل کام ہے یہ تو حقیر مکھیاں بھی کرسکتی ہیں جبکہ حقیقت کا ان دونوں سے تعلق نہیں ہے۔''

اس کے باوجود جہاں جہاں اذنِ ربی ہوا وہاں وہاں آپ سے کرامتوں کا صدور ہوا آپ کے تقریباً تمام تذکرہ نگاروں اور سوانح نگاروں نے ان کرامات کا ذکر کیا ہے بلکہ عالم یہ ہے کہ آپ کے حالات زندگی کم اور کرامات زیادہ ہیں اب ہم ان کرامات کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔

خدا کی نگہبانی

تذکرۃ الاولیاء میں شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ:

''ایک رات ایک چور حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی کوٹھڑی میں آیا جب کہ آپ سو رہی تھیں اس نے آپ کی چادر چرا لی۔''

جبکہ ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ نے مناولی رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے:

''چور نے آپ کے تمام کپڑے چرا لئے اور گٹھڑی میں باندھ کر بھاگنے کی کوشش کی تو اسے دروازے کا راستہ نہ ملا۔ اس نے جب سامان نیچے رکھا تو اسے راستہ نظر آنے لگا۔ لالچ میں آ کر اس نے سامان پھر اٹھا لیا لیکن دوبارہ اسے باہر جانے کا راستہ نہ ملا۔ یہ عمل اس نے سات بار دہرایا، پھر کوٹھڑی کے ایک کونے سے آواز آئی ''اے شخص! اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈال کیونکہ اس نے کئی سال سے اپنا آپ ہماری دوستی اور نگہبانی کے سپرد کر رکھا ہے، یہاں تو شیطان کی مجال نہیں کہ وہ اس کے گرد یا آگے پیچھے پھٹک سکے پھر اک چور کی کیسے جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ اس کی چادر چرا لے۔ اے چور! اس سے کوئی تعلق نہ رکھو کیونکہ اگر ایک دوست سو رہا ہے تو کیا ہوا دوسرا تو جاگ رہا ہے۔''

المناوی کا قول ہے کہ:

''یہ کہانی بالکل درست صحیح اور یقینی ہے کیونکہ خدا خود قرآن میں فرماتا ہے کہ میرے بندوں کی حفاظت کے لئے ان کے آگے پیچھے فرشتے ہوں گے۔''

چور سے ولی

اسی طرح کا ایک اور واقعہ کئی کتابوں میں ملتا ہے کہ:

''ایک مرتبہ ایک چور آپ کے گھر داخل ہوا، اس کا خیال تھا کہ گھر میں کوئی قیمتی سامان ہوگا، اس نے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن اسے کچھ نہ ملا۔ وہ مایوس ہو کر واپس جا رہا تھا کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اسے روکا اور سوال کیا کہ: ''کیا تم چور ہو؟'' اس نے غصے سے جواب دیا: ''ہاں میں چور ہوں۔'' آپ نے فرمایا: ''تو پھر یہاں سے خالی ہاتھ نہ جاؤ۔'' وہ بولا: ''یہاں رکھا ہی کیا ہے جو ساتھ لے جاؤں۔'' آپ مسکرائیں اور فرمایا کہ: ''وضو کر کے دو رکعت نماز میرے حجرے میں ادا کرو، تمہیں یہاں سے اتنا سامان ملے گا جتنا ساری عمر نہیں ملا ہوگا۔'' چور نے لالچ میں آ کر وضو کیا اور حجرے میں جا کر دو رکعت کی نیت باندھ لی، ادھر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بھی رب ذوالجلال کے حضور سجدہ ریز ہو گئیں اور دعا کرنے لگیں کہ: ''اے مولا! یہ چور میرے دروازے پر آیا تھا اسے یہاں تو کچھ نہیں ملا لہٰذا میں اسے تیرے دروازے پر لے آئی ہوں، میرے مولا اسے نواز دے۔'' ادھر چور کو نماز میں اتنا سرور ملا کہ اس نے مزید دو رکعت کی نیت کر لی اس کے بعد پھر دو رکعت ادا کیں حتیٰ کہ جوں جوں وہ نفل پڑھتا گیا توں توں اسے لطف و سرور ملتا گیا یہاں تک کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے دیکھا کہ وہ سربسجود ہو کر گریہ زاری کر رہا ہے، اپنے گناہوں اور عیوب کا اعتراف کر کے معافی مانگ رہا ہے، استغفار کر رہا ہے تو خدا کو اس کی گریہ زاری اس قدر پسند آئی کہ اسے معاف کر کے چور سے ولی بنا دیا۔''

یہ دیکھ کر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے خدا سے عرض کی کہ:

''اے مولا تُو نے اپنے گناہگار بندے کو معاف کر کے اعلیٰ مقام عطا کیا ہے، میں بھی تیری عاجز بندی ہوں میری کوتاہیوں کو بھی معاف فرما دے۔'' ندا آئی اے رابعہ! تُو کیا سوچتی ہے تیری وجہ سے ہی تو میں نے اس کو معاف کیا ہے اور اس کی توبہ قبول کی ہے تُو ہمارے نزدیک اعلیٰ مقام پر ہے۔''

خدا کے وعدے پہ پختہ یقین کا ثمر

ایک اور واقعہ جس میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی جسمانی ضروریات مہیا کئے جانے کا خدا پر آپ کے پختہ یقین کا ذکر کیا گیا ہے۔ قارئین کے ایمان کی پختگی کے لئے یہ واقعہ مکرر بیان کیا جاتا ہے۔ شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ''تذکرہ الاولیاء'' میں لکھتے ہیں کہ:

''دو درویش حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے ملنے آئے وہ دونوں بھوکے تھے اور باہم گفتگو کر رہے تھے کہ رابعہ انہیں اگر کھانے کو دے دے تو اچھا ہو کیونکہ ان کے ہاں رزق حلال طریقے سے حاصل کیا جاتا ہے۔ جب وہ آ کر اندر بیٹھ گئے تو ان کے سامنے ایک کپڑے میں دو روٹیاں رکھی گئیں یہ دیکھ کر وہ خوش ہوئے اس سے پہلے کہ وہ کھانا شروع کرتے اچانک باہر سے کسی سائل نے صدا دی کہ خدا کے لئے کھانے کو کچھ دو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے درویشوں کے سامنے رکھی گئی دونوں روٹیاں اُٹھا کر اس سائل کو دے دیں۔ درویش یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے لیکن خاموش رہے۔ کچھ دیر بعد ایک کنیز بہت سی گرم روٹیاں لئے حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری مالکہ نے بھجوائی ہیں آپ نے روٹیاں لیں ان کا شمار کیا تو وہ اٹھارہ

نکلیں، آپ نے کنیز کو روٹیاں واپس کرتے ہوئے کہا شاید تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے کیونکہ یہ روٹیاں میرے ہاں نہیں بھیجی گئیں یہ کسی اور کی ہیں اسی کے پاس لے جاؤ۔ مگر کنیز نے بڑے وثوق سے کہا کہ یہ آپ ہی کے لئے بھیجی گئی ہیں۔ آپ نے کنیز کے اصرار کے باوجود روٹیاں واپس کر دیں کنیز جب گھر واپس لوٹی اور اس نے اپنی مالکن سے سارا واقعہ بیان کیا تو اس نے پوچھا کہ روٹیاں کتنی ہیں کنیز نے کہا روٹیاں اٹھارہ ہیں تب مالکن نے کہا ان میں دو روٹیوں کا اضافہ کر کے پھر لے جاؤ اور انہیں دو۔ کنیز نے دو روٹیاں اور رکھ لیں اور روٹیاں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پاس لے گئی آپ نے روٹیاں گنیں تو وہ بیس تھیں آپ نے فرمایا ہاں یہ ہمارے لئے ہی بھیجی گئی ہیں پھر آپ نے یہ روٹیاں درویشوں کے سامنے رکھ دیں وہ محوِ حیرت ہو کر کھانے میں مصروف ہو گئے، فراغتِ طعام کے بعد انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے واقعہ کی نوعیت معلوم کرنا چاہی اور کہا کہ یہ کیا اسرار تھا کہ جب ہم کھانا کھانے لگے تو آپ نے روٹیاں اُٹھا کر فقیر کو دے دیں پھر ایک کنیز روٹیاں لائی تو آپ نے کہا یہ ہماری نہیں ہیں پھر جب وہ دوبارہ آئی تو آپ نے کہا ہاں یہ ہمارے لئے بھیجی گئی ہیں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا جب آپ تشریف لائے تو مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ بھوکے ہیں مگر جو کچھ تھا وہ میں نے آپ کے سامنے رکھ دیا لیکن مجھے معلوم تھا کہ یہ معزز مہمانوں کے لئے ناکافی ہوں گی اس اثنا میں ایک سائل آ پہنچا تو میں نے وہ دونوں روٹیاں اُٹھا کر اسے دے کر اللہ سے عرض کیا اے اللہ

تیرا وعدہ ایک کے بدلے دس دینے کا ہے اور مجھے قول صدق پر مکمل بھروسہ اور یقین ہے میں نے تیری رضا کے لئے دونوں روٹیاں دے دی ہیں لہٰذا اے اللہ اب دو کے بدلے بیس عطا کر۔ جب وہ کنیز اٹھارہ روٹیاں لائی تو مجھے معلوم ہوگیا کہ یا تو کوئی سہو ہوئی ہے یا پھر یہ میری روٹیاں نہیں ہیں لہٰذا میں نے روٹیاں واپس کر دیں پھر جب پوری بیس روٹیاں آئیں تو مجھے معلوم ہوگیا کہ اللہ کے وعدے کے مطابق بیس روٹیاں آگئیں ہیں لہٰذا میں نے وصول کر لیں۔ درویش یہ سن کر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے اللہ تعالیٰ کے وعدے پر کامل یقین اور بھروسہ کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔''

شیطانی فریب

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ''تذکرہ الاولیاء'' میں بیان کرتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ آپ نے کافی دن سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ جب خادمہ کھانا تیار کرنے لگی تو گھر میں پیاز نہیں تھا۔ لہٰذا اس نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا کیا وہ پڑوس سے ایک پیاز مانگ لائے لیکن حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے جواباً کہا کہ چالیس سال قبل میں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ تیرے علاوہ کسی سے نہیں مانگوں گی۔ لہٰذا اگر پیاز نہیں ہے تو کوئی بات نہیں۔ اس کے بغیر ہی کھاؤں گی۔ ابھی آپ نے اپنا جملہ مکمل ہی کیا تھا کہ ایک پرندہ اپنی چونچ میں پیاز لئے ہوئے آیا اور ہانڈی میں ڈال کر اُڑ گیا مگر آپ نے اس کو شیطانی فریب تصور کرتے ہوئے سالن کے بغیر ہی روٹی کھا کر پانی پی لیا اور

کہا کہ میں شیطان کے دام تزویر سے غافل نہیں۔"

بالکل اسی طرح کا ایک واقعہ سید ابن الجوزی نے اپنی کتاب میں عبداللہ بن عیسیٰ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

اُلفت کی حکمرانی

ایک اور واقعہ جو اپنے اندر ایک کراماتی و کرشماتی عنصر بھی رکھتا ہے شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے "تذکرۃ الاولیاء" میں بیان کیا ہے کہ:

"ایک دن حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا پہاڑ پر گئیں تو جنگلی جانور آپ کے اردگرد اکٹھے ہو گئے جن میں ہرن، غزال، پہاڑی بکرے، خرگوش، جنگلی گدھے شامل تھے وہ آپ کو دیکھنے کیلئے بڑی محبت سے آپکے پاس آ گئے، اچانک خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وہاں آ گئے جن کو دیکھ کر تمام جنگلی جانور وہاں سے چلے گئے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ دیکھا تو حیران ہوئے اور آپ سے سوال کیا کہ یہ جنگلی جانور مجھے دیکھتے ہی کیوں بھاگ کھڑے ہوئے جبکہ یہ تمہارے پاس دوستانہ انداز میں کھڑے تھے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے پوچھا آج تم نے کیا کھایا ہے؟ تو خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے آج گوشت اور روٹی کھائی ہے، یہ سن کر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا: "جب تم ان کا گوشت کھاؤ گے تو وہ جانور تم سے خوف کھائیں گے لہٰذا وہ کیونکر تم سے مانوس ہو سکتے ہیں۔"

بنتے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں رام وحشی
اُلفت کی جہاں میں کیا حکمرانیاں ہیں

ٹڈی دل

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ نے اپنی کتاب ''رابعہ دی مسٹک'' میں المناوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی ایک کرامت بیان کی ہے کہ:

''ایک بار جب آپ نے اناج اُگایا تو اس پر ٹڈی دل ٹوٹ پڑا جس پر آپ نے رب ذوالجلال والاکرام کے حضور یوں دُعا کی کہ ''اے میرے مالک! یہ میری غذا ہے جس پر میں نے اپنی رقم اور محنت خرچ کی ہے اگر تجھے یہی منظور ہے تو میں یہ خوراک تیرے دشمنوں یا دوستوں کو دے دوں گی۔'' تب ٹڈی دل فوراً اُڑ گے جیسے کبھی ان کا وجود ہی نہ ہو۔''

گدھے کا زندہ ہو جانا

یہ واقعہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے سفرِ حج میں بیان کیا جا چکا ہے لیکن کرامات کے ضمن میں قارئین کی سہولت کے لئے دوبارہ لکھا جا رہا ہے، حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ''تذکرۃ الاولیاء'' میں فرماتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد کے لئے گدھے پر سامان لاد کر چل پڑیں۔ ایک صحرا کے درمیان سے گزر رہی تھیں کہ اچانک آپ کا گدھا مر گیا۔ قافلے والوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے کہا کہ ہم آپ کا سامان بانٹ کر اُٹھا لیتے ہیں آپ ہمارے ساتھ سفر جاری رکھیں، آپ نے جواب دیا آپ کی

بڑی مہربانی آپ میری وجہ سے اپنا راستہ کھوٹا نہ کریں، میں نے سفر آپ کے بھروسے پر شروع نہیں کیا تھا مجھے اپنے پروردگار پر بھروسہ اور توکل ہے قافلے والے یہ سن کر روانہ ہو گئے اور آپ یکہ وتنہا رہ گئیں تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، بظاہر کوئی مددگار نہ تھا، آپ نے رب العزت کے حضور سجدہ ریز ہو کر یوں عرض کی "اے اللہ! میں ایک غریب اور عاجز نادار عورت ہوں میں نے تیرے آسرے پر سفر شروع کیا تھا اے اللہ تُو نے مجھے اپنے گھر بلایا اور جب میں نے سفر شروع کیا تو میرے گدھے کو مار دیا کیا اپنوں کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے۔" ابھی آپ کی دُعا ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ آپ کا گدھا اُٹھ کھڑا ہوا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنا سامان لاد کر مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئیں اور حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ اس نے عرصۂ دراز کے بعد اس گدھے کو مکہ کے بازار میں فروخت ہوتے دیکھا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ کی دُعا کی برکت سے اس کی عمر طویل ہوئی۔"

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ صاحبہ نے اپنی کتاب "رابعہ دی مسٹک" (Rabia The Mystic) میں لکھا ہے کہ:

"المناوی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق گدھے کی جگہ اُونٹ کے مرنے اور کرامت کے طور پر اس کے زندہ ہونے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس پر سوار ہو کر آپ نے نہ صرف حج کیا بلکہ اپنے گھر واپس بھی اسی اُونٹ پر آئیں۔"

معرفتِ حق تعالیٰ، نہ کہ کرامت

حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ہی کی روایت ہے کہ:

''ایک دن جب حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا دریائے دجلہ کے کنارے تشریف فرما تھیں کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہنچے اور پانی پر مصلیٰ بچھا کر کہا آؤ رابعہ! دونوں دو دو رکعت نفل ادا کر لیں۔ جس پر آپ نے فرمایا: ''کیا آپ کے لئے خود کو بازارِ دنیا میں پیش کرنا ضروری تھا؟'' یعنی کیا دُنیاوی شہرت کے لئے رُوحانی طاقت کا استعمال ضروری تھا پھر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اپنا مصلیٰ ہوا میں بچھا کر کہا آؤ یہاں دو رکعت ادا کریں لیکن حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ خاموش رہے جس پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے ان کی دلجوئی کرتے ہوئے کہا کہ اے حسن! آپ نے جو کچھ کیا وہ پانی کی معمولی مچھلی بھی کر سکتی ہے جبکہ میں نے جو کچھ کیا وہ ایک حقیر مکھی بھی کر سکتی ہے لیکن حقیقت کا ان دونوں کاموں سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم حقیقی کام میں خود کو مشغول کریں اور حقیقی معرفت حاصل کریں۔''

روشنی

ایک رات حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اپنے دو تین ساتھیوں کے ساتھ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے گھر آئے اس وقت گھر میں اندھیرا تھا، اور روشنی کے انتظام کے لئے کوئی چراغ وغیرہ نہ تھا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو روشنی کی ضرورت محسوس ہوئی، آپ

نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے کہا، انہوں نے اپنی انگلیوں پر دم کر کے پھونک ماری تو وہ ایسی روشن ہوگئیں کہ پورا مکان بقعۂ نور بن گیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور ساتھی رات بھر وہاں رہے اور یہ روشنی صبح تک رہی۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

(علامہ اقبال)

آپ کے سوانح نگار حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر کوئی معترض سوال کرے کہ یہ کس طرح ممکن ہے تو میں کہوں گا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ید بیضا کی طرح ہے اور اگر کہا جائے کہ وہ تو پیغمبر تھے تو میں کہوں گا کہ جو شخص بھی صدق دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ خرق عادت شے کا اظہار انبیاء سے ہو تو معجزہ کہلاتا ہے اور ولی سے ہو تو کرامت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور ولی کو یہ کرامت اتباع نبوت سے ہی مل سکتی ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ رویا صادقہ نبوت کا چالیسواں حصہ ہیں (صحیح بخاری)۔

جو کرنی ہو جہانگیری محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کر
عرب کا تاج سر پر رکھ کر خداوندِ عجم ہو جا

ایک مکالمہ

کنز المعارف میں اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد ایک مکالمہ درج کیا گیا ہے، اس میں کسی کا نام نہیں لیا گیا، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی انگلی روشن دیکھ کر عالم نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا کہ: ''یہ قوت مجھے کیوں حاصل نہیں؟'' حضرت

رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے جواب دیا ''اس لئے کہ ابھی آپ کا دل روشن نہیں ہوا۔''

کارسازِ ما بفکر کارِ ما

ایک اور واقعہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ ذکر و فکر میں مشغول ہوتی تھیں تو اللہ تعالیٰ کس طرح آپ کی چھوٹی چھوٹی ضروریات بھی پوری کیا کرتے تھے، شیخ فریدالدین عطار رحمتہ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ:

''ایک دن حضرت حسن بُصری رحمتہ اللہ علیہ عصر کی نماز کے بعد حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے پاس گئے جبکہ وہ ہانڈی میں گوشت پکانے کی تیاری کر رہی تھیں، انہوں نے ہانڈی میں پانی ڈال کر رکھا تھا اور آپ کے پاس آ کر باتوں میں مصروف ہو گئیں اور کہنے لگیں آپ سے گفتگو ہانڈی پکانے سے کہیں بہتر ہے باتیں کرتے کرتے نماز مغرب کا وقت ہو گیا دونوں نے نماز پڑھی پھر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا خشک روٹی کا ٹکڑا اور پانی کا کوزہ لے آئیں تا کہ روزہ افطار کر سکیں۔ اس کے بعد حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ہانڈی اُتارنے گئیں تو انہیں خیال آیا کہ وہ تو ہانڈی کے نیچے آگ جلانا ہی بھول گئیں تھیں لیکن اس کے باوجود ہانڈی اُتارتے ان کا ہاتھ جل گیا، آپ نے دیکھا کہ ہانڈی اللہ کی قدرت سے جوش مار رہی ہے، حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ہانڈی لے کر آئیں سالن خود بخود تیار ہو چکا تھا۔''

حضرت خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اتنا مزیدار کھانا پھر میں نے کبھی نہ کھایا۔ وہ گوشت اتنا لذیذ تھا کہ موت تک اس کا ذائقہ محسوس ہوتا رہا۔

بالاخانے پر فیض

تذکرہ غوثیہ میں مولانا غیاث علی شاہ صاحب، قلندر رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی کی زبانی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے دَورِ غلامی کی ایک روایت بیان کرتے ہیں:

''حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو نوجوانی میں کسی نے رنڈی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ چونکہ آپ بہت خوبصورت تھیں اس لئے رنڈی نے آپ کو زیورات اور اچھے نئے کپڑے پہنا کر بالاخانے میں بٹھا دیا آپ کے حسن و جمال کا چرچا سن کر مشتاقانِ جمال کا ایک ہجوم ہونے لگا، بوقت شب جس شخص کو نائیکہ ان کے پاس بھیجتی تو آپ اس سے کہتیں کہ پہلے وضو کر کے دوگانہ پڑھو پھر میں تم سے بات کروں گی چنانچہ وہ شخص وضو کر کے نفل نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا تو آپ اپنی باطنی توجہ اس کی طرف مبذول کرتیں جس سے اس شخص کی آنکھیں کھل جاتی اور وہ خوف الٰہی سے کانپ کر آپ کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کر کے چلا جاتا اور ہمیشہ کے لئے تائب رہتا۔ سال بھر آپ کا یہ فیض جاری رہا سینکڑوں لوگ نیکی کی راہ پر گامزن ہو گئے ایک دن نائکہ نے سوچا دیکھوں تو سہی کیا بات ہے کہ جو ایک بار آتا ہے پھر واپس نہیں آتا۔ حالانکہ اس کے حسن و جمال اور ناز و ادا میں کوئی کسر نہیں ہے۔ اس رات اس نے پوشیدہ ہو کر تمام معاملہ دیکھ لیا جب حقیقت منکشف ہوئی تو وہ خوف خدا سے کانپ اُٹھی اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے قدموں میں گر پڑی اور عرض کیا میرا قصور معاف کر دو مجھے معلوم نہ تھا، میں آپ کو ابھی آزاد کرتی ہوں۔ اس پر

حضرت رابعہ بصری نے فرمایا احمق! تُو نے مجھے کیا آزاد کیا۔ جاری شدہ فیض برباد کیا۔ خیر اللہ کی مرضی یہاں تک ہی تھی۔"

نگاہِ ولی میں یہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

اولیاء کی پہچان

ایک شخص حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پاس آیا اس وقت آپ ایک پہاڑ کے قریب بیٹھی تھیں۔ اس شخص نے درخواست کی کہ مجھے اولیاء کی پہچان بتائیے۔ آپ نے فرمایا: "اولیاء اللہ کی یہ پہچان ہے کہ اگر وہ پہاڑ کو مخاطب ہو کر کہیں کہ سونے کا بن جا تو پہاڑ فوراً سونے کا ہو جائے گا۔" حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا یہ فرمانا تھا کہ پہاڑ سونے کا بن کر جگمگانے لگا۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے پہاڑ کی طرف دیکھ کر فرمایا: "تجھے میں نے ایسا کرنے کو نہیں کہا تھا میں تو ویسے ہی بات کر رہی تھی۔" جس پر پہاڑ دوبارہ اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔

تجارت سے فقیری تک

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی ایک اور کرامت جو امام عفیف الدین محمد بن عبداللہ یافعی یمنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "روض الریاحین فی مناقب الصالحین" میں بیان کی ہے۔

"ایک بزرگ کا بیان ہے کہ میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے ملنے کا ارادہ کیا تاکہ دیکھوں کہ وہ اپنے دعوے میں کہاں تک سچی ہیں، میں اسی فکر میں تھا کہ میری نگاہوں کے سامنے چاند جیسے روشن

چہرے والے بہت سے درویش آ گئے۔ ان کے جسموں سے مشک کی بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی ہم میں باہم سلام و کلام ہوا میں نے جب اپنا ارادہ بتایا تو انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں اپنا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ ہم لوگ دولت مند تاجروں کی اولاد ہیں، ہم اپنے شہر میں خوشحالی کی زندگی گزار رہے تھے کہ ہم نے رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی خوش آوازی کے چرچے سنے تو ہم نے ارادہ کیا کہ مصر جا کر ان کا گانا سنیں اور انہیں دیکھیں مگر وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ انہوں نے گانے بجانے سے توبہ کر لی ہے اور اب خدا کی عبادت میں مصروف ہو گئی ہیں ہم میں سے ایک نے رائے دی کہ اگرچہ ہم ان کا گانا نہیں سن سکے مگر چل کر ان کی زیارت تو کر سکتے ہیں مگر اس کیلئے ہمیں فقیرانہ وضع قطع اختیار کرنی پڑے گی۔ ہم راضی ہو گئے اور فقیرانہ لباس پہن لیا اور جا کر ان کے دروازے پر دستک دی آپ رحمۃ اللہ علیہا فوراً باہر نکلیں اور ہمارے پیروں پر گر پڑیں، اور کہا کہ آپ لوگوں نے اپنی زیارت سے مجھے مشرف کیا میں آپ کا یہ احسان نہیں بھول سکتی۔ ہم حیران ہوئے اور کہا بھلا ہم نے کون سا احسان کیا ہے، تو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کہنے لگیں کہ ہمارے ہاں ایک عورت ہے جو چالیس سال سے اندھی ہے جب آپ لوگوں نے دستک دی تو میں نے دُعا کی کہ اے میرے مالک! دروازے پر دستک دینے والے فقراء کی حرمت کی بدولت اس عورت کی آنکھیں ٹھیک کر دے۔ اسی وقت اس عورت کی آنکھوں میں نور آ گیا اور وہ دیکھنے لگی۔ ہم یہ سن کر اور حیران

ہوئے اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور آپس میں کہنے لگے کہ خدا کا شکر ہے اس نے ہمارے باطنی حال کو فاش نہ کیا بلکہ ہم کو عزت بخشی، ہمارے جس ساتھی نے ہمیں فقیرانہ لباس پہن کر جانے کی رائے دی تھی وہ کہنے لگا کہ میں تو اب یہ فقیرانہ لباس نہیں اُتاروں گا، باقی سب نے بھی یہی فیصلہ کیا۔ ہم نے اپنا مال و متاع اور کاروبار اللہ کی راہ میں قربان کر دیا اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو تمام واقعہ سنا کر ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اپنے سابقہ گناہوں کی اللہ سے معافی مانگی اور راہِ فقر اختیار کر لی۔"

جیب سے اور غیب سے

علامہ محمد یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "جامع کراماتِ اولیاء" میں علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سفرِ حج کی غرض سے نکلیں، راستے میں انہیں شیبان الراعی ملے جنہوں نے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ نے فرمایا: "میں حج کی غرض و غایت سے نکلی ہوں اور عازمِ مکہ ہوں اس پر شیبان الراعی نے از راہِ ہمدردی اپنی جیب سے سونا نکالا اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے کہا کہ: "آپ سفر پر جا رہی ہیں زادِ راہ کے طور پر یہ سونا ساتھ لے جائیں تا کہ راستے میں آپ کے کام آسکے" یہ دیکھ کر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے ہوا میں ہاتھ بڑھایا تو آپ کا ہاتھ سونے سے بھر گیا، آپ نے فرمایا: "تُو نے جیب سے نکالا اور میں نے غیب سے پکڑا لیکن مجھے ان چیزوں کی حاجت نہیں مجھے اپنے ربّ پر مکمل یقین اور بھروسہ ہے، میں دنیاوی مال و دولت کا سہارا نہیں لیتی" اس پر شیبان الراعی نے بھی ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا عہد کیا اور آپ کے ساتھ سفرِ حج پر روانہ ہو گیا۔

مجذوب [1]

"آغاز شباب میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے حسن و جمال کا بہت چرچا تھا مگر غلامی سے آزادی اور شب و روز عبادتوں کے طویل سلسلہ کے بعد آپ کے چہرے پر خدا نے پاکیزگی اور نور کا ایک نقاب ڈال دیا تھا تاکہ دیکھنے والوں کی نگاہیں خود بخود جھک جائیں۔ ایک شب کسی قبرستان میں ایک نوجوان نے آپ کا نورانی چہرہ دیکھا (جہاں آپ کسی کام سے گئی ہوئیں تھیں) جو مثل ماہتاب تھا وہ آپ کی شخصیت سے ناواقف تھا، وہ آپ کو کوئی غیر مرئی مخلوق سمجھ کر وہاں سے چلا گیا لیکن چند دن بعد اس نے آپ کو بھرے بازار میں دوبارہ دیکھا تو لاشعوری طور پر آپ کے پیچھے چل دیا اور چلتے چلتے آپ کے دروازے تک پہنچ گیا، چونکہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا چند لمحہ قبل داخل ہوئیں تھیں لہٰذا دروازہ کھلا ہی تھا وہ اندر داخل ہوگیا لیکن جب اس نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو ربّ کے حضور سجدہ ریز ہو کر راز و نیاز میں مشغول دیکھا تو اس پر سکتہ طاری ہوگیا اور اس کی زبان گنگ ہوگئی۔ جب حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا فارغ ہوئیں اور آپ نے پلٹ کر نوجوان کو کھڑے دیکھا تو اس سے آنے کا سبب پوچھا تو اس نے اشارے سے بتایا کہ اس کی زبان کام نہیں کر رہی۔ آپ نے فرمایا کہ "اس سے پہلے کہ تیرا دل بھی کام کرنا چھوڑ دے تُو

---

(۱) یہ واقعہ اُردو کے کئی حالیہ تذکروں میں موجود ہے جو موجودہ دَور کے مصنفین نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں لکھے ہیں لیکن اس واقعہ کا ماخذ کہیں نہیں لکھا گیا۔

یہاں سے چلا جا۔" اس نے آنکھوں آنکھوں میں التجاء کی کہ اس کی قوت گویائی لوٹا دی جائے آپ نے فرمایا کہ: "اگر تو نے میرے ساتھ کوئی زیادتی کی ہوتی تو میں تجھے معاف کر دیتی، میں خدا کی عابدہ ہوں میرا معاملہ خدا کے ساتھ ہے اگر تو معافی مانگنا چاہتا ہے تو خدا سے مانگ۔" یہ کہہ کر آپ دوبارہ سجدہ میں گر گئیں۔ وہ نوجوان بھی سجدہ ریز ہو کر استغفار کرنے لگا۔ طویل گریہ وزاری کے بعد خدا نے اس کی زبان اسے لوٹا دی مگر اس پر بھی وہ توبہ کا ورد ہی کرتا رہا۔"

بصرہ کے بازار سال ہا سال تک ایک مجذوب کے استغفار کے نعروں سے گونجتے رہے، سردی ہو یا گرمی وہ دیوانہ اپنی دھن میں مست فلک شگاف نعرے لگاتا، کوچہ و بازار سے گزرتا رہتا تھا، آخر ایک دن خاموشی چھا گئی اور وہ مجذوب نہ جانے کدھر نکل گیا پھر کسی کو اس کا پتہ نہ چلا۔ یہ مجذوب وہی نوجوان تھا جو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی بدولت دربار خداوندی میں مقرب ٹھہرا۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اکثر یہ شعر پڑھتی تھیں کہ:

"دنیا ایسے دوست کی مانند ہے جو بظاہر دوست ہے لیکن اندر سے دشمنِ خاص ہے لیکن اس کی پہچان گہری نظر سے ہی کی جا سکتی ہے۔"

کعبہ یا ربِ کعبہ

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ "تذکرۃ الاولیاء" میں رقمطراز ہیں کہ:

"دوسری بار حج کے موقع پر آپ نے دیکھا کہ خانہ کعبہ آپ کے استقبال کو چلا آ رہا ہے تو آپ نے فرمایا جسے خانہ کعبہ کا رب چاہیے میں خانہ کعبہ کو کیا کروں گی مجھے استقبال اس کا چاہیے جس نے کہا ہے "جو میری طرف ایک بالشت چلتا ہے میں اس کی طرف گز بھر

چلتا ہوں۔"

اسی واقعہ سے متاثر ہو کر کسی فارسی کے شاعر نے کہا تھا کہ حاجی عبث طواف کعبہ کی سعی و کوشش کرتے ہیں، انہیں گھر کے مالک سے آشنائی کرنی چاہیے۔ دیکھئے کس قدر خوبصورت شعر ہے:

حاجی عبث بطوافِ حرم سعی می کنی

باید شدن بصاحب ایں خانہ آشنا

حرفِ آخر

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ صاحبہ اپنی کتاب "رابعہ دی مسٹک" (Rabia The Mystic) میں لکھتی ہیں کہ:

"ہم نے دیکھا کہ خداوند تعالیٰ کا حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا پر کس قدر فضل و کرم تھا، انہیں کرامات کی نعمت حاصل تھی لیکن آپ حتیٰ الامکان ان سے بچنے کی کوشش کرتی تھیں بلکہ آپ لوگوں کو منع کرتی تھیں کہ انہیں صاحب کرامت نہ کہا جائے اور نہ سمجھا جائے کیونکہ آپ کرامات کے سرزد ہونے سے ڈرتی تھیں مبادا لوگ ان کرامات کو ہی خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ بنا لیں۔ لہٰذا وہ لوگوں کو مجاہدات کی تلقین کیا کرتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ کی بندگی کرو وہ تمہاری ضرور سنے گا۔ ہمیں تاریخ کی ایک کتاب صفواۃ جوسطِ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی تھی ایک دلچسپ مکالمہ ملتا ہے جو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اور زلفہ بنت عبدالواحد کے درمیان ہوا۔ جس میں زلفہ بن عبدالواحد، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو پھوپھی اور وہ

اس کو میرے بھائی کی بیٹی کہہ کر مخاطب کرتی ہیں۔ اگر یہ تخاطب
دُرست ہے تو زلفہ ان کی واحد رشتہ دار تھی۔"

زلفہ کا بیان ہے کہ:

"میں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے کہا: "اے میری پھوپھی
آپ لوگوں کو اپنی زیارت کی اجازت کیوں نہیں دیتیں؟" تو انہوں
نے جواب دیا کہ: "مجھے خوف ہے کہ جب میں مر جاؤں گی تو لوگ
مجھ سے بہت سی ایسی باتیں اور کام منسوب کریں گے جو میں نے نہیں
کئے ہوں گے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ مجھے جائے نماز
کے نیچے سے رقم ملتی ہے اور مجھے بغیر آگ کے پکا ہوا کھانا غیب سے
مل جاتا ہے۔" زلفہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا: "پھوپھی جان! وہ یہ کہتے
ہیں کہ آپ کو دنیائے خورد و نوش گھر پر مل جاتی ہیں" اس پر وہ کہنے
لگیں: "اے میرے بھائی کی بیٹی! اگر مجھے اس طرح گھر میں
چیزیں ملیں تو میں انہیں ہاتھ بھی نہ لگاؤں، میں کیسے بتاؤں کہ میں
اپنی چیزوں کی خریداری پر رقم خرچ کرتی ہوں اور میں اس میں خوش
ہوں۔"

اس کے باوجود حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے تمام سوانح و تذکرہ نگار آپ کے
کراماتی واقعات کو درست سمجھتے ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ان میں کرشماتی قوت بھی موجود تھی
جو اللہ کی طرف سے اسلام میں اولیاء اللہ کو ودیعت کی جاتی ہے۔ شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ
کا کہنا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو یہ کرامات اس لئے عطا کی گئیں تا کہ لوگوں کو
معلوم ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ کا کس قدر فضل و کرم آپ کے ساتھ تھا۔

باب ۱۰

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اور وحدت الوجود

بنیادی تعلیم

اسلام کی بنیادی تعلیم توحید ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سب سے پہلے اسی عقیدۂ توحید کی تعلیم و دعوت دی تھی، ایام جاہلیت میں اہل عرب نے خانہ کعبہ میں 360 بت رکھے ہوئے تھے اور ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید دراصل اسی کثرت کا ردعمل تھی، آپ نے لوگوں کو بتایا کہ جن مصنوعی خداؤں کی تم پرستش کرتے ہو وہ سب باطل ہیں۔ حقیقی خدا صرف ایک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے جبکہ صوفیاء واحدۃ الوجود کو اصل توحید سمجھتے ہیں، ان کے یہاں توحید کے معنی وجود کی وحدت کے ہیں یعنی وجودِ حقیقی صرف ایک ہے جو تمام موجودات میں ان کا عین وجود بن کر سرایت کیے ہوئے ہے۔ موجوداتِ عالم کی حیثیت محض حجاب کی ہے یا وجودی زبان میں وجودِ مطلق کے تشخصات و تعینات ہی عالم عین حق ہے۔ (العالم عین الحق)

ابتدائی تصوف

شروع میں تصوف خدا سے ڈرنے، اس کے احکام و فرامین کی اطاعت و اتباع اور خود کو گناہگار سمجھنے پر مشتمل تھا، اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ طبیعت میں بغض و عداوت، غیبت و

غصہ اور شہوت کے موجود ہونے سے تصفیہ قلب نہیں ہوسکتا لہٰذا زہد و مجاہدے سے قلب کو پاک کرنے کا نام تصوف تھا۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تک تصوف کا یہی رجحان تھا لیکن حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے تزکیہ نفس اور تعلق مع اللہ کی ایک نئی طرح ڈالی۔ ان کے دور تک اللہ سے تعلق خوف یا لالچ کا تھا لیکن آپ نے اللہ سے بے لوث اور بے غرض محبت کا آغاز کیا پھر اپنی تعلیمات اور عمل کے ذریعے عشق کی یہ بنیاد مضبوط کی۔ ہم بلاخوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا سے بے لوث محبت کا یہ عمل دراصل وہ بنیاد تھی جس پر وحدۃ الوجود کی عمارت آج کھڑی نظر آ رہی ہے۔

یوں تصوف کے تار و پود عشق اور محبت الٰہی سے تیار ہونے لگے، عشق و محبت کے لئے سرشاری، محویت و استغراق ضروری ہیں، ان تمام خوبیوں اور صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی تعلیمات اور ذاتی عملی مثالوں نے بڑا حصہ ڈالا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ وہ رجل اوّل تھے جنھوں نے توحید کے غلبہ میں اوّل اوّل "لاموجود الا اللہ" کا نعرہ بلند کیا وہ آپ کے ہمعصر اور خوشہ چیں تھے۔ یہی نعرہ بعد ازاں وحدت الوجود کی اساس قرار پایا۔

آپ کے اقوال

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے بعض اقوال جو شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں درج کیے ہیں سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ یہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ہی تھیں جنھوں نے دراصل وحدۃ الوجود کا ڈول ڈالا تھا۔

☆ کسی نے پوچھا کہ ''آپ جس کی عبادت کرتی ہیں اس کو دیکھتی بھی ہیں؟'' آپ نے فرمایا ''اگر میں نہ دیکھتی تو عبادت نہ کرتی۔'' اس جواب میں آپ نظریۂ وحدۃ الوجود کی تشکیل کے آثار دیکھ سکتے ہیں۔

☆ کسی نے پوچھا کہ ''آپ شیطان سے دشمنی رکھتی ہیں؟'' فرمایا، ''رحمٰن کی دوستی سے مجھے فرصت کہاں کہ شیطان کی دشمنی میں مشغول ہو سکوں۔''

☆ معرفت کا ثمرہ خدا کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ اور وحدت الوجود

ڈاکٹر ابو سعید نور الدین فلسفۂ وحدت الوجود میں لکھتے ہیں کہ:

''تاریخ تصوف کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پہلے بزرگ جن کی ذات سے نظریہ وحدت الوجود کے خیالات منسوب کئے جاتے ہیں ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ (م 245ھ بمطابق 859ء) ہیں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ چونکہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے ہمعصر تھے لہٰذا ان کی تعلیمات کے زیر اثر وحدت الوجود کا اظہار اپنے خیالات و افکار میں شروع کر دیا تھا۔''

دیکھئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال میں وحدت الوجود کا نظریہ صاف نظر آتا ہے:

☆ ''اللہ سے جو محبت کی جاتی ہے وہ انسان کو انجام کار اس سے متحد کر دیتی ہے۔ انسان ذاتِ خداوندی میں غرق ہو جاتا ہے اس کی ذات اپنی ذات نہیں رہتی بلکہ ذات خداوندی کا ایک حصہ بن جاتی ہے۔''

☆ لوگوں نے آپ سے عارف کی صفت کے بارے میں پوچھا تو کہا ''عارف وہ ہے جو بغیر علم، چشم، مشاہدہ، کشف اور حجاب کے دیکھتا ہے، اس لئے کہ وہ قریب

رہتا ہے بلکہ ذات حق تعالیٰ کی حرکت، اس کی باتیں اللہ کی باتیں، اور اس کی نظر اللہ تعالیٰ کی نظر ہو جاتی ہے۔

☆ پھر ایک حدیث شریف کا حوالہ دے کر کہا

"پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں کسی کے کان، آنکھیں، زبان، ہاتھ، پاؤں بن جاتا ہوں تاکہ وہ میرے ذریعے سے، دیکھے، بولے، کام کرے اور کہیں جائے۔"

ان چند اقوال اور ارشادات میں اتحاد بذاتِ حق، استغراق اور فنافی اللہ کی طرف میلان پایا جاتا ہے، یہ سب رجحان وحدت الوجود سے تعلق رکھتے ہیں تاریخ اسلام میں یہ وحدت الوجود کے اوّلین نقوش ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اور وحدت الوجود

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جس شخص نے وحدت الوجود سے متعلق گوناں گوں خیالات کا اظہار کیا وہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تھے (متوفی 251ھ بمطابق 875ء) حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین کے مشائخ طریقت میں سے تھے۔ صوفیاء میں ان کا درجہ بہت بلند ہے، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا ہم میں وہ درجہ ہے جو حضرت جبریل علیہ السلام کا فرشتوں میں ہے۔

اقوال

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار بارگاہِ الٰہی میں مناجات کی اور کہا خدایا تجھ تک رسائی کیسے ہو؟ آواز آئی "بایزید! پہلے اپنے آپ کو تین طلاق دے پھر ہمارا نام لے۔"

☆ ''میں اپنے آپ سے باہر نکلا تو دیکھا کہ عاشق و معشوق دونوں ایک ہی ہیں (ذات کے دو جلوے) کیونکہ توحید کے عالم میں ایک ہی کو دیکھا جا سکتا ہے۔''

☆ ''مجھے بہت سے مقامات نظر آئے لیکن جب غور کیا تو اپنے آپ کو صرف اللہ کے مقام پر پایا۔''

☆ وہ خدا کی ذات میں اس قدر محو ہو گئے کہ انہیں اپنی ہستی کا احساس ہی نہیں رہا انہوں نے اپنے آپ کو ہستی مطلق کا عین پایا اور حالتِ سُکر میں پکار اُٹھے۔

سبحانی ما اعظم مثانی

درمیانی صوفیاء

اس کے بعد حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ آئے جن کو حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں شیخ المشائخ اور امام الآئمہ لکھا ہے بعض اولیاء کرام آپ کو شیخ الطائفہ کے نام سے بھی پکارتے تھے۔ ان کے اقوال و ارشادات میں بھی وحدۃ الوجود کا اظہار ہوتا ہے البتہ ان کا مسلک سُکر کی بجائے صحو کا تھا۔ ان کے بعد ان کے شاگرد حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہے جو فارس کے شہر بیضاء میں 249ھ بمطابق 658ء میں پیدا ہوئے، ان کا قول "انا الحق" بہت مشہور ہے جس کی بنا پر آپ کو شہید کر دیا گیا، یوں آپ وحدت الوجودی مسلک کے پہلے شہید کہلائے، آپ کے بعد ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ آئے وفات کے وقت جب لوگوں نے آپ سے کہا کہ کلمہ **لَآ اِلٰہَ اِلَّااللہ** پڑھیے تو جواب دیا کہ جب غیر کا وجود ہی نہیں تو نفی کس کی کروں؟ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے انہی لوگوں کے بارے میں کہا تھا:

بنا کردن خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ

تصوف اور وحدت الوجود میں کل اور جزو کا رشتہ ہے جس کا تعلق انسان کے رُوحانی سفر اور باطنی تجربات و کیفیات سے ہے۔ وحدت الوجود چونکہ ایک صوفی کی باطنی کیفیت یا مشاہدہ کا نام ہے اس باطنی تجربہ کی علمی توضیح وتشریح اور باقاعدہ ایک فلسفیانہ نظام کی صورت میں پیش کرنے کا اعزاز جناب شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا جنہیں شیخ الاکبر بھی کہا جاتا ہے۔ شیخ، حاتم طائی کے قبیلے سے تھے اندلس میں رہے جہاں ان کی پیدائش رمضان 560ھ بمطابق جولائی 1165ء کو ایک قصبہ مرسیہ میں ہوئی۔ لڑکپن میں وہ قرطبہ کے قاضی ابن رشد سے ملے۔ 597ھ میں وہ مصر آ گئے جہاں سے وہ دمشق چلے گئے اور وہیں 638ھ بمطابق 1240ء میں وفات پائی اور جبل قاسیون کے دامن میں دفن ہوئے۔

تصانیف

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ صوفی ہونے کے علاوہ شاعر اور فلسفی بھی تھے ان کا عقیدۂ وحدت الوجود ایک پکا اور مضبوط منطقی نظام کی صورت میں سامنے آیا جس کو عقلی استدلال پر اُستوار کیا گیا تھا جس میں آج تک رخنہ نہیں پڑا۔ سید علی عباس جلالپوری مرحوم نے اپنی کتاب ''عام فکری مغالطے'' میں لکھا ہے کہ مشہور مستشرق بروکلمان نے ان کی 150 کتابوں کا ذکر کیا ہے لیکن ان میں سے اکثر گم ہو چکی ہیں۔ ان سب میں سے بلند پایہ تصنیف ''فصوص الحکم'' ہے جو 625ھ میں لکھی گئی جبکہ دوسری بڑی کتاب ''فتوحات مکیہ'' جو انہوں نے مکہ میں لکھی۔ اس کتاب میں ان کے کشف اور مشاہدات درج ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ایک دن خواب میں انہیں رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کتاب دی اور کہا کہ اسے لوگوں تک پہنچاؤ۔

فتوحات مکیہ میں رُوحانی طور پر آسمانی سیر اور اس کے دوران کئی نازک اور پیچیدہ مسائل مذہب اور تصوف کے حل پر مشتمل ہے۔ مشہور اطالوی فلسفی اور شاعر دانتے نے اسی کتاب سے متاثر ہو کر اپنی شہرہ آفاق کتاب ڈیوائن کامیڈی لکھی تھی۔

عشق مجازی

ترجمان الاشواق میں ان کے پر جوش عشقیہ قصائد ہیں جو انہوں نے مسکین الدین کی بیٹی عین الشمس نظام کی محبت میں لکھے۔ مسکین الدین ایک ایرانی عالم تھے جو مکہ میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ شیخ نے انہی سے حدیث پڑھی اور ترمذی میں سند حاصل کی ان کی لڑکی بہت عقلمند اور خوبصورت تھی جس پر حضرت فریفتہ ہو گئے اپنے دل کا غبار انہوں نے شعروں کی صورت میں نکالا جس میں انہوں نے نظام کے حسن کی بہت تعریف کی مثلاً:

> ''اس کے وصال نے مجھے اس طرح مست کر دیا ہے جس کا مجھے گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا، جب میں اس سے ملتا ہوں تو اس کا جمال مجھے پہلے سے بھی زیادہ بے خود کر دیتا ہے، اس عشق سے کس طرح جان چھڑائی جاسکتی ہے جو محبوب کے حسن میں زیادتی کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا جائے۔''

یہ عشقیہ قصائد سن کر علماء نے شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کو کافی برا بھلا کہا کہ تم اچھے صوفی ہو کہ ہوس نے تمہیں اندھا کر دیا ہے جس پر آپ نے اپنی شاعری کی تشریح ترجمان الاشواق میں لکھی جس میں اپنے عشقیہ اشعار پر عشق حقیقی کا رنگ چڑھا دیا۔

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے وحدت الوجود کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ صوفیوں کا کلمہ لا موجود الا اللہ ہے ساتھ ہی انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ خاتم الاولیاء ہیں، ان باتوں کی وجہ سے علماء آپ کی مخالفت پر اُتر آئے اور آپ پر کفر کے فتوے لگائے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ، اور محمد بن عبد الوہاب نے انہیں کافر کہا، دمشق میں ان کی وفات کے بعد ان کے داماد اور شاگرد صدرالدین قونوی، جلال الدین رومی اور عبدالکریم الجیلی نے وحدت الوجود کا درس جاری رکھا جس کی وجہ سے یہ نظریہ ساری دنیا میں پھل پھول گیا اور اسلامی تصوف کا بنیادی تصور بن گیا۔

وحدت الوجود

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم اپنے مضمون ''وحدت الوجود کیا ہے؟'' میں فرماتے ہیں کہ:

''وحدت الوجود میں وجود وہ لفظ ہے جو قابل تشریح ہے۔ وجود کے معنی ہیں کسی چیز کا ہونا۔ چاہے یہ آدمی کے ذہن میں ہو یا خارج میں۔ اب جو چیز وجود رکھتی ہے وہ یا تو نظری ہوگی یا بدیہی۔''

یعنی اپنے وجود کے اثبات میں یا تو دلائل کی محتاج ہوگی یا بلا دلیل ثابت ہوگی۔ حکماء پہلی چیز کے وجود کو نظری اور دوسری کے وجود کو بدیہی کہتے ہیں۔ علمائے وجود کے نزدیک ایسا وجود جو پنہاں بھی ہے اور اپنی نمود کے لئے بے تاب بھی، وہ واحد اور معین ہے اس کا دوسرا نہیں اور وہ وجود صرف حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ہے، اس کا وجود ایک سر پنہاں ہے، وہ خود اپنے متعلق کہتا ہے ''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ'' میں کسی شے کی مانند نہیں، وہ اتنا پوشیدہ ہے کہ کسی ادراک، کسی فکر اور کسی وہم میں بار نہیں پا سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنے ظہور اور آشکار ہونے کے لئے بے تاب بھی ہے۔ ہر لحظہ نئی آن نئی شان کے ساتھ، كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ○ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا کہ موجود وہ ہے جو اپنی نمو چاہے گا کیونکہ وجود کا تقاضہ ہے آشکار ہونا:

گفت موجود آنکه می خواهد نمود
آشکارائی تقاضائے وجود

یہی بات جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی غزل میں یوں بیان فرمائی:

نکو رو تاب مستوری نہ دارد

چو در بندی سر از روزن بر آرد

یعنی ''خوبصورت چہرے والا پوشیدگی کی تاب نہیں رکھتا، اگر اس کو بند کر دیا جائے تو وہ روشن دان سے سر نکال لے گا۔''

وہ وجود جو پنہاں بھی ہے اور اپنے اظہار کے لئے بے تاب بھی ہے صرف ایک ہے، حق تعالیٰ سبحانہٗ کا۔ باقی تمام وجود اسی کے ظہور کی بنا پر موجود ہیں۔ صوفیاء اسی لئے وجود صرف الحق کا مانتے ہیں اور باقی جو کچھ ہے اسے وجود نہیں موجود کہتے ہیں کیونکہ وہ وجودِ الحق کی وجہ سے وجود رکھتے ہیں، الحق کا وجود ہے تو ان کا وجود ہے اگر الحق نہ ہوتا تو ان کا وجود بھی نہ ہوتا۔ صوفیاء اسی لئے اسے وجودِ مطلق کہتے ہیں۔ باقی سب کچھ چونکہ اس کے وجود کا مرہونِ منت ہے اس لئے اصطلاحِ تصوف میں اسے موجود کہیں گے، وجود نہیں۔ اس کو دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ دیتے ہیں کہ وجودِ واحد ہے۔

ہمہ اوست

وجود کا واحد ہونا صوفی کے مشاہدے میں آ چکا ہوتا ہے جب وہ اس رُوحانی تجربہ سے گزرتا ہے تو اس وقت چاہے ایک لمحہ کے لئے کیوں نہ ہو ہر شے کا جسم ظاہری یا خول موجود ہوتے ہوئے بھی اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور وہ اس کے پس پردہ ایک ہی تجلی ذات کو رواں دواں اور لہریں مارتا ہوا دیکھتا ہے اور پکار اُٹھتا ہے کہ ہر شے الحق نے کثرت یعنی اشیائے کثیر میں ایک ہی وحدت یعنی تجلی باری تعالیٰ جلوہ گر ہے۔ علمی طور پر اس کو وہ وحدت الوجود، کثرت میں وحدت اور ہمہ اوست کہہ دیتا ہے۔ جس نے دیکھ لیا ہو، اپنی آنکھوں سے تماشہ کر لیا ہو، پھر تو اس کا ایمان بن جاتا ہے لہٰذا وہ کہہ اُٹھتا ہے کہ جس ہستی

پر وجود کا اطلاق ہو سکتا ہے وہ صرف ایک ہے جس کا نام اللہ ہے، باقی سب کچھ موجود ضرور ہے مگر اللہ کے اسماء وصفات (نور) کے ظہور کی وجہ سے ہے۔

جملہ اشیاء اپنے ظاہری اجسام کے اعتبار سے جن کو وجودی صوفیاء تعینات کہتے ہیں مختلف اور کثیر ضرور ہیں لیکن اپنے باطن کے اعتبار سے واحد ہے اس لئے کہ اِن سب میں ایک ہی نور کار فرما ہے یہ نور لا یتجزیٰ ہے۔

مثال

اس بات کو سمجھنے کے لئے ہمیں دورِ جدید کی ایکسرے مشین کی مثال دیکھنی ہوگی۔ اس مشین سے ظاہری نقش و نگار رنگ وغیرہ کی بجائے اندرونی جسم کے حصے دیکھے جاسکتے ہیں اور ظاہری چیزیں اس کی نظروں سے غائب ہو جاتی ہے، اسی طرح صوفی پر جب تجلی حق کا نزول ہوتا ہے تو وہ اشیاء کے ظاہری جسموں (تعینات) کی بجائے اس اصل نور کو چمکتا دیکھ لیتا ہے جس کی وجہ سے اشیاء اپنا وجود رکھتی ہے۔

مخفی خزانہ

وجود و موجود کے اس فلسفہ کو سمجھنے کے لئے ہمیں تخلیق کائنات کی طرف رُجوع کرنا ہوگا۔ ایک حدیثِ قدسی میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے کائنات پیدا کر دی۔'' مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی رمز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

جملہ معشوق است عاشق پردہ

زندہ معشوق است عاشق مردہ

یاد رہے کہ معشوق سے مراد خالق اور عاشق سے مراد کائنات ہے یعنی اصل چیز

خالق ہے اور کائنات ایک پردہ ہے جس میں خالق کے نور کا ظہور ہے اور جس کی وجہ سے کائنات کا وجود ہے، وگرنہ کائنات تو مردہ ہے، زندہ اور موجود صرف خالق ہے مراد یہ ہے کہ کائنات نورِ خداوندی کی وجہ سے ہے ورنہ مردہ ہے۔

کن فیکون

اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کے بارے میں کہا کہ کن فیکون، میں نے کہا ہو جا اور وہ ہوگئی، اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے اسے ستہ ایام میں پیدا کیا۔ صوفیائے کے ہاں ان چھ ایام سے مراد خالق کی چھ تجلیاں ہیں جن میں سے تین خالق کے باطن اور تین ظاہر میں ظہور پذیر ہوئیں۔

پہلی تجلی

پہلی تجلی اللہ نے اپنے باطن میں مرتبۂ احدیت پر فرمائی اس مرتبہ پر جہاں وہ لیس کمثلہ شیء ہے یعنی اس کا کوئی مثل نہیں اسے کوئی عقل، ادراک، وہم اپنی گرفت میں نہیں لے سکتا۔ دوسری تجلی بھی اس نے اپنے باطن میں فرمائی اور اپنے اسماء وصفات کے آئینے میں خود کو دیکھا۔ صوفیاء کے ہاں اسے مرتبۂ وحدت بھی کہتے ہیں اور حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کہا جاتا ہے۔ تیسری مرتبہ کی تجلی کا نام واحدیت ہے جس میں تجلی کو عدم میں منعکس کر کے کائنات کو وجود عطا کیا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور

مشہور درویش شاعر ''عراقی'' نے ایک شعر میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے پہلے پیدا کئے جانے اور پھر اس سے کائنات اور اس کی جملہ اشیاء ایجاد کرنے کی طرف انتہائی فصیح وبلیغ ادیبانہ وشاعرانہ انداز میں اشارہ کیا ہے:

نخستن بادہ کہ اندر جام کردند

زچشم مست ساقی دام کردند

یعنی سب سے پہلی شراب جو جام میں لائی گئی وہ ساقی کی چشمِ مست سے اُدھار لی گئی ہے۔ یاد رہے کہ اللہ نے اپنے آپ کو زمین اور آسمانوں کا نور کہا ہے "الله نور السمٰوات والارض" اور احادیث مبارکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "نوراً من نور اللّٰه" کہا گیا اور اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے نور سے یہ نور وجود میں آیا۔

محدث عبدالرزاق نے اپنی سند سے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اے جابر رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے بنایا۔"

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ:

"بے شک میں حق تعالیٰ کے نزدیک خاتم الانبیاء ہو چکا تھا اور آدم علیہ السلام ہنوز اپنے خمیر میں ہی تھے یعنی ابھی ان کا پتلا بھی تیار نہیں ہوا تھا۔ اَوَّلَ مَا خَلَقَ نُوْرِیْ سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا گیا۔"

اس حدیث کی رُو سے ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تخلیق کائنات کی علت حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، جس طرح کائنات میں انسان اشرف اور اکمل مخلوق ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ افرادِ انسانی میں اشرف اور اکمل ہیں، آپ ہی دراصل انسانِ کامل ہیں ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حقیقت الحقائق بھی کہتے ہیں۔

یہ روایات احمد، بیہقی، حاکم، مشکوٰۃ، تاریخ امام بخاری، تاریخ امام احمد، حلیۃ الاولیاء، ابونعیم اور دوسری کئی کتابوں میں موجود ہیں۔

حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اگر چہ حق تعالیٰ کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا لیکن اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال سے پہچانا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہترین مخلوق، مظہرِ کامل اور امام الانبیاء ہیں۔ صوفیاء کے نزدیک حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم وجود اور عدم کے درمیان برزخ ہے۔ جملہ اعدام کا وجود اور ان کا موجود ہونا اسی حقیقت کی وجہ سے ہے اور یہی مفہوم ہے اس حدیث قدسی کا ''لو لاك لما خلقتُ الافلاك''

''یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو یہ کائنات بھی پیدا نہ کرتا،

بقول مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ:

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو

یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

یہی بات حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب جاوید نامہ میں شہید وحدت الوجود، حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے منہ سے کہلوائی ہے:

هر کجا بینی جهانِ رنگ و بو

آنکه از خاکش بروید آرزو

یا ز نور مصطفی اُو را بها است

یا هنوز اندر تلاشِ مصطفی است

''جہاں کہیں بھی جہانِ رنگ و بو ہے، وہ جہاں جس کی خاک سے آرزو پیدا ہوتی ہے یا تو وہ نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے یا ابھی وہ تلاشِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔''

کائنات کا سبب

حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الطواسین میں لکھتے ہیں کہ:

''رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عدم سے بھی پہلے موجود تھے اور قلم سے بھی پہلے ان کا اسم تھا، وہ اس وقت بھی تھے جب نہ جوہر کا وجود تھا نہ حوادث ہی ظاہر ہوئے تھے، ان کا نور قلم سے زیادہ روشن اور قدیم ہے۔ حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے انسان کامل کو ''هُوَ هُوَ'' کہا جس سے ان کی مراد رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جبکہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے حلاج کے ''هُوَ هُوَ'' کو حقیقت محمدیہ، عقلِ اوّل العرش اور رُوح العرش، انسانِ کامل اور آدمِ حقیقی کے نام دیئے تھے اور کہا تھا حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کا سبب ہے اور نظامِ کائنات کو بھی چلا رہی ہے۔''

حکمتِ فردیہ

شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ''فصوص الحکم'' میں فصلِ حکمت فردیہ بکلمۂ محمدیہ میں لکھتے ہیں کہ آدم سے ہماری مراد وہ واحد نفس ہے جس سے نوع انسانی پیدا ہوئی اور جسے بعض لوگ وحدت یا حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں، جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے: ''انا من نور اللّٰہ وکلھم من نوری'' جس کے مظاہر عین عیان اور روح ارواح ہیں، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ.

(سورۃ النساء 4، آیت 1)

سرِ ذاتِ محمد ﷺ فردیت ہے کیونکہ آپ نوع انسان کے کامل ترین فرد ہیں اس لئے حقیقی معنوں میں نبوت آپ سے ہی شروع ہوئی اور آپ پر ہی ختم ہوگئی۔

وجودِ مطلق اور موجود

کہا جاتا ہے کہ وحدۃ الوجود کوئی مسئلہ یا علم نہیں بلکہ ایک صوفی کی لحاتی باطنی کیفیت یا تجربہ کا نام ہے جس میں وہ کائنات کی ہر شے میں ایک ہی تجلی نور کو رواں دواں دیکھتا ہے اور اس تجلی نور کو جو ہر شے کی حقیقت ہے یا جس کے سبب ہر شے نے وجود اختیار کر رکھا ہے وہ وجودِ مطلق کا نام دیتا ہے باقی جو کچھ ہے اسے وجود نہیں بلکہ موجود کہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ اشیاء خود بخود موجود نہیں بلکہ وجود مطلق کی وجہ سے موجود ہیں، اسی لئے وہ علمی طور پر کہہ دیتا ہے کہ کثرت میں وحدت ہے کبھی ہمہ اوست کا پیرایہ بیان اختیار کر لیتا ہے یعنی سب کچھ وہی ہے، مراد یہ نہیں کہ ہر شے وہی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ہر شے کے پسِ پردہ وہی ہے۔

موحد

اس کے نزدیک وجود صرف واحد یعنی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ہے، اس کے سوا کسی پر وجود کا اطلاق کرنا دو وجودوں کا ماننا ہے اور یہ شرک ہے۔ ان کے نزدیک موحد وہ ہے جو دو کا نہیں، ایک وجود کا قائل ہے یعنی جو وحدۃ الوجود کا قائل ہے۔ صوفیاء اسی توحیدِ وجودی کو ہی توحید کہتے ہیں جس میں وہ خدا کے سوا ہر شے کے وجود کی نفی کر دیتے ہیں۔ صوفیاء کا تو کلمہ ہی یہ ہے۔

"لا موجود الا اللّٰہ"

اسماء وصفات

اللہ تعالیٰ جو اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ **اللہ نور السمٰوات والارض** تو اس سے مراد صوفیائے وجودی کے نزدیک وہ تجلی ہے جس میں اس کے جملہ اسماء وصفات کا ظہور ہوتا ہے جہات، قدرت، ارادہ، سمع وبصر وغیرہ جو اس کی صفات ہیں اور ان کے اعتبار سے اس کے جو اسماء ہیں سب کی تجلی اس ایک صفتِ نور میں پوشیدہ ہے۔ جب ہم اللہ کے نور کی بات کرتے ہیں اور اسے کائنات کے ذرہ ذرہ میں جاری وساری کہتے ہیں تو اس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ اللہ کے جملہ اسماء وصفات ان میں بہ لبادۂ نور موجود ہیں حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کے مدِ نظر کہا تھا:

لھو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں

اور غالب نے بھی اپنے شعر میں یہی فلسفہ بیان کیا ہے:

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذرّے میں جان ہے

اگرچہ آفتاب آفتاب ہے اور ذرہ ذرہ۔ دونوں میں نسبت یہ ہے کہ ذرۂ بے جان میں آفتاب کے پرتو سے جان ہے اگر آفتاب کا پرتو نہ ہو تو ذرات پھر بے جان ہو جائیں۔ اسی طرح کائنات جو عدم تھی وہ وجود مطلق کے تجلیاتی پرتو سے زندہ ہو گئی اور اس کا ذرہ ذرہ متحرک ہو گیا۔ محمود شبستری رحمۃ اللہ علیہ نے گلشنِ راز میں فرمایا ہے:

دل یك قطره را گر برشگافی
برون آید از او صد بحرِ صافی

اگر تو ایک قطرے کے دل کو چیرے گا تو اس میں سو صاف سمندر نمودار ہو جائیں گے۔

ایک مثال

آیئے اب اس علمی بات کو ایک آدھ مثال سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ ایک مدرس کی مثال لیں۔ ان کا اپنا (ذاتی نام) عبداللہ ہے ان کی کچھ صفات ہیں وہ تقریر بہت اچھی کرتے ہیں لہٰذا انہیں مقرر بھی کہا جاتا ہے، وہ علم پھیلاتے ہیں لہٰذا معلم کہلاتے ہیں۔ یہ ان کے صفاتی نام ہیں جو ان کی صفات کی وجہ سے ہیں، اب ہم جب استاد عبداللہ کا ذکر کریں گے تو ہم ایک ایسے شخص کا ذکر کریں گے جو مدرس بھی ہیں، مقرر بھی ہیں اور عالم بھی۔ اب اگر ان کی یہ صفات ان کے کسی شاگرد میں جلوہ گر ہو جاتی ہیں تو ہم کہیں گے کہ استاد عبداللہ کی صفات ان کے شاگرد میں جلوہ گر ہو گئی ہیں۔ اگر وحدت الوجودی فلسفہ کے مطابق بات کریں تو ہم کہیں گے کہ استاد عبداللہ کے شاگرد ان کی صفات کا مظہر بن گئے یا اس طالب علم میں استاد کی صفات کا ظہور ہو گیا۔ ظاہر ہے اس طرح بات کرنے سے یہ مطلب اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ استاد عبداللہ خود اس شاگرد میں سما گئے ہیں، استاد استاد ہے اور شاگرد شاگرد۔ دونوں کا اپنا اپنا دائرہ کار ہے۔ استاد کی صفات بدستور استاد کی ذات میں موجود ہیں ان سے الگ نہیں ہوئیں صرف شاگرد میں ان صفات کا انعکاس ہوا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ استاد عبد اللہ کی صفات اس شاگرد میں جلوہ گر ہو گئی ہیں اور وہ ان کی صفات کا مظہر بن گیا ہے یا وہ اپنے استاد کی تجلی صفات کا آئینہ ہے پس یہی صورت حال وحدۃ الوجود کی ہے، کہیں ایک نادیدہ ہستی ہے جس کا ذاتی نام اللہ تعالیٰ ہے، اس کی کئی صفات ہیں جن کی بنا پر اس کے صفاتی نام خالق، مالک، رازق، حی، قیوم، سمیع و بصیر وغیرہ ہیں یہ نام تعداد میں ننانوے ہیں بلکہ کہا جاتا ہے کہ لاتعداد ہیں جن کی اثر پذیری کائنات کی ہر شے میں ہے۔ کہیں اس کی صفت حیات کام کر رہی ہے تو اشیاء موجود ہو رہی ہیں، کہیں اس کی صفت موت کام کر رہی ہے اور اشیا عدم میں تحلیل ہو رہی ہیں۔ اگر ان جملہ صفات کے لئے ہم ایک لفظ نور استعمال

کریں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ کائنات اور اس کی اشیاء میں اللہ تعالیٰ کے نور کا ظہور ہے۔ استاد عبداللہ کی طرح اللہ بھی چیزوں میں داخل نہیں ہوا نہ ہی اشیا میں حلول کر گیا ہے، ہرگز ایسا نہیں۔

دوسری مثال

پاکستان میں ایک ڈیم ہے جس میں پانی ذخیرہ کیا گیا ہے، ڈیم کا ذاتی نام تربیلا ہے پانی کی ترسیل اور بجلی کی رَو اس کی صفات ہیں، ان میں سے پہلی صفت بجلی کو لیتے ہیں، یہ ایک مسلسل رَو کی طرح ڈیم کے بجلی گھر سے ہوتی ہوئی ملک کے کونے کونے میں اشیاء کو روشن کرنے اور حرکت دینے میں مصروف ہے، کارخانے، مشینیں، پنکھے، بلب غرض ہزاروں لاکھوں چیزوں میں یہ رَو کام کر رہی ہے اب دیکھئے اشیاء تو لاتعداد اور کثیر ہیں لیکن ان کے پسِ پردہ جو بجلی کی رَو ہے وہ واحد (ایک) ہے، یہ سب اشیاء اپنی حیات اور حرکت کے لئے اس رَو کی محتاج ہیں، اگر بجلی کی رَو ان میں ہے تو وہ زندہ، روشن اور متحرک ہیں اور اگر یہ رَو نہیں تو وہ مردہ، بے حرکت اور اندھیری ہیں، اب اگر کوئی کہہ دے کہ ان اشیاء کا وجود بجلی کا مرہونِ منت ہے یا یہ کہ ان اشیاء میں بجلی جلوہ گر ہے یا یہ کہ یہ اشیاء بجلی کی مظہر ہیں تو کہیے۔ ان میں سے کون سی بات غلط یا عیب دار ہے۔

تیسری مثال

آپ قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہیں، آپ کا مکمل عکس سامنے دکھائی دے رہا ہے تو کیا آپ آئینے میں حلول کر گئے ہیں؟ ہرگز نہیں آپ تو باہر کھڑے ہیں لیکن آئینے میں بھی ہیں اس طرح اگر ایک صوفی کے آئینۂ قلب میں حق سبحانہ تعالیٰ کی صفات کا عکس جلوہ گر ہو تو کیا آپ اسے حلول سے تعبیر کریں گے؟ بالکل نہیں! بلکہ آپ کا قلب تو محض اس

کی تجلیات کا آئینہ بنا ہوا ہے اور بس۔ یہی مفہوم ہے اس حدیث پاک کا جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر کہیں سما سکتا ہے تو وہ بندۂ مومن کا دل ہے، یہاں سما سکنے کے معنی اللہ کے دل کے اندر حلول کر جانے کے نہیں بلکہ آئینہ وعکس کی مذکورہ بالا مثال کی طرح آئینہ قلب مومن میں متجلی ہونے کے ہیں۔

نگاہِ بازگشت

اب تک لکھی گئی تحریر کی روشنی میں یہ ثابت ہوا کہ وحدت الوجود سے مراد یہ ہے کہ وجود یا ہستی صرف واحد ہے باقی ہمہ عدم ہے، واحد موجود کے علاوہ وجود کائنات و مافیہا کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس کو دوسرے الفاظ میں ہمہ اوست کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے کائنات و مافیہا میں جو کچھ چشم ظاہری سے نظر آتا ہے سب کا سب اسی وجودِ واحد کا جلوہ ہے، اس سے الگ کوئی شے نہیں۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''لوائح جامی'' میں وحدت الوجود کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ذات حق کا خلق کے ساتھ تعلق نہ جزو اور کل کا ہے کیونکہ خدا تو اجزاء و اعضاء سے برتر اور منزہ ہے اور نہ ہی یہ تعلق ظرف و مظروف کا سا ہے جس طرح برتن میں کوئی چیز رکھی جائے یعنی کائنات ذاتِ حق میں اس طرح نہیں جس طرح ایک برتن میں پانی رکھا جاتا ہے بلکہ ذاتِ حق کا کائنات سے تعلق صفت اور موصوف اور لازم و ملزوم کا ہے یعنی کائنات اللہ کی صفتِ تخلیق کا ظہور ہے اس لئے لازماً حق تعالیٰ سے علیحدہ اسی کا وجود قرار نہیں دیا جا سکتا۔ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ محمود شبستری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ذاتِ حق اور اشیائے کائنات کی مثال یوں دی ہے جیسے ذات حق ایک بحرِ بیکراں ہے اور اشیائے کائنات امواج، برف، حباب اور جھاگ کی طرح ہیں جو نہ سمندر کہلائی جا سکتی ہیں نہ سمندر سے الگ ان کا کوئی وجود ہے۔ بعض نے ذاتِ حق کی

مٹی کی طرح مثال دی ہے اور اشیائے کائنات کو مٹی کے برتنوں کی مانند قرار دیا ہے۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

در کون و مکان نیست عیاں جز یک نور
ظاہر شد آں نور با انواع ظہور
حق نور و تنوع ظہورش عالم
توحید ہمیں است و دگر وہم غرور

اعیان ثابتہ

شیخ الاکبر حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں ''فتوحات مکیہ'' اور ''فصوص الحکم'' میں وحدت الوجود کو پہلی بار باقاعدہ ایک مربوط نظام اور فلسفہ کے طور پیش کیا جس میں انہوں نے بدلائل ثابت کیا کہ وجود واحد ہے وہی موجود ہے اور مخلوقات کا وجود عین وجودِ خالق ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے خالق اور مخلوق میں کوئی فرق نہیں، جو شخص خالق ومخلوق کے وجود میں امتیاز کا قائل ہے وہ اس حقیقت کے اعتبار سے ناآشنائے محض ہے جو خود اسی کی ذات کے اندر موجود ہے۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عالم اور خدا کی نسبت عینیت کی نسبت ہے، اس عینیت کا اثبات یا تو وہ وجودِ عالم کی نفی سے کرتے ہیں یا خدا کے اثبات سے۔

پہلی صورت میں وہ کہتے ہیں کہ عالم کا وجود محض برائے نام، وہمی اور غیر حقیقی ہے، وہ خارج میں معدوم ہے ان کا قول ہے " الاعیان ما شمت رائحۃ الوجود" یعنی اعیان ثابتہ نے وجود خارجی کی بو تک نہیں سونگھی دوسری صورت میں وہ کہتے ہیں کہ عالم ہی خدا ہے یہ اسی ذاتِ واحد کی تجلی ہے جس میں اس وحدت نے اپنے تئیں نمودار کیا ہے ان تجلیات میں وحدت کلی طور پر گم ہوگئی ہے، ان تجلیات کے ماوراء وحدت کا الگ اور کوئی وجود

نہیں۔ "مابعد هذا الا العدم المحض "یعنی تجلیات کے ماوراء عدم محض کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اس لئے سالک کے لئے اس عالم سے ماوراء خدا کی جستجو بے کار ہے۔

نظریۂ وحدت الوجود کی قرآنی بنیاد

ڈاکٹر ابو سعید نور الدین اپنے مضمون ''تصور وحدت الوجود کا ارتقاء'' میں لکھتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ یقین کے ساتھ مُصر ہیں کہ نظریۂ وحدت الوجود ہی دراصل اسلام کی حقیقت ہے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں انہوں نے قرآن مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد دلائل و شواہد پیش کئے ہیں چنانچہ وہ درج ذیل آیات کا حوالہ دیتے ہیں:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.

ترجمہ: ''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔''

(سورۃ النور 24، آیت 35)

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا.

ترجمہ: ''اور اللہ ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔''

(سورۃ النساء 4، آیت 126)

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ.

ترجمہ: ''وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔''

(سورۃ الحدید 57، آیت 4)

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ.

ترجمہ: ''ہم بندے کی رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

(سورۃ ق 50، آیت 16)

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

ترجمہ: ''پس تم جدھر منہ کرو اللہ ادھر ہی ہے۔''

(سورۃ البقرہ 2، آیت 115)

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ

ترجمہ: ''جب میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو کہہ دیں وہ قریب ہے۔''

(سورۃ البقرہ 2، آیت 186)

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ.

ترجمہ: ''اور ہم زیادہ قریب ہوتے ہیں اس کے تمہاری نسبت لیکن تم کو نظر نہیں آتے۔''

(سورہ الواقعہ 56، آیت 85)

كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ.

ترجمہ: ''اس کے علاوہ ہر شے ہلاک ہونے والی ہے۔''

(سورۃ القصص 28، آیت 88)

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ.

ترجمہ: ''اللہ نور ہے زمین اور آسمانوں کا، اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو، اس میں ایک چراغ ہو، چراغ ایک شیشے کی (قندیل میں) ہو، وہ شیشہ گویا ایک چمکدار ستارہ ہے، وہ روشن کیا جاتا ہے مبارک درخت زیتون سے، (جس کا رخ) نہ مشرق ہے نہ مغرب، قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے خواہ اسے آگ نہ چھوئے نور علیٰ نور (سراسر روشنی) ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے نور کی طرف راہنمائی کرتا ہے، اور اللہ لوگوں کیلئے مثالیں بیان کرتا ہے، اور اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے۔''

(سورۃ النور 24، آیت 35)

اس آیت کی تشریح جناب یوسف سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جاوید نامہ کی شرح کے دوران لکھی اور کہا کہ اس آیتِ عظیمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نور ہے اس تمام کائنات کا یعنی اس کائنات سے وہی ظاہر ہو رہا ہے، یہ کائنات مظہر ہے اس کی ذات و صفات کی۔ اس آیت میں بیان ہوا ہے کہ اللہ نور ہے نہ یہ کہ اللہ نور والا ہے بالکل اُس طرح جیسے اس آیت سے ظاہر ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ج وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ.

ترجمہ: ''اللہ ہی اوّل ہے اللہ ہی آخر ہے اللہ ہی ظاہر ہے اور اللہ ہی باطن ہے اور ہر چیز کا جاننے والا ہے۔''

(سورۃ الحدید 57، آیت 3)

یعنی اللہ ہی اس کائنات کا اوّل ہے اور وہی آخر ہے اور وہی ظاہر ہو رہا ہے اور اس کائنات کی ہر شے کا باطن بھی وہی ہے یعنی لاموجود الا اللّٰہ.

شیخ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح وتفسیر

شیخ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ آیتِ نور کی تشریح بڑے دلکش انداز سے کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ نے نور کی مثال چراغ کے نور سے اور حقائق اعیان ثابتہ کی مثال رنگ بدلتے زجاجوں سے دی ہے اور کہا ہے کہ ان زجاجوں میں نورحق سبحانہ وتعالیٰ مختلف رنگوں میں جلوہ گر ہے، یہ نور بغیر کسی دوسرے کی احتیاج کے خود بخود جلوہ گر ہے جب کہ جملہ اشیاء اس نور کی وجہ سے جلوہ گر ہیں'' **اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض**'' کے سامنے ہزار در ہزار زجاج (شیشے) ہیں جن میں سے ہر ایک کے اندر ایک ہی سراج کا نور ہے، تعدد زجاج کے اعتبار سے ہے، نور کے اعتبار سے نہیں یعنی نور واحد ہے زجاج کثیر ہیں بالکل اسی طرح جس طرح کسی شیش محل میں آپ دیواروں اور چھتوں کی ہر شے سے منعکس ہو رہے ہوں۔ آپ کے ان شیشوں میں کئی عکس ہیں حالانکہ آپ خود واحد یعنی ایک ہیں۔

آپ ایک ہیں لیکن چشم ظاہر جب شیشوں میں جھانکتی ہے تو آپ سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں ہوتے ہیں اس مثال سے آپ کائنات کی مثال سمجھیں جس کے شیشوں میں ذاتِ واحد اپنے نور یا اپنی ذات وصفات کی تجلی کے اعتبار سے بہ ہزار رنگ جلوہ گر ہے، یہی شیشہ ہائے کائنات یا تعیناتِ کائنات پہلے عدم تھے جب نورِ خدا نے اعیان ثابتہ کے رنگ برنگ زجاجوں کے عدم میں انعکاس کیا تو ہر شے معرض وجود میں آگئی یہ نور کائنات کے آغاز سے اس کے خاتمے تک اسی طرح جلوہ گر رہے گا۔ کیونکہ یہی کائنات کے وجود اور بقا کا راز ہے جب اس نور کی جلوہ گری ختم ہوگی کائنات پھر عدم ہو جائے گی۔

حدیثِ مبارکہ

نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ'' **خلق الانسان علی صورتہٖ**'' ہم نے

انسان کو اپنی ہی صورت میں پیدا کیا۔ شیخ الاکبر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان میں خدا کی تمام صفات موجود ہیں اور درحقیقت یہ اس کی صفات ہیں جن کا ظہور انسان میں ہوا، اس لحاظ سے انسان گویا صفاتِ الٰہیہ کا مجسمہ ہے۔

توحیدِ وجودی

آیئے دیکھتے ہیں کہ دورِ جدید کے ایک فلسفی ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے فلسفے کے متعلق کیا لکھتے ہیں:

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا توحیدِ وجودی یا وحدت الوجود کا نظریہ یہ ہے کہ کائنات اور خدا ایک ہی کچھ ہیں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ان کے دلائل یہ ہیں کہ:

ا۔ اشتراکِ وجود

کوئی شے عدم یا نیستی سے وجود میں نہیں آسکتی۔ اس لئے یہ عالم ازل سے ہے اس عالم کی موجود چیزیں ایک دوسری سے مختلف ہیں لیکن ان سب میں ایک بات کا اشتراک ہے اور وہ اشتراک وجود کا ہے اس لئے وجود کی وحدت کو ماننا پڑے گا۔

۲۔ حادث وقدیم

قدیم حادث کا سبب نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا حادث کا وجود حقیقی نہیں حقیقی وجود صرف ایک ہے جو قدیم ہے اور یہ حقیقی وجود خدا ہے جو عالم کی ہر شے میں موجود ہے۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

(یاخالق الاشیاء فی نفسہٖ لما تخلقه جامع)

''اے اشیاء کو پیدا کرنے والے جو کچھ تُو نے پیدا کیا وہ تیرے اندر موجود ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

تخلق ماينتهي كونه فيك فانت ضيق الواسع.

''جو کچھ تُو نے پیدا کیا اس کا انت تیرے اندر ہے۔''

۳۔ کن فیکون

قرآن کریم میں ہے کہ جب خدا نے کُن کہا تو فیکون! کائنات پیدا ہوگئی۔ ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ سوال کرتے ہیں کہ اس کُن کا مخاطب کون تھا؟ اور جواب میں خود ہی کہتے ہیں کہ اس کے دو ہی جواب ممکن ہیں:

ایک تو یہ کہ مخاطب وہ مادہ تھا جو پہلے سے موجود تھا جب خدا نے اسے کُن کہا تو وہ کائنات بن گیا (فیکون)......تو مادے کو بھی خدا کی طرح قدیم ماننا پڑے گا، اور یہ شرک کے مترادف ہوگا کیونکہ مسلمان فلسفیوں کے نزدیک تعدد قدما (ایک سے زائد چیزوں کا قدیم ہونا) شرک ہے، وحدت نہیں۔

صفاتِ خداوندی

لہٰذا وہ حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کُن کی مخاطب خداوند تعالیٰ کی اپنی صفات تھیں جو کائنات کی شکل اختیار کر گئیں۔ اس لئے کائنات ذات (خدا) سے جدا نہیں ہوسکتی، اس دلیل کی صورت یوں ہوگی کہ:

صفات ذاتِ خداوندی سے جدا نہیں

کائنات صفات سے بنی ہے۔

لہٰذا کائنات ذاتِ خداوندی سے جدا نہیں

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

(وجود المخلوقات عین وجود حق)

یعنی مخلوقات کا وجود عین حق ہے۔

۴۔علت و معلول (Cause and Effect)

خدا کائنات کا سبب یا علت (CAUSE) اور کائنات مسبب یا معلول (EFFECT) ہے۔علت اپنے معلول سے جدا نہیں ہوسکتی۔اس لئے ذاتِ خداوندی یا سبب بھی کائنات یعنی مسبب سے علیحدہ نہیں۔

احدیت معقول

شیخ الاکبر رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس وحدت الوجود کے نظریئے کو احدیتِ معقولی کہتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ وحدتِ وجود سراسر عقلی اور منطقی ہے،ان کے اس نظریئے کو اتحادی کہا جاتا ہے اور اس کی پیروی کرنے والے اتحادیین کہلاتے ہیں کیونکہ ان کے اعتقاد کے مطابق کائنات اور خدا کی ذات میں کامل اتحاد پایا جاتا ہے،اسی بنا پر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کو امام الموحدون کہا گیا ہے۔

عقل اور حقیقت

شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے صوفیاء کی طرح عقل کو حقیقت تک رسائی کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے وہ صوفیوں کی طرح ظاہری عالم اور باطنی عالم میں تفریق کرتے تھے اور کہتے تھے کہ باطنی عالم ہی اصلی ہے جبکہ ظاہری عالم اس کی پرچھائیں ہے،

وجود مطلق ہی اصلی اور ابدی صداقت ہے جبکہ ظاہری عالم کی اشیاء وجود مطلق کی صفات کا عکس ہیں، ان کا اپنا وجود نہیں۔ اس بات کو وہ سورج کی مثال سے سمجھاتے ہیں کہ جس طرح بادل سورج کو چھپا لیتے ہیں لیکن وہ موجود رہتا ہے اسی طرح ظاہری عالم نورِ ازلی پر پردہ ڈال دیتا ہے۔

عشق

جنابِ شیخ الاکبر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اور حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح عشقِ حقیقی میں بہت پرجوش اور سرشار تھے، وہ کہتے ہیں کہ میرا اصل مذہب عشق ہے، اپنی کتاب ''ترجمان الاشواق'' میں کہتے ہیں کہ:

''آج سے پہلے میرا یہ حال تھا کہ جو بندہ میرے دین کو نہیں مانتا تھا یا اس کا انکار کرتا تھا میں اسے بیگانہ اور غیر سمجھتا تھا لیکن اب میرا دل ہر صورت کو قبول کر لیتا ہے اور وہ چراگاہ بن گیا ہے ہر قسم کے ہرنوں کی۔ وہ عبادت خانہ ہے عیسائی راہبوں کا، آتش کدہ ہے مجوسیوں کا، کعبہ ہے حاجیوں کا، الواح ہیں توریت کی، صحیفہ ہے قرآن کا، اب میں عشق کے مذہب کا پیرو ہوں، عشق کا قافلہ جہاں چاہے مجھے لے جائے میرا دین بھی عشق ہے میرا ایمان بھی عشق۔''

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ خود بحرِ عشق کے شناور ہیں، دیکھیے وہ کیا فرماتے ہیں:

مذہب عشق از همه دین ها جدا است
عاشقاں را مذہب و ملت خدا است

شیخ الاکبر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عشق وہ اکسیر ہے جو دل کو کندن بنا دیتا ہے اور اس میں سے کھوٹ کپٹ کو نکال دیتا ہے، وہ رنگ و نسل اور مذہب کی بندشوں کو توڑ کر ساری

خدائی سے پیار کرنے لگتا ہے اور ویسے بھی جس وجودی صوفی کا یہ عقیدہ ہو کہ یہ جہاں ایک وجودِ مطلق کا جزو ہے یا سب انسانوں میں اس ذاتِ حقیقی کی رُوح سمائی ہوئی ہے یا دنیا کی ہر خوبصورت شے میں اسی محبوب ازلی کے حسن کا لشکارا ہے تو وہ کسی بھی شے یا کسی بھی انسان سے نفرت کا سوچ بھی نہیں سکتا بالکل یہی بات ہم حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی زندگی میں بھی دیکھ چکے ہیں کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا وہ شیطان سے نفرت کرتی ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں دنیا کی کسی شے سے بھی نفرت نہیں کر سکتی کیونکہ میں ذاتِ باری کے عشق میں اس قدر مصروف ہوں، محو ہوں کہ میرے پاس کسی اور کام کا وقت ہی نہیں۔

بقول شاعر:

عشق وہ کارِ مسلسل ہے کہ ہم اپنے لئے
ایک لمحہ بھی پس انداز نہیں کر سکتے

شاید اسی وجہ سے مشہور فرانسیسی فلسفی رومین رولاں نے عشق کے صوفیانہ جذبے کو اوقیانوسی جذبہ (OCEANIC) کہا تھا۔

قارئین کرام! یوں تو یہ ایسا موضوع ہے کہ اس پر جتنا لکھتے جاؤ، مزید لکھنے کی گنجائش موجود رہتی ہے لیکن وحدت الشہود کے آغاز کے لئے ہم اس کا اختتام کر رہے ہیں حالانکہ:

حسن ایں قصہ عشق است در دفتر نمی گنجد

وحدت الشّہو د

وحدت الشّہو د کے داعی

کتاب ''فلسفہ وحدت الوجود'' مرتبہ ڈاکٹر وحید عشرت کے ایک مضمون ''وحدت الوجود، تعریف وتوجیہہ'' میں الطاف احمد اعظمی لکھتے ہیں کہ:

''ہمارے جن علماء و متکلمین نے وحدت الوجود کی مخالفت کی ان میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، طبقۂ صوفیاء میں سے شیخ علاؤالدین سمنانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 736 ہجری، سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ متوفی 826 ہجری اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1034 ہجری کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں اوّل الذکر دونوں حضرات نے وحدت الوجود کی مخالفت تو کی لیکن انہوں نے اس کے بالمقابل کوئی نظریہ نہیں پیش کیا اور نہ کشف کی بنیاد پر اس کی تردید کی، اس نظریۓ کی تردید سب سے پہلے شیخ علاو الدین سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے کی اور اس کے مقابلے میں نظریہ وحدت الشہود پیش کیا جبکہ ہندوستان میں اس نظریۓ کی شہرت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے ہوئی جن کا مرتبہ اس لحاظ سے بہت بلند ہے کہ انہوں نے عقلی دلائل کے ساتھ ساتھ کشف کی بنیاد پر بھی وحدت الوجود کی تغلیط کی اور وحدت الشہود کو پیش کیا وحدت الوجود اگر ہمہ اوست ہے تو وحدت الشہود کو ہمہ از اوست کہا جاسکتا ہے۔''

وجودی نظریہ

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ وحدت الوجود میں کائنات میں کوئی شے اپنا وجود نہیں رکھتی جو شے بھی ہمیں موجود نظر آتی ہے وہ خدا کا عین ہے۔

شہودی نظریہ

جبکہ شہودی نظریہ میں کائنات خود خدا نہیں بلکہ اس کا ظل یا سایہ ہے، اس سے واضح ہے کہ کائنات الگ سے اپنا مستقل وجود نہیں رکھتی اور یہ بات وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں میں مشترک ہے، وحدت الوجود میں کائنات خود خدا ہے جبکہ وحدت الشہود میں خدا کا سایہ ہے۔

اصلاح

شہودی نظریہ پیش کرنے والوں کے بقول یہ وجودی نظریے کی اصلاح کرتا ہے یہ نظریہ کثرتِ موجودات میں وجود حقیقی کا مشاہدہ کرتا ہے، اس میں وجودِ اشیاء کی نفی نہیں کی جاتی کیونکہ وہ امر واقع ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کا وجود غیر حقیقی ہے اور ظلی ہے، ان کا قیام و بقا وجودِ حقیقی کی مشیت پر موقوف ہے۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے موجوداتِ عالم کو اسمائے صفات کے عکوس و ظلال سے تعبیر کیا ہے جبکہ وجودی صوفیاء اللہ کو ہی اس کی باطنی حقیقت (عین) بتاتے ہیں۔

حقیقی یا لفظی نزاع

وجود و شہود میں نزاع اور ضد کا معاملہ ان لوگوں کا پیدا کردہ ہے جو ان کی حقیقت

سے نابلد تھے ورنہ خود مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں میں تطبیق پیدا کی ہے اور کہا ہے کہ صرف الفاظ و بیان کا فرق ہے ورنہ حقیقت دونوں کی ایک ہے۔

(مکتوبات)

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی عالم میں حق کے سوا کسی اور شے کا وجود نہیں سمجھتے، فرق صرف یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو حق کا عین نہیں سمجھتے۔ ان کو عین کہنے سے یوں عذر ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ بت بھی عین خدا ہے اس لئے واجب عبادت ہے یعنی وہ بت یا کائنات کو اس لئے خدا کا عین نہیں سمجھتے کہ کہیں اس کی عبادت کو واجب نہ قرار دے لیا جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ وحدت الوجود کے قائل صوفیاء کائنات کو اگر خدا کا عین کہتے ہیں تو اس سے ان کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ سب حق تعالیٰ کا ظہور ہے اور کسی بھی چیز کو وہ عین خدا سمجھ کر ہرگز ہرگز عبادت کے لائق نہیں سمجھتے، ان کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں نزاع صرف لفظی ہے حقیقی نہیں۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو لفظ عین کے استعمال پر اعتراض ہے کیونکہ اس سے غلط معانی اخذ کئے جانے کا احتمال پیدا ہوتا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "مکتوبِ مدینہ" اور ان کے پوتے شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "طبقات" میں ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال و موقف میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

ظل و موہوم کی تفصیل

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا ہے کہ وجود صرف اللہ کا ہے اور ممکن کا وجود موہوم ہے۔ جبکہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ وجودِ حقیقی صرف اللہ کا ہے اور ممکنات کا وجود ظلی ہے۔ فرق صرف ظل اور موہوم کے الفاظ میں ہے۔ حضرت

مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ظلی کہہ کر ہماری نظروں کے سامنے اس کی موجودگی برقرار رکھی جبکہ حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سمجھ کر کہ سایہ کا اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا اس کو موہوم کہہ دیا ہے یعنی حسی اعتبار سے وہ شے ہے تو سہی مگر اپنے وجود کے اعتبار سے نہیں ہے یعنی ظاہری حسوں کے اعتبار سے ان کو عدم یا موہوم نہیں کہا جارہا بلکہ اس طور پر کہا جارہا ہے کہ ان کو وجود چونکہ اللہ کے اسماء وصفات کی تجلی یا نورِ خدا کی وجہ سے ملا ہے اس لئے جہاں تک وجود کے اطلاق کا تعلق ہے وہ ان پر نہیں ہوسکتا کیونکہ وجود کا اطلاق صرف اللہ کی ذات پر ہی ہوسکتا ہے جو بخود قائم ہے اور جو اپنے ہونے میں کسی کا محتاج نہیں، جو اپنے ہونے میں کسی کا محتاج ہو وہ وجود نہیں کہلاسکتا اس کو ہم موجود کہہ سکتے ہیں۔

معدوم سے جو لوگ یہ مراد لیتے ہیں کہ صوفیائے وجودی کے نزدیک عالم اس طرح معدوم ہے جس طرح ہے ہی نہیں، یہ صوفیاء کی بات کو غلط سمجھنا ہے۔

وحدت الشہود کا نظریہ

شیخ احمد فاروق سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا کہ اللہ ہی نور ہے، خیر وکمال کا مصدر وہی ہے اور وہی واجب الوجود ہے، اس کے سوا جو کچھ ہے عدم ہے، عدم سرتاسر ظلمت اور تاریکی ہے، اللہ نے اجزائے عدمیہ پر اپنا عکس ڈالا تو عدم کو وجود ملا اور اسی میں اسماء وصفات کا پَرتو پڑتا گیا اور یہ حسن وکمال سے آراستہ ہوتا گیا اور جس عدمی چیز پر اسماء وصفات کی تجلیات نہ پڑیں وہ اسی قدر محروم وبدنصیب رہی۔

عین الیقین اور حق الیقین

شیخ احمد فاروق سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے وحدت الوجود کے متعلق فرمایا کہ یہ علم الیقین کا نتیجہ ہے جبکہ وحدت الشہود عین الیقین کا نتیجہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجدد الف

ثانی رحمۃ اللہ علیہ ذات باری کا مشاہدہ کر کے قائل ہوئے جبکہ وحدت الوجودی کا علمی و منطقی دلائل سے قائل ہوئے۔ علاوہ ازیں مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی طرح یہ دعویٰ بھی کیا کہ ان کے نظریئے کی بنیاد کشف پر ہے، بہر حال علم الیقین اور حق الیقین کے بارے میں ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ
ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ

جفہ القلم کی حدیثِ پاک

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اپنے مسلک کے موقف میں ترمذی شریف کی ایک حدیث پاک بھی پیش کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللہ عنہم و یقول: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: ان اللّٰہ تبارك و تعالیٰ خلق خلقهٗ فی ظلمة فالقی علیهم من نوره، فمن اصابه ذلك النور اهتدیٰ ومن اخلاه اضل فلزلك اقول: جفه القلم علی علم اللّٰہ"

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو جو ظلمت میں تھی خلق کیا پھر ان پر اپنا نور ڈالا جس پر وہ نور پڑا اس نے ہدایت پائی جس پر وہ نور نہیں پڑا وہ گمراہ ہوا اس بنا پر میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم کے مطابق خشک ہو چکا ہے۔"

قبل ازیں کہ اس بابت مزید کچھ لکھا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وحدت

الشہود کا نظریہ پیش کرنے والے رجلِ عظیم کے متعلق چند سطریں عرض کر دی جائیں تا کہ ان کے نظریئے کا پس نظر سمجھنے میں آسانی رہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے نمائندہ حکماء کے مصنف اور دانشور قاضی قیصر الاسلام لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ احمد فاروق سرہندی جو امام ربانی اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں 14 شوال 971 ہجری بمطابق 1563 عیسوی بمقام سرہند پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام شیخ عبد الاحد تھا۔ آپ نے دینی ماحول میں پرورش پائی۔ آپ کا عہد سیاسی اقتدار کے اعتبار سے اکبر اعظم کا عہد تھا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے گھر میں ہی ہوئی۔ آپ نے سب سے پہلے قرآنِ حکیم حفظ کیا بعد ازاں آپ نے حدیث و تفسیر اور فلسفہ و علم الکلام کی تعلیم حاصل کی اور اپنے زمانے کے جید علمائے دین سے فیض حاصل کیا۔ آپ ابھی آگرہ میں حدیث و تفسیر کی تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ آپ کے تبحر علمی اور ذہانت کا چرچا عام ہو گیا اور اس کی اطلاع اکبر اعظم کے دست راست ابو الفضل اور فیضی تک جا پہنچی۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو اپنے حلقے میں شامل کرنا چاہا مگر آپ ان کے غیر اسلامی رجحان سے مطابقت نہ پیدا کر سکے اور خود کو اس پراگندگی سے دُور ہی رکھا۔ پچیس سال کی عمر میں آپ کی شادی ہو گئی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد آپ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہو گئے اور ان کے خلیفہ بنے۔ اکبر کا عہد یوں تو سیاسی اعتبار سے بہت سنہرا تھا لیکن اس دَور میں اسلام کے لئے بے حد خطرات و خدشات پیدا ہو گئے تھے۔ متعدد لا دینی تحریکیں چل رہی تھیں، ہندو پنڈتوں کا دربار میں اثر و رسوخ بڑھتا جا رہا تھا، اسلام سے بے رغبتی اور اجنبیت کا رجحان تقویت پا رہا تھا، غرض کہ اسلام کی رُوح ناپید ہو رہی تھی چنانچہ ایسی صورت میں جب ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر رہا تھا حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے یہ کیونکر ممکن تھا

کہ وہ محض خاموش تماشائی بنے رہتے۔ انہوں نے احیائے دین کے لئے اپنی مساعی تیز کر دیں جس کے نتیجے میں آپ کو اربابِ اقتدار کی قید و بند کی صعوبتیں بھی اُٹھانی پڑیں۔ جہانگیر نے آپ کو سجدۂ تعظیمی نہ کرنے پر گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا، بعد میں پشیمان ہو کر آپ کو رہا کر دیا۔ آپ نے اسے احکامِ شریعت کے نفاذ کی نصیحت کی۔ آپ نے 63 سال کی عمر میں منگل کے دن 28 صفر 1034 ہجری بمطابق دسمبر 1624 عیسوی میں سرہند میں وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امام کا تصورِ توحید

امام کا تصورِ توحید یہ تھا کہ ہم معرفتِ خداوندی کو صوفیانہ مشاہدۂ باطن سے یا کشف و شہود سے نہیں حاصل کر سکتے لہٰذا عرفانِ ذاتِ حقہ کے لئے ہمیں وحی اور علمائے ظاہر کا سہارا لینا چاہیے کیونکہ ان علمائے ظاہر کا تصورِ توحید عین وحی کے مطابق ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے خدا کی ذات و صفات کے مسائل کو مسلمان علمائے دین کے مطابق اور شریعت کے اصولوں پر حل کیا ہے اور ایسا کرتے ہوئے آپ نے ''اشاعرہ'' کے مکتبۂ فکر کی بجائے ''ماتریدیہ'' کے مسلک کا اتباع کیا ہے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور وحدت الوجود

چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں کہ:

''پہلے میں وحدت الوجود کا معتقد تھا کیونکہ بچپن ہی سے اسے بر بنائے استدلال عقلی جانتا تھا اور اس کی صداقت پر کامل یقین تھا لیکن جب میں نے سلوک کا راستہ اختیار کیا تو پہلی مرتبہ وحدت الوجود ایک رُوحانی کی حیثیت سے محقق ہوئی اور میں نے برائے

العین اس کا مشاہدہ کرلیا۔ میں عرصہ تک اس مقام میں رہا اور وہ تمام معارف جو اسی مقام سے متعلق ہیں مجھے حاصل ہو گئے۔

اِرتقائی منزل

بعد ازاں ایک بالکل نیا رُوحانی ادراک میری رُوح پر غالب آ گیا اور میں نے معلوم کرلیا کہ میں آئندہ وحدت الوجود کو نہیں مان سکتا۔ تاہم مجھے اپنے کشف کے اظہار میں تامل تھا کیونکہ میں عرصۂ دراز تک وحدت الوجود کا معتقد رہ چکا تھا۔

عبدیت ایک بالاتر مقام

آخر کار مجھ پر اس کا انکار بصراحت تمام لازم آیا، مجھ پر یہ منکشف ہو گیا کہ وحدتِ وجود ایک ادنیٰ مقام ہے اور میں ایک بالاتر مقام پر پہنچ گیا ہوں یعنی مقام ظلیت پر۔ اگرچہ میں اب بھی وحدتِ وجود کے انکار پر راضی نہ تھا کیونکہ تمام بڑے صوفیائے کرام نے اس کو مانا تھا لیکن اس کا انکار ایک ناگزیر واقعہ ہو گیا تھا۔ بہرکیف یہ میری آرزو تھی کہ میں مقام ظلیت پر ہی رہوں کیونکہ ظلیت کو وحدتِ وجود سے ایک نسبت تو تھی۔ میں اس میں اپنے تئیں خدا کا ظل محسوس کرتا تھا لیکن فضل خداوندی دست گیر ہوا اور میں ایک اعلیٰ مقام ”عبدیت پر فائز ہو گیا اور میں نے معلوم کیا کہ عبدیت تمام دوسرے مقامات سے بالاتر ہے اور پھر مجھے مقام وحدتِ وجود اور مقام ظلیت میں رہنے کی آرزو پر ندامت ہوئی۔“

ارتقائے سلوک کے مدارج

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ارتقائے سلوک کے تین مدارج ہیں۔

۱۔ وحدت الوجود

۲۔ ظلیت

۳۔ عبدیت

☆ چنانچہ صورت حال یہ ہے کہ جب ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ وحدتِ وجود کے ثبوت میں ماسوا اللہ کی نفی کرتے ہیں اور خدا کو عین عالم قرار دیتے ہیں اور عالم کے متعلق فرماتے ہیں کہ اعیانِ ثابتہ نے تو وجودِ خارجی کی بُو تک نہیں سونگھی۔ خارج میں تو محض خدا ہی کا وجود ہے مگر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا خیال تھا کہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو مقامِ فنا میں تھی لیکن سالک جب اس مقام سے ترقی کر کے اس سے بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس پر اپنی غلطی واضح ہو جاتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ مقامِ مذکور پر عالم کو معدوم سمجھنے کی کیا وجہ تھی۔ اس مقام پر سالک کی نظر اور توجہ ذاتِ احدیت پر مرتکز ہو گئی تھی اور اسے ماسوا اللہ سے نسیانِ کلی پیدا ہو گیا تھا۔ لہٰذا سالک کو سوائے خدا کے کچھ مشہود نہیں ہوا تھا، اور اس نے ماسوا کی نفی محض خدا کے وجود کا اثبات کرنے کے لئے کی تھی۔

☆ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ حقیقتِ خداوندی کی جانب سے شروع کر کے عالم کو عین خدا کہتے ہیں اور ماسوا اللہ کو عدمِ محض تصور کرتے ہیں مگر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اسی بارے میں خیال کرتے ہیں کہ یہ مقام دراصل تجلی ذاتی کا ہے اور جب سالک

اس مقام سے گزر جاتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی ذاتِ حقہ وراء الوراء ہے اور اس تک رسائی ممکن نہیں۔ عارف کھڑی حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ نے خدا کے حدِ ادراک سے پرے ہونے کے بارے میں بہت خوبصورت اشعار کہے ہیں جو پیشِ خدمت ہیں:

صفت اوہدی نوں فہم نہ پہنچا ذاتی وہم نہ پاندے
اس ڈابے کئی بیڑے ڈُبے تختہ ہو یا نہ باندے
سبھ جہاں کو کیندا ایہو ہے تحقیق الٰہی
لیکن گنہ مبارک ایس دی کسے نہ لدھی آہی
اس مجلس دا محرم ہو کے فیر نہ مڑدا کوئی
جو ایہہ مست پیالہ پیندا ہوش کھڑا ندا سوئی

☆ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نظریہ وحدتِ وجود درست نہیں۔ ان کا اصرار ہے کہ وحدتِ وجود یا عینیت کا ادراک سالک کی ایک باطنی و داخلی حالت اور کیفیت کا نام ہے، ان کے خیال میں خدا اور عالم کی عینیت نمودِ محض ہے اور وحدتِ وجود کا شہود محض ہے حقیقت نہیں۔ سالک کو مقامِ فنا میں صرف محسوس ہوتا ہے کہ وجود واحد ہے حالانکہ حقیقتاً وجود واحد نہیں۔

☆ غرض کہ اس بنا پر مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ خدا ہی تمام زمینوں اور آسمانوں کا خالق ہے، پہاڑ، دریا، سمندر، سبزہ زار اور بنی نوع انسان اپنی تمام تر صفات کے ساتھ اسی کی مخلوق ہیں، وہ خلاقِ عالم ہے اور یہ سب کچھ اس نے عدمِ محض سے پیدا کیا ہے، وہ ہی تمام فضائل کا تن تنہا عطا کرنے والا ہے، وہ تمام برائیوں کو فرو کرنے والا اور تمام احتیاجات کا پورا کرنے والا ہے اور وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔

ذات وصفات

مکتوبات میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ صفات کو زائد علی الذات اور عالم کو ظلِ صفات قرار دیتے ہیں۔

ان کے نزدیک صفات عین ذات نہیں اور نہ ہی ذات ان صفات سے تکمیل پاتی ہے بلکہ وہ بالذّات کامل ہے، اللہ اپنی ذات سے موجود ہے اپنی ذات سے حیی ہے، اپنی ذات سے علیم ہے، بالذّات قدیر ہے، سمیع بالذّات اور بصیر بالذّات ہے، شیخ کے نزدیک صفات ظل ذات ہیں اور یہ عالم ظل صفات ہے، اللہ وجود کامل ہے اور تمام صفات کامل پر محیط بالذّات ہے، کامل بالذّات ہے، اسے کسی غیر کی احتیاج نہیں، یہاں تک کہ عدم بھی اس کے وجود کے متقابل نہیں۔

اعدامِ متقابلہ

وہ عالم کی تخلیق کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے لئے وہ اپنی ذات میں صفت وجود پیدا کرتا ہے، اسی طرح صفت حیات، صفت علم، صفت قدرت، صفت ارادہ، صفت سمیع وبصیر، کلام وتکوین، یہ سب صفات صفت وجود کی صورتیں ہیں اب اس وجود کے بالمقابل عدم محض ہے اور اس حیات کے سامنے موت ہے، علم کے بالمقابل جہل ہے اور قدرت کے سامنے عجز ہے، اسی طرح ان تمام صفات کے اعدام (عدم کی جمع) متقابلہ ہیں چنانچہ اپنے اس وجود محض کا ظل یا عکس اس عدم متقابلہ یعنی عدم محض میں ڈالتا ہے اس طرح وجودِ ممکن وجود میں آتا ہے گویا اس طرح وجودِ ممکن نتیجہ ہے عدم و وجود کے امتزاج کا اور ممکن کی حیات نتیجہ ہے موت وحیات کے امتزاج کا اور ممکن کا علم نتیجہ ہے جہل وعلم کے امتزاج کا اور علیٰ ھذا لقیاس۔

مجددالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور عشق

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ عشق ومحبت کے حامی تھے اس لئے وہ خالق ومخلوق میں بنیادی فرق تسلیم کرتے تھے کیونکہ عاشق ومعشوق اگر ایک ہو جائیں تو عشق کا جوش و خروش باقی نہیں رہتا۔ حضرت ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے عملی راستہ اختیار کیا انہوں نے وحدت الوجوداور وحدت الشہود کی خلیج پاٹنے کوشش کی۔ انہوں نے کہا محبت ہمیشہ ہم جنسوں میں ہوتی ہے اس لئے یہ کائنات حق تعالیٰ کے اصل وجود سے صادر ہوئی ہے اور وجودِ مطلق سے ہر لحہ نمو، حرکت اور ارتقا کا عمل سرزد ہو رہا ہے، کائنات کی ہر چیز بدلتی رہتی ہے کسی کو ثبات و دوام نہیں جیسا کہ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے پیامِ مشرق میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے کہلوایا۔

آمیز شے کجا و گهر پاك او کجا

از تاك باده گیرم و در ساغر افگنم

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی کاوش کی صدائے بازگشت ہے کیونکہ ابن عربی کے نزدیک وجود کے بحرِ ذخار سے ہمہ وقت امواج اُبھرتی رہتی ہیں اس لئے تغیر، حرکت اور ارتقاء وجود کی خلقی اقدار ہیں۔

لاموجود الا اللہ

مولانا سعید احمد اکبر آبادی اپنے مضمون ''وحدت الوجود و وحدت الشہود'' میں لکھتے ہیں کہ طبقۂ اولیٰ کے صوفی حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے توحید کے غلبہ میں ''لاموجود الا اللہ'' کا جو نعرہ لگایا تھا وہی آگے چل کر وحدت الوجود کی اساس بنا۔ نفحات الانس میں مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ مجھ کو علم کی ایک خاص قسم دی گئی ہے جس کو صرف خواص ہی سمجھ سکتے ہیں عوام نہیں سمجھ سکتے۔''

مولانا فرماتے ہیں کہ:

''ہمارے نزدیک غالباً اس قول سے ان کا اشارہ ''لاموجود الا اللّٰہ'' کی طرف تھا۔''

اور اس سے مراد یہ تھی کہ وجود صرف ذات باری کا ہے، اس کے علاوہ جو کچھ موجود ہے اس کا وجود حقیقی نہیں۔ یہی بات آگے چل کر وحدت الوجود کی بنیاد بنی اور شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اتنا بڑھایا کہ ایک مستقل فن کی شکل دے دی اور عالمِ اسلام میں اس سے ایک طلاطم پیدا ہو گیا، اس کا حاصل یہ تھا کہ وجود صرف ایک ہے اور وہ ذاتِ باری ہے، کائنات کی تمام اشیاء ذاتِ باری کی صفات کے مظاہر اور شیون ہیں، وہ ذات ہمہ وقت اپنی شانوں کا اظہار طرح طرح سے کرتی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

''کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ''

اس نظریہ کے بموجب ذاتِ خداوندی اور کائنات ایک دوسرے کے عین ہیں، ان میں دُوئی کا شائبہ تک نہیں گویا ذاتِ خداوندی ایک بحرِ بیکراں ہے اور کائنات وہ حباب و موج ہے جو اس کی سطح پر اُبھر آئے ہیں ورنہ حقیقت میں دونوں ایک ہیں، اس بات کو غالب نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

دل ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

اور مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا ہے:

هم سایه وهم نشین وهم ره همه اوست
در دلق گدا و اطلس شه همه اوست
در انجمن فرق و نهاں خانه جمع
بالله همه اوست ثم بالله همه اوست

وحدت الوجود کی اس تشریح سے بازارِ شریعت میں ایک غلغلہ بلند ہوا کیونکہ اس نظریئے نے شریعت کا سارا نظام ہی تلپٹ کر دیا تھا جس کی بنیاد تمام تر اس بات پر قائم ہے کہ اللہ خالق ہے اور تمام کائنات مخلوق، وہ معبود ہے اور انسان عبد اور دونوں کا وجود علیحدہ اور مستقل و بالذات ہے، قرآن کے مطابق بھی کوئی شے اس جیسی نہیں ہوسکتی جیسے کہ قرآن میں ہے "لیس کمثله شی"۔ وحدت الوجود کے اس نظریہ نے عالم اسلام میں خلفشار پیدا کر دیا جس سے صوفیائے کرام دو طبقوں میں تقسیم ہو گئے، جن میں شیخ احمد فاروق سرہندی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، آپ نے نہ صرف اس نظریئے کی تردید کی بلکہ اس کے بالمقابل ایک نظریہ وحدت الشہود کے نام سے پیش بھی کیا۔

اصلاح کی کوشش

پھر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے وجودی صوفیہ کے نقطۂ نظر کی غلطی کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ سالک جس وقت مشاہدۂ حق کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس جہانِ آب و گل میں حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی شے موجود نہیں ہے، بظاہر اس کے سوا جو وجودِ چشم ظاہر کو نظر آتا ہے، اس کی حیثیت سراب سے زیادہ نہیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے واضح لفظوں میں اشیاء کے موجود میں فی الخارج ہونے سے انکار کیا تھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ موجود کی حیثیت معدومات کی ہے، یہ ایک ایسا قول ہے جس کی تائید نہ تو انسان کا تجربہ و مشاہدہ کرتا ہے اور نہ عقل صحیح اس کو ایک لمحہ کے لئے

حقیقت واقعہ کے طور پر تسلیم کرتی ہے۔ اشیاء اپنا وجود رکھتی ہیں گویہ وجود مستقل بالذات نہیں۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''درحقیقت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کو تجلی ذات کے مقام پر محسوس ہوا کہ وہ ذاتِ احدیت کو بے نقاب دیکھ رہے ہیں یہاں پر ان کی توجہ ذاتِ احدیت پر اس درجہ مرکوز ہوگئی کہ ماسوا ان کی نظروں میں معدوم ہوگیا اور ذاتِ حق کے سوا کوئی اور وجود مشہود نہ ہوا۔''

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں کہ:

''ایک شخص کو آفتاب کے وجود کا علم ہوگیا تو اس یقین کا غلبہ اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ ستاروں کو نابود جانے۔ البتہ جب وہ آفتاب کو دیکھے گا تو اس وقت ستاروں کو نہ دیکھے گا اور آفتاب کے سوا اس کو اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ اس وقت بھی جب وہ ستاروں کو نہیں دیکھتا لیکن وہ جانتا ہے کہ ستارے نیست و نابود نہیں بلکہ موجود ہیں اور پوشیدہ ہیں اور سورج کی روشنی میں مغلوب ہیں پس توحید وجودی ماسوائے ذاتِ حق کی نفی ہے، عقل و شرح کے بالکل خلاف ہے، برخلاف توحید شہودی کے کہ ایک کے دیکھنے میں کچھ مخالفت نہیں مثلاً طلوع آفتاب کے وقت ستاروں کو نہ دیکھنا کچھ مخالفِ عقل نہیں بلکہ یہ نہ دیکھنا تو نورِ آفتاب کے غلبہ اور دیکھنے کے ضعفِ بصر کی وجہ سے ہے، اگر دیکھنے والے کی آنکھ اسی آفتاب کی روشنی سے منور ہو جائے اور قوی ہو جائے تو ستاروں کو آفتاب کے ساتھ دیکھے گا۔''

مرشد کے استاد

قارئین کے لئے یہ بات دلچسپی کا باعث ہوگی کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد اور پیر خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد بھی تھے، یہ دلچسپ واقعہ نامور دانشور اور مفکر ڈاکٹر محمد علی صدیقی کی زبانی سنیے، وہ اپنے ایک مضمون مندرجہ کتاب ''وحدت الوجود'' مولفہ ڈاکٹر وحید عشرت میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کے اثرات سوچنے والے اذہان حتیٰ کہ دیگر مذاہب کے دانش وروں تک میں سرایت کر گئے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وہ بزرگ ہیں جنہیں اپنے سلسلۂ تصوف میں شامل کرنے کے لئے ان کے پیر و مرشد خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ بنفس نفیس ہندوستان تشریف لائے اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرید کے سامنے برائے استفادہ تشریف فرما ہوا کرتے تھے اور بعد ازاں انہوں نے خود اعتراف کیا کہ وہ شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ یعنی مجدد کے فیض کی بدولت وحدت الوجود کے جال سے باہر نکل سکے۔''

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا لقب

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وحدت الشہود کے سب سے طاقت ور اور موثر وکیل تسلیم کئے جاتے ہیں، ان کے لئے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے لقب کو سب سے پہلے جس بزرگ نے استعمال کیا وہ سیالکوٹ کے ملا عبد الحکیم متوفی 1067 ہجری تھے جو ہندوستان کے شیخ الاسلام کے منصب جلیلہ پر فائز تھے، ان کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور

ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اسلامی ہجری کیلنڈر کے دوسرے ہزار سال کے لئے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خطاب سے یاد کیا۔

ہر صدی کا مجدد

حدیث کے مطابق اس وقت تک ہر صدی کا ایک مجدد ہوتا چلا آیا تھا یہ سلسلہ پہلی صدی ہجری سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے شروع ہوا اور نویں صدی ہجری میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا، ان کے درمیان امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن دقیق رحمۃ اللہ علیہ، اور امام بلقینی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بلند پایہ لوگ شامل تھے، خود حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس یقین سے سرشار تھے کہ وہ مجددِ عصر ہیں۔

ایک طائرانہ نظر

قارئین کرام! اس مسئلے کے ضمن میں اب تک لکھے گئے مواد کا سرسری جائزہ لے کر اس کو اختتام تک پہنچاتے ہیں۔ ''نظریۂ وحدت الوجود کی رُو سے وجود صرف ایک ہے اور وہ ذاتِ خداوندی ہے، کائنات کی تمام اشیاء اس کی صفات کے مختلف مظاہر اور شیون ہیں، ہمہ وقت وہ ذات اپنی شان کا طرح طرح سے اظہار کرتی رہتی ہے اور اس نظریئے کے بموجب ذاتِ خداوندی اور کائنات ایک دوسرے کے عین ہیں اور اس میں کوئی دُوئی کا شائبہ بھی نہیں جبکہ وحدت الشہودی نظریئے میں ذاتِ خداوندی اور اشیائے کائنات ایک دوسرے کا عین نہیں بلکہ غیر ہیں، خدا کی ذات ہماری عقل وفہم کی رسائی سے باہر ہے اشیائے کائنات خدا کی ذات یا صفات کے مظاہر نہیں بلکہ موجود بالذات ہیں، وحدت الشہود کے نظریئے کے مطابق اگر سالک کو حالتِ جذب میں خدا اور کائنات کے درمیان

عینیت نظر آئے تو وہ حقیقی نہیں بلکہ نفسیاتی ہوتا ہے، جب سالکِ راہ دیدار محبت سے سرشار ہو کر ماسوا سے نظریں ہٹالیتا ہے اور صرف خدا ہی کے تصور کو اپنے ذہن میں قائم رکھتا ہے تو اس کو ذاتِ خداوندی کے سامنے اپنی ذات اور کائنات معدوم نظر آنے لگتی ہے اور وہ اس کیفیت میں کبھی ''انا الحق'' اور ''سبحانی ما اعظم شانی'' پکار اُٹھتا ہے۔

خلاصہ

حافظ عبداللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مضمون ''وحدت الوجود اور اقبال'' (مرتبہ ڈاکٹر وحید عشرت) میں فرماتے ہیں کہ:

''شیخ الاکبر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ ذات صفات کا عین ہے اور اشیائے کائنات عین صفات ہیں لہٰذا وہ بھی عین ذات ٹھہریں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو قبول نہیں تھا ان کے نزدیک صفات عین ذات نہیں بلکہ صفات زائد علی الذات ہیں اور اللہ اپنی ذات میں اکمل و کامل ہے اس لئے صفات کی حاجت سے بے نیاز ہے۔ حضرت کے نزدیک صفات اللہ کے وجود کے تعینات اور ظلال ہیں، اللہ موجود ہے کیونکہ وہ قائم بالذات ہے اس کی صفات اللہ کا عین نہیں بلکہ ظلال ہیں، اگر ہم کائنات کو صفات حق تعالیٰ کا ظہور یا تجلی تسلیم کریں تو اس صورت میں اس کو عین بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے کیونکہ صفات کی حقیقت ذات کے اظلال سے زیادہ نہیں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس نظریئے کہ مطابق کائنات معدوم نہیں بلکہ موجود ہے خدا کا عین نہیں بلکہ اس کا وجودِ ظلی ہے اور ظل خارج میں موجود ہے، ظلی وجود حقیقی نہیں ہوا کرتا اس لئے وہ

خدا کا عین نہیں ہوگا۔ تاہم اس غیر حقیقی وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اپنے اس نظریے کے مطابق حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ذاتِ حق کو وراء الوراء تسلیم کرتے ہیں جبکہ شیخ الاکبر رحمۃ اللہ علیہ اس کے برعکس کائنات ہی کو خدا کہتے ہیں۔ مجدد صاحب کے نزدیک عالمِ موجود خارجی حقیقت ہے چونکہ اس کا وجود ظلی ہے اس لئے وہ واجب کا عین نہیں کیونکہ ممکن کا واجب ہونا محال ہے کوئی شے خدا نہیں ہوسکتی حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی بات کے قائل تھے کہ ذات کے اعتبار سے ہر شے غیر خدا ہے، اس بابت قرآن میں صراحت موجود ہے۔"

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ.

ترجمہ: کیا اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے؟

(سورۃ الفاطر 35، آیت 3)

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ.

ترجمہ: تو کیا اللہ کے سوا کسی اور سے تم ڈرتے ہو؟

(سورۃ النحل 16، آیت 52)

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ.

ترجمہ: "آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیں اے جاہلو! تو کیا تم مجھے کہتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں۔"

(سورۃ الزمر 39، آیت 64)

باب ۱۱

تصوف کی امہات الکتب میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا تذکرہ

نظریہ ساز صوفیاء

تقریباً تمام صوفی نظریہ ساز دانشوروں، مصنفوں نے تصوف کی اُمہات الکتب میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا ذکر نہایت ذوق وشوق سے کیا ہے۔ انہوں نے آپ کی زندگی کے حالات وواقعات، شاعری، اقوال کے علاوہ آپ کی تعلیمات کو بھی خصوصی طور پر پیش کیا ہے۔ سبھی تذکرہ اور سوانح نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اللہ تعالیٰ سے بے لوث اور بے غرض محبت کا آغاز کیا تھا ورنہ اللہ کی عبادت کا تصور خوف یا طمع پر اُستوار تھا۔ آپ نے اپنے عمل اور تعلیمات سے اس محبت کو اُجاگر کیا اور بعد ازاں یہی محبت تصوف کے نظریئے میں بنیادی پتھر کا کام دینے لگی، اب ہم مشہور ترین کتابوں سے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا ذکر آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

﴿تذکرۃ الاولیاء﴾

دنیا میں جتنی بھی کتابیں ہیں جو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں لکھی

گئیں ہیں ان تمام کا دارومدار حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' پر ہی ہے کیونکہ یہ واحد تذکرہ ہے جس میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی زندگی کے حالات جامع طور پر لکھے گئے ہیں اور کوئی کتاب آپ کے حالات پر اس قدر جامع دنیا میں موجود نہیں۔ اگر کبھی لکھی گئی ہو تو دستیاب نہیں۔ تذکرۃ الاولیاء سے قبل لکھی گئی کتابیں جو موجود ہیں ان میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا تفصیلی تذکرہ نہیں بلکہ کوئی ایک آدھ واقعہ یا تصوف کی تعلیمات میں ان کے ایک دو اقوال کا ذکر ہی کیا گیا ہے اور بس...... جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے بغیر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی زندگی پر کتاب لکھی ہی نہیں جا سکتی لہٰذا کتاب ہذا بھی دیگر تمام کتابوں کی طرح اسی تذکرے کی مرہونِ منت ہے۔ لیکن اس کتاب کی ضرورت واہمیت کو بڑھانے کیلئے صرف تذکرۃ الاولیاء پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ دیگر تقریباً تمام دستیاب متعلقہ کتب سے خوشہ چینی کی گئی ہے۔ اس طرح یہ ایک جامع کتاب بن گئی ہے۔ ہمیں یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ اس وقت مارکیٹ میں سب سے جامع کتاب جو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی سیرت پر دستیاب ہو، وہ ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

﴿قوت القلوب﴾

کتاب کا پورا نام '' **قوت القلوب فی معاملة المحبوب** '' ہے یہ مشہورِ زمانہ صوفی حضرت ابوطالب مکی محمد بن علی بن عطاء الحارثی متوفی 386 ہجری کی ایک جامع تصنیف ہے۔ اس میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے درج ذیل واقعات موجود ہیں۔

ا۔ دُنیاوی خیال

کتاب میں ایک روایت جو آپ سے ہی مروی ہے یوں بیان کی گئی ہے:

''آپ فرماتی ہیں کہ ایک رات سحری کے وقت میں نے کچھ تسبیحات پڑھیں اور پھر سو گئی تو میں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک سرسبز و شاداب درخت ہے جس کی خوبصورتی، حسن اور عظمت کو لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ اس درخت پر تین طرح کے پھل لگے ہوئے ہیں ایسے پھل جو کبھی دنیا میں نہیں دیکھے گئے۔ ان میں سے کچھ پھل سفید، کچھ سرخ اور کچھ زرد ہیں، وہ پھل مجھے بہت اچھے لگے، میں نے پوچھا کہ یہ پھل کس کے ہیں تو کسی کہنے والے نے جواب دیا کہ یہ تمہارے ہیں جو تمہاری تسبیحات کے بدلے میں تمہیں عنایت کئے گئے ہیں۔ یہ سن کر میں درخت کے اردگرد گھومنے لگی، میں نے دیکھا کہ ایک پھل جو سنہری رنگ کا ہے وہ زمین پر بکھرا پڑا ہے میں نے کہا اگر یہ پھل بھی ان پھلوں کے ساتھ درخت پر لگا ہوتا تو کتنا اچھا تھا؟ ابھی میں نے یہ بات کی ہی تھی کہ وہاں موجود شخصیت نے کہا کہ یہ پھل وہیں لگا ہوا تھا مگر جب تم تسبیح کر رہیں تھیں تو اس دوران تمہیں ایک دنیاوی خیال آ گیا تھا اور تم اس وقت یہ سوچنے لگی تھیں کہ کہیں گندھے ہوئے آٹے میں خمیر تو پیدا نہیں ہو گیا جونہی تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ اسی وقت یہ پھل گر گیا۔''

یہ ساری باتیں اہل بصیرت کے لئے عبرت اور اہلِ تقویٰ اور اہلِ ذکر کے لئے نصیحتیں ہیں۔

۲۔ حدیث کا ابتلاء

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں

فرمایا کہ سفیان رحمۃ اللہ علیہ ایک اچھا آدمی ہے بشرطیکہ حدیث بیان کرنے کی محبت نہ رکھے اور فرمایا کرتیں کہ حدیث کا ابتلاء مال اور اولاد کی ابتلاء سے زیادہ سخت ہے۔

ایک بار فرمایا کہ کاش سفیان رحمۃ اللہ علیہ دنیا سے محبت نہ کرے یعنی حدیث کے لئے لوگوں کا اپنے اردگرد جمع ہونا پسند نہ کرے۔

۳۔توبہ

اسلاف میں سے کسی کا قول ہے کہ میں بغیر توبہ اور قلبی ندامت کے صرف زبان سے استغفار کرنے سے اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ بغیر توبہ اور قلبی ندامت کے صرف زبان سے استغفار کرنا جھوٹے لوگوں کی توبہ ہے، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ:

''ہمارا استغفار ایک دوسرے استغفار کا محتاج ہے لہٰذا بہت سی توبہ ایسی ہیں کہ جو اپنی اصلاح اور اخلاص میں دوسری توبہ کی محتاج ہیں۔''

۴۔شادی کی درخواست پر

آپ نے شادی کی پیش کش پر عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کو یوں جواب دیا:

''اے نفس پرست انسان! اپنے جیسا کوئی دوسرا نفس پرست تلاش کر، کیا تم نے مجھ میں خواہشِ نفس کا کوئی شائبہ بھی دیکھا ہے؟''

۵۔صرف اللہ کی محبت میں

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ:

''ایک بار میں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا کہ ان

کے ایمان کی بنیاد کیا ہے؟ ان کے جواب نے ان کی ساری زندگی کے راز سے پردہ اُٹھا دیا اور ان کی تعلیمات کا خلاصہ بھی بیان کر دیا آپ نے فرمایا۔ ''میں جہنم کے خوف سے اللہ کی عبادت نہیں کرتی اگر میں ایسا کرتی تو میں ایک بیمار بھاڑے کا ٹٹو ہوتی۔ نہ ہی میں ایسا جنت کی محبت میں کرتی ہوں، اگر ایسا ہوتا تو میں ایک بدترین خادم ہوتی، لیکن میں تو صرف اس کی محبت میں اس کی عبادت کرتی ہوں اور میری خواہش تو صرف وہی ہے۔''

۶۔ اللہ کی رضا

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ:

''ایک دن انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی موجودگی میں کہا اے اللہ ہم سے راضی ہو جا! اس پر آپ نے فرمایا کیا تمہیں اللہ تعالیٰ سے رضائے الٰہی کی طلب میں شرمندگی نہیں ہوتی جبکہ تم خود اس سے راضی نہیں ہو یعنی اس کی رضا پر راضی نہیں ہو۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں۔ پھر جعفر نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا بندہ اپنے ربّ سے کب خوش ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب وہ بدقسمتی اور تکالیف پر بھی اتنا ہی خوش ہو جتنا کہ اپنی ترقی اور نشوونما پر خوش ہوتا ہے۔''

۷۔ روزی کے ذریعے کا انتخاب

کچھ لوگ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی موجودگی میں ایک نیک نام اور مقدس

آدمی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے جو اپنی خوراک بادشاہ کی پھینکی ہوئی خوراک کے ڈھیر سے حاصل کرتا تھا۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا کہ اس میں کیا حرج ہے کہ وہ اللہ سے کہے کہ وہ اسے کسی اچھے ذریعے سے خوراک مہیا کرے، اس پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا:

> "خاموش رہو، اے بے وقعت انسان! کیا تمہیں احساس نہیں کہ اللہ کے ولی راضی بہ رضا ہوتے ہیں حتیٰ کہ اگر وہ ان کی روزی کے وسائل بھی چھین لے تو وہ اُف نہیں کرتے کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی کی ذاتِ بابرکات ہے جو ان کے لئے روزی کے ذریعے کا انتخاب کرتی ہے۔"

﴿رسالہ قشیریہ﴾

یہ شیخ طریقت حضرت ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 465 ہجری کی مشہورِ زمانہ تصنیف ہے جو زیادہ ضخیم نہ ہونے کی وجہ سے رسالہ کہلائی لیکن تصوف کے مضامین کی بنا پر مشہور و معروف اور مقبول ترین کتاب ہے۔ اس میں امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے یہ واقعات و اقوال درج کئے ہیں۔

ا۔ توبہ

کسی شخص نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے کہا میں نے بہت گناہ کئے ہیں اگر میں توبہ کروں تو کیا اللہ مجھے معاف کر دے گا؟ آپ نے فرمایا:

> "اصل معاملہ یوں نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ خدا تجھے معاف کرے گا تب ہی تُو توبہ کرے گا۔"

۲۔قلندری روش

کہتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اپنی قمیض کا چاک شاہی مشعل کی روشنی میں سی لیا تو ان کے دل کا سکون رُخصت ہو گیا تو جب انہیں یہ بات یاد آئی تو قمیض کو دوبارہ پھاڑ دیا جس پر ان کے دل کا سکون واپس آ گیا۔

۳۔قلتِ غم

حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا نے ایک شخص کو واحزناہ (ہائے غم) کہتے ہوئے سنا تو فرمایا یوں کہو واقلۃ حزناہ (ہائے غم کی قلت) کیونکہ اگر تو غمناک ہوتا تو سانس نہ لے سکتا۔ (یہ شخص سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ تھے)

۴۔راضی بہ رضا

ان سے سوال کیا گیا کہ بندہ کب راضی برضا کہلانے کا حقدار ہوتا ہے فرمایا جب وہ مصیبت میں بھی اسی طرح خوش ہو جس طرح آرام میں خوش ہوتا ہے۔

۵۔ماسوا کی طرف دیکھنے کی سزا

منقول ہے کہ حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا بیمار پڑ گئیں۔ کسی نے ان سے بیماری کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

> ''میں نے دل کی آنکھ سے جنت کی طرف نگاہ کی تھی لہٰذا اللہ نے بیماری کی صورت میں مجھے سزا دی ہے اب راضی ہونا اس کی طرف سے ہے میں پھر ایسا نہ کروں گی۔''

۶۔ بدگمانی

مروی ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے مناجات میں کہا:

''اے الٰہی! تُو کیا اس دل کو دوزخ کی آگ میں جلائے گا جو تجھ سے محبت کرتا ہے؟ ہاتفِ غیبی کی آواز آئی رابعہ! تُو ہم پر بدگمانی نہ کر۔''

۷۔ دُعا نور کے تھالوں میں

صوفیاء میں سے ایک سے مروی ہے کہ میں حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا کے حق میں دُعا کرتا تھا پھر میں نے اسے خواب میں دیکھا تو اس نے کہا:

''ہمارے تحفے نور کے تھالوں اور خوشبو کے رومالوں میں ڈھانپے ہوئے پہنچتے ہیں۔''

﴿احیاء العلوم الدین﴾

احیاء العلوم الدین کئی جلدوں پر مشتمل حجۃ الاسلام ابو حامد امام محمد بن احمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 505 ہجری کی تصنیف ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب جذب و مستی اور عشق کے غلبہ و ذوق میں لکھی، جس سے آپ کے تبحر علمی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کتاب کے اثرات نہ صرف ساری مسلم سوچ پر بلکہ دیگر مذاہب کے دانشوروں پر بھی ہوئے۔ اس کتاب میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ احیاء العلوم کی جلد چہارم باب محبت و شوق اور انس و رضا میں مروی ہے کہ:

ا۔ ایمان کی حقیقت

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے دریافت کیا

کہ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے ارشاد کیا ''اللہ تعالیٰ کی عبادت میں نے خوف دوزخ کی وجہ سے نہیں کی اور نہ ہی جنت کے حصول کے شوق میں، تاکہ میرا حال برے مزدور جیسا نہ ہو بلکہ میں نے تو عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی محبت اور اشتیاق کی وجہ سے کی ہے۔''

۲۔اللہ سے محبت

پھر انہوں نے محبت کے باب میں یہ شعر پڑھے:

ایک تو مجھے تجھ سے عشق کی وجہ سے محبت ہے
دوسری اس وجہ سے کہ محبت کے لائق تیری ہی ذات ہے
میری یہ حالت تو صرف تیرے عشق کی وجہ سے ہی ہے
میں ہمیشہ تیرے سوا کسی دوسرے کی یاد سے دُور رہتی ہوں
جس عشق ومحبت کے یا اللہ تُو لائق ہے
اس محبت کی وجہ سے تُو نے تمام پردے ہٹا دیئے ہیں
جس کی وجہ سے میں تمہیں دیکھتی ہوں
اس باب میں میری کوئی تعریف نہیں
بلکہ ہر قسم کی حمد وثناء کا تُو ہی سزاوار ہے۔

۳۔شرح اشعار

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ان اشعار کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

''غالباً عشق ومحبت سے ان کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے احسان اور انعام کی وجہ سے ہونی چاہیے یعنی وہ لذتیں جو دنیا میں

عطا فرمائی گئی ہیں وہ محبت کا سبب بنی ہیں۔ دوسری مراد یہ ہے کہ صرف اس کے جلال و جمال کی وجہ سے محبت کی۔ محبت کی یہی قسم اعلیٰ ترین اور قوی ترین ہے۔"

۴۔ مکان سے پہلے صاحبِ خانہ

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے دریافت کیا گیا کہ جنت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

(الجار ثمہ الدار)

"پہلے صاحبِ خانہ پھر مکان۔"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"ان کا مطلب یہ تھا کہ ان کے دل میں التفات جنت ہرگز نہیں بلکہ ان کا دھیان جنت کے مالک کی طرف ہے۔"

۵۔ مقامِ سلوک

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو یہ مقامِ سلوک کیسے حاصل ہوا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "میں نے بے فائدہ اُمور کو چھوڑ دیا ہے اور قدیمی و ازلی وابدی ذات سے انس حاصل کیا۔"

۶۔ للہ سے محبت

حضرتِ رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے کسی نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کو کیسی محبت ہے فرمایا:

''مجھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت محبت ہے مگر اللہ نے مجھے مخلوق کی محبت سے روکا ہوا ہے۔''

۷۔ شکرانے کا روزہ

ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''میں ایک رات حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے ہاں ٹھہرا۔ آپ محراب میں کھڑی ہوئیں اور میں مکان کے ایک گوشے میں رہا۔ صبح تک ہم دونوں عبادت کرتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے کہا جس نے ہمیں اس رات کے قیام کی قوت عطا فرمائی اس کا شکر ہے تو آپ نے فرمایا اس کا شکریہ ہے کہ دن کو اس کے لئے روزہ رکھو۔''

۸۔ تکالیف پر صبر

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اپنی ابتدائی زندگی میں اور غلامی کے مہیب دنوں میں جس طرح صبر کا مظاہرہ کیا ساری زندگی میں تکالیف اور مشکلات پر انہوں نے اسی طرح اور اسی جذبے سے برداشت وصبر کیا ہے حتیٰ کہ اپنے جسمانی درد اور تکالیف کو بھی اللہ کی مرضی سمجھ کر قبول کیا۔

''ایک بار حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو تحریص دلاتے ہوئے کہا آپ اللہ سے کیا چاہتی ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ اگر میں اللہ سے کچھ چاہوں اور میرے آقا کی مرضی نہ ہو تو میں اس کی مرضی پر ایمان نہ رکھنے کی قصوروار ہوں گی۔''

صبر ان کے ایمان کا حصہ تھا۔

عوارف المعارف

یہ کتاب شیخ المشائخ بانی سلسلہ سہروردیہ حضرت شہاب الدین ابوحفص عمر بن محمد سہروردی متوفی 632 ہجری کی مشہور زمانہ کتاب ہے دنیائے تصوف میں اس کو بہت اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ آپ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے اشعار اور چند ایک اقوال لکھے ہیں جو پیش خدمت عالی ہیں:

ا۔ محبوب تک رسائی

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ کے عاشق کی آہ وفغاں کو اس وقت تک چین نہیں ہوتا جب تک اس کی رسائی محبوب کے پاس نہ ہو جائے۔''

۲۔ اشعار

آپ اکثر یہ اشعار پڑھتی رہتی تھیں:

لنخصی الاله وانت تظهم حبة
هذا العمری فی الفعال بدیع
لو کان حبك صادقاً لا طعتهٔ
ان المحب لمن یحب مطیع

عوارف المعارف کے مترجم نے اُن اشعار کا اُردو ترجمہ یوں کیا ہے:

اُلفتِ حق کا ہے دعویٰ اس پر نافرمانیاں
اللہ اللہ کس قدر دیکھو تو ہے حیرت کی بات

دعویٰ الفت کا اگر سچ تھا تو ہونا تھا مطیع
عاشقِ صادق تو کرتا ہے سدا اطاعت کی بات

۳۔شرح

شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''یہ محبت رُوحانی احوال میں وہی مرتبہ اور حیثیت رکھتی ہے جو توبہ مقاماتِ تصوف کے لئے رکھتی ہے، پس اگر کوئی رُوحانی حال کا مدعی ہے تو اس کی محبت کو پرکھا جائے اور جو محبت کا داعی ہو اس کی توبہ کو پرکھا جائے، اس لئے کہ توبہ محبت کی رُوح کا قالب ہے۔''

۴۔عاشق

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا:

''ہر دل لگانے والا فرمان بردار ہوتا ہے۔''

۵۔اشعار

پھر آپ نے عربی اشعار پڑھے جس کا اردو ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

دل سے تجھ سے کلام کرتی ہوں
چاہے جسم ہو ہم نشیں کے قریب
جسم گو قربِ ہمنشیں میں سہی
تُو ہے دل کا انیس غیر نہیں

نفحات الانس

نفحات الانس نویں صدی ہجری کی تصوف پر ایک گراں قدر تصنیف ہے، کافی ضخیم ہے اور مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کی کاوش کا نتیجہ ہے، یہ تصوف کے موضوع پر ایران میں اس دَور کی آخری تصنیف تھی، آپ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا ذکر یوں کیا ہے:

ا۔ آپ کا تعارف

نفحات الانس میں آپ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے کہ آپ بصرہ کی رہنے والی تھیں آپ کی بزرگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ان سے مسائل تصوف دریافت کرنے جایا کرتے تھے اور ان سے نصیحت اور دُعا کی خواہش کیا کرتے تھے۔

۲۔ اللہ سے سلامتی کی طلب

ایک دن حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پاس آئے اور ہاتھ اُٹھا کر کہا اے اللہ! میں تجھ سے سلامتی کا طالب ہوں۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا یہ سن کر رونے لگیں۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے رونے کا سبب دریافت کیا تو کہنے لگیں "تم نے مجھے رُلا دیا ہے کیا تم نہیں جانتے کہ دنیا کی سلامتی تو اس کے ترک کردینے میں ہے اور تم اس میں آلودہ ہو رہے ہو۔"

۳۔ ارشادات

☆ ہر چیز کا ثمر ہے اور معرفت کا ثمر خدا کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

☆ میں اللہ سے استغفار کرتی ہوں، استغفار میں صدق کی کمی کا۔

☆ آپ نے فرمایا کہ میرا غم اس لئے نہیں کہ میں غمگین ہوں بلکہ اس لئے ہے کہ میں غمگین نہیں ہوں۔

☆ ایک دن حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا "واحزناہ" (اے غم، اے غم) آپ نے یہ سن کر فرمایا "جھوٹ مت بولو، اگر تم غمگین ہوتے تو تم کو یہ زندگی بھلی معلوم نہ ہوتی۔"

☆ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے دریافت کیا کہ وہ کون سی سب سے بہتر چیز ہے جس میں بندہ خدا تک تقرب ڈھونڈ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا "جان لو کہ بندہ دنیا اور آخرت میں اس کے سوا کسی اور کو دوست نہ رکھے یہی سب سے بہتر چیز ہے اس کے تقرب کے حصول کے لئے۔"

طبقاتِ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ

"طبقات" امام سید عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، آپ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا یوں تذکرہ کیا ہے:

۱۔ غم وحزن

☆ آپ کثرت سے روتیں اور غمگین رہتی تھیں اور جب جہنم کا ذکر سنتی تو دیر تک غشی کی حالت طاری رہتی۔

☆ آپ فرماتی تھیں کہ "ہمارا استغفار بذاتِ خود استغفار کا متقاضی ہے۔"

☆ لوگ جو کچھ آپ کو دیتے آپ لوٹا دیتیں اور فرماتیں مجھے دنیا کی کوئی حاجت نہیں۔

☆ اسی سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد آپ یوں لگتیں جیسے پرانا مشکیزہ۔ جب چلتیں تو معلوم ہوتا کہ آپ گرنے لگی ہیں آپ کا کفن ہمیشہ آپ کے سامنے رہتا یعنی جائے نماز پر سجدہ گاہ کے پاس۔ آپ کی سجدہ گاہ ہمیشہ آنسوؤں سے تر رہتی تھی۔

☆ آپ نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو جب ہائے غم ہائے غم کہتے سنا تو فرمایا ہائے غم کی قلت۔ اگر تو غمگین ہوتا تو تجھے زندگی اچھی نہ لگتی، آپ کے مناقب بے شمار ہیں۔

فوائد الفواد

حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا یہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ:

''ایک شخص حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پاس آیا اور ذکر دنیا بڑی برائی کے ساتھ کرنے لگا، جب وہ اپنی بات مکمل کر چکا تو آپ نے فرمایا ''تم آئندہ میرے پاس نہ آنا کیونکہ تم دنیا کے دوست ہو، جو جس کا دوست ہوتا ہے اس کا بہت ذکر کرتا ہے تم بھی دنیا کا ذکر بہت زیادہ کر رہے ہو لہٰذا تمہیں آئندہ میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔''

روض الرّیاحین

روض الریاحین فی مناقب الصالحین، امام عبد اللہ بن اسعد یافعی یمنی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔

آپ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ:

ا۔ عبادات:

سیدہ رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے متعلق ان کی ایک خادمہ کا بیان ہے کہ:

''حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا تمام رات طلوع فجر تک نماز پڑھتی رہتی تھیں، اگر کچھ وقفہ کے لئے مصلّے پر لیٹ جاتیں تو اچانک گھبرا کر بیدار ہو جاتیں اور کہتیں اے نفس! کب تک پڑا سوتا رہے گا عبادت کے لئے نہیں اُٹھے گا، وہ وقت قریب ہے جب ایسی نیند سونا ہے کہ پھر صورِ قیامت ہی سے بیداری ہوگی ان کی یہی حالت آخری دم تک رہی۔''

وفات

وفات کا وقت قریب آیا تو مجھے بلا کر اُون کا ایک جبہ دکھایا اور کہا کہ انتقال کے بعد مجھے اس کا کفن دینا اور کسی کو میرے مرنے کی خبر نہ دینا۔ جبہ وہی تھا جسے وہ تہجد کے وقت پہنا کرتی تھیں۔ چنانچہ میں نے انہیں اسی جبہ اور ایک اُونی چادر کا کفن دیا۔

خواب

اسی شب وہ مجھے خواب میں آئیں، میں نے دیکھا وہ سبز استبرق کا جبہ اور سنہری ریشمی اوڑھنی تن زیب کئے ہوئے تھیں، میں نے پوچھا وہ جبہ اور اوڑھنی کیا ہوئی؟ فرمایا میرا وہ جبہ اور اوڑھنی سربمہر اعلیٰ علیین میں رکھ دیا گیا ہے تا کہ روزِ حشر مجھے اس کا ثواب عطا ہو۔ اب ربِ کائنات نے اس کے بدلے مجھے یہ لباس عنایت فرمایا ہے۔

نیک اعمال کا بدلہ

خادمہ نے پوچھا کہ کیا آپ دنیا میں انہیں چیزوں کے لئے نیک اعمال کرتی تھیں؟ فرمایا "ربّ نے اپنے اولیاء کو ایسی ایسی نعمتیں عطا کی ہیں کہ ان کے مقابل اس کی کوئی حیثیت نہیں۔"

نصیحت

خادمہ نے عرض کیا مجھے کوئی نصیحت کریں۔

فرمایا:

"اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، عنقریب تمہیں قبر میں اس پر فرحت و شادمانی حاصل ہوگی۔"

اس کتاب سے دیگر کچھ واقعات پہلے بھی درج کیے جا چکے ہیں۔

باب ۱۲

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی شاعری

تاریخ فلسفۂ تصوف

تصوف کے بارے میں شہرۂ آفاق کتاب ''تاریخ فلسفۂ تصوف'' میں جو مشہور مستشرقین ڈاکٹر آر اے نکلسن اور پروفیسر آر جے آربری کی مشترکہ تصنیف ہے، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی شاعری کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''یورپ نے تصوف کے بارے میں نمایاں طور پر اور وضاحت سے جو کچھ معلوم اور حاصل کیا ہے وہ ایک نامور ولیہ کے کلام سے حاصل کیا ہے، جس کا نام رابعہ بصری ہے۔ اس کے اشعار میں ایک صوفی کا نصب العین ان قلبی کیفیات کو قرار دیا گیا ہے جو محبوب کے تصور سے دل میں برانگیختہ ہوتے ہیں۔''

پھر انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی مشہور ترین نظم دو محبتوں کے اشعار درج کیے۔

اشعار اور ان کا پس منظر

احیاء العلوم الدین جلد چہارم باب 6 میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے محبت وشوق اور

انس و رضا کے عنوانات کے تحت حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے اشعار اور واقعات کا تذکرہ کیا ہے اور دو محبتوں والے اشعار کے اندراج سے قبل یہ واقعہ لکھا ہے کہ:

''حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے دریافت کیا کہ آپ کے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ارشاد فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں نے کبھی دوزخ کے خوف کی وجہ نہیں کی اور نہ ہی جنت کے حصول کے شوق میں، تاکہ میرا حال برے مزدور جیسا نہ ہو بلکہ میں نے تو عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی محبت اور اشتیاق سے کی ہے پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے۔''

دو محبتیں

احبک حبین حب الھویٰ
وحبا لانک اھل لِذا کا
فاما الذی ھو حب الھویٰ
فشغلی بذکرک عمن سواکا
واما الذی انت اھل لہٗ
فکشفک لی الحجب حتیٰ اراکا
فلا الحمد فی ذا ولا ذاک لی
ولکن لک الحمد فی دا وذاکا

ان اشعار کی تشریح اور وضاحت بڑے والہانہ اور وارفتہ انداز میں جناب ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں اور جناب امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احیاء

العلوم الدین'' جلد چہارم میں کی ہے جو آگے پیش کی جائے گی لیکن اس سے پہلے ''حب الھویٰ'' کی وضاحت ہو جائے۔ مترجمین نے اس کے مختلف معانی بیان کئے ہیں کچھ نے ''خودغرض محبت'' کچھ نے ''محبت بر بنائے محبت'' اور کچھ نے ''مجازی محبت'' کئے ہیں۔ اشعار کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے:

اُردو ترجمہ

میں تجھ سے دو طرح کی محبت کرتی ہوں، ایک محبت بر بنائے محبت
اور دوسری ایسی محبت جس کا تُو مستحق ہے
جہاں تک محبت بر بنائے محبت کی بات ہے
وہ یہ کہ تجھے یاد کرتی ہوں اور تیرے ماسوا کو بھول جاتی ہوں
اور وہ محبت کہ جس کا تو اہل اور مستحق ہے
تو یہ جبھی کامل ہو سکتی ہے کہ تُو پردہ اُٹھا دے اور میں تیرا دیدار کرلوں
ان دونوں محبتوں کے لئے میں تعریف کی مستحق نہیں
بلکہ ان دونوں صورتوں میں تیری ہی ذات لائق حمد اور سزاوارِ ثناء و ستائش ہے

انگریزی ترجمہ

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ نے اپنی کتاب ''رابعہ دی مسٹک'' (Rabia The Mystic) میں ان اشعار کا یہ انگریزی ترجمہ کیا ہے:

I HAVE LOVE THEE WITH TWO LOVES, A SELFISH LOVE
AND A LOVE THAT IS WORTHY OF THEE,
AS FOR THE LOVE WHICH IS SELFISH, I OCCUPY MY SELF
THERE IN WITH REMEMBRANCE OF THEE TO THE CXCLUSION OF ALL OTHERS,

AS FOR THAT WHICH IS WORTHY OF THEE, THERE IN THOU
RAISEST THE VEIL THAT I MAY SEE THEE,
YET IS THERE NO PRAISE TO ME IN THIS OR THAT,
BUT THE PRAISE IS TO THEE, WHETHER IN THAT OR THIS.

اُردو ترجمہ (دوم)

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور جلد دہم میں اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

میں نے تجھ سے دو طرح کی محبت کی، ایک خود غرضی والی محبت
اور ایک اس لئے کہ تُو اس کے لائق ہے
خود غرضانہ محبت میں ماسوا سے میری آنکھیں بند ہو جاتی ہیں
لیکن اس محبت میں جس کے تُو لائق ہے
تُو کشفِ حجاب کرتا ہے تاکہ میں تیرا دیدار کرسکوں
ان دونوں صورتوں میں سے کسی میں بھی میں تعریف کی مستحق نہیں
بلکہ ان دونوں میں سب تعریف تیرے لئے ہی ہے۔

شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح

شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ المکی الحارثی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''قوت القلوب'' (اردو ترجمہ مولانا صدر عالم عبد الرحمٰن، دارالاشاعت اُردو بازار کراچی) جلد سوم صفحہ 138/139 میں ان اشعار کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''آپ کا قول حب الھویٰ اور حب الاستحقاق اور ان دونوں محبتوں میں تفریق کرنا تفصیل طلب ہے تاکہ جو نہیں سمجھا وہ سمجھ جائے اور

جسے مشاہدہ نہیں اسے خبر ہو جائے۔ محبت کے ان ناموں اور صفات کا ایسے لوگ ہی انکار کر سکتے ہیں جن کو اس میدان میں کوئی ذوق حاصل نہیں اور نہ اس کا انہیں کوئی تجربہ ہے۔

حب الھویٰ یہ ہے کہ میں نے تیرا دیدار کیا خبر و سمع سے نہیں بلکہ نظرِ یقین کے مشاہدے کے ساتھ تجھ سے محبت کی۔ میں نے یہ محبت انعامات و احسانات کی وجہ سے نہیں کی کہ ان کے بدل جانے سے میری محبت بھی بدل جائے بلکہ میری محبت تو بطریقِ مشاہدہ ہے کہ میں نے تیرا قرب حاصل کیا، تیری جانب دوڑی، تجھ میں مشغول ہوئی اور تیرے سوا ہر ایک سے کٹ گئی، اس سے پہلے میری مختلف خواہشات تھیں لیکن جب میں نے تیرا دیدار کیا تو وہ سب ختم ہو گیا اب تُو ہی میرا حاصلِ دل اور مجموعۂ محبت ہے اگرچہ میں تیرے سوا سب کچھ بھول چکی ہوں پھر بھی میں اس محبت پر کسی اُجر کی مستحق نہیں بلکہ میں تو اس کی بھی اہل نہیں کہ آخرت میں مقامِ رضوان میں تیری طرف کھلے عام نظر کر سکوں کیونکہ تیرے لئے ضروری نہیں کہ میری محبت کا لازمی کوئی اُجر دے البتہ میرے لئے یہ ضرور لازم ہے کہ میں تیرا شکر ادا کروں کہ تُو نے مجھے اس محبت اور حقوق کی ادائیگی کی طاقت دی، یوں مجھے ہر دم خوفِ تقصیر بھی ہے اور قلتِ وفا پر حیا بھی واجب ہے چنانچہ یہ تیرا فضل ہے مجھ پر کہ تُو نے یہاں بھی مجھے دیدار کرایا اور آخرت میں بھی اپنا دیدار کرائے گا، مجھ پر دنیا و آخرت میں تیرا جو فضل ہے اس پر تیری حمد ہے اور ستائش ہے اس پر میری کوئی تعریف نہیں اس لئے کہ تیری ہی وجہ سے مجھے دونوں محبتوں تک

رسائی ملی۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے اس قول سے یہی گمان
ہوتا ہے کہ مقامِ محبت میں انہیں بلند درجہ حاصل تھا۔''

ان اشعار کی تشریح میں صوفیاء نے اپنے رُوحانی وجدان کے مطابق اس امر پر اتفاق کیا کہ حب ہویٰ اور حب استحقاق دونوں اس کے فضل کا نتیجہ ہیں اور وہ سب حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے اس کمال کے بھی معترف ہیں کہ وہ ان دونوں محبتوں سے ہمکنار ہوئیں اور محبت کے بلند ترین مقام پر پہنچ گئیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، احیاء العلوم جلد چہارم باب 6 محبت وشوق اور انس و رضا (ترجمہ مولانا محمد فیض احمد اویسی، شبیر برادرز اُردو بازار لاہور) میں دو محبتوں والے اشعار کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

''غالباً عشق و محبت سے ان کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے احسان اور انعام کی وجہ سے ہونی چاہیے یعنی وہ لذتیں کہ جو دنیا میں انہیں عطا فرمائی گئی ہیں وہ محبت کا سبب بنی ہوں اور اس سے دُوسری مراد یہ ہے کہ صرف اسی کے جلال و جمال کی وجہ سے محبت کی کو ان پر ظاہر ہوا اور ظاہر ہے کہ محبت کی اعلیٰ ترین اور قوی ترین قسم یہی ہے اور جمالِ ربوبیت کے دیکھنے کی غرض و غایت وہی ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیثِ قدسی میں بیان فرمایا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ''میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے وہ انعام تیار کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان

نے سنا ہے اور نہ ہی کسی کے دل میں اس کا خیال بھی آسکتا ہے۔"
اگر کسی شخص کی قلب کی صفائی انتہا درجے پر پہنچ جاتی ہے تو اسے ان
لذتوں میں سے بعض لذتیں دنیا میں میسر آجاتی ہیں۔"

محبّ اور محبوب

آپکی شاعری کے بارے میں اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور جلد دہم میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

"حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اپنے اشعار اور اللہ تعالیٰ سے محبت و انس کے اقوال کی وجہ سے مشہور ہیں، اللہ سے محبت اور انس عاشقوں کو غیر اللہ سے بیگانہ کر دیتا ہے، ان کا قول ہے کہ ہر محبّ اپنے محبوب کے قرب کا متمنی ہے، آپ اکثر یہ اشعار پڑھا کرتی تھیں:

اشعار

ولقد جعلتك فى الفواد محدثى
وابحت جسمى من اراد جلوسى
فالجسم منى للجليس موانس
و حبيب قلبى فى الفواد انيس

انگریزی ترجمہ

ان اشعار کا ترجمہ ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ نے اپنی کتاب "رابعہ دی مسٹک" (Rabia The Mystic) میں یوں انگریزی میں کیا ہے:

I HAVE MADE THEE THE COMPANION OF MY HEART,
BUT MY BODY IS AVAILABLE FOR THOSE WHO DESIRE ITS COMPANY,
AND MY BODY IS FRIENDLY TOWARDS ITS GUESTS,
BUT THE BELOVED OF MY HEART IS THE GUEST OF MY SOUL.

اُردو ترجمہ

میں نے تجھے اپنے دل کا ہم نشین بنایا ہوا ہے
لیکن میرا جسم ان کے لئے حاضر ہے جو اس کی ہم نشینی چاہتے ہیں
اور میرا جسم میرے مہمانوں کا دوستدار تو ہے
لیکن میرے دل کا محبوب وہ ہے جو میری رُوح کا مہمان ہے۔

''عوارف المعارف'' میں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے اشعار درج کئے ہیں، درج بالا شعر بھی عوارف المعارف میں درج ہے، علاوہ ازیں شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا یہ قول بھی لکھا ہے کہ ہر دل لگانے والا فرمان پذیر ہوتا ہے پھر یہ اشعار درج کئے:

اشعار

لتعصی الالٰہ وانت تظهر حبه
هذا لعمری فی الفعال بدیع
لو کان حبك صادقاً لا طعتهٗ
ان المحب لمن یحب مطیع

عوارف المعارف کے مترجم نے ان اشعار کا اردو ترجمہ بھی شعروں میں کیا ہے، جو پیش خدمت عالی ہے:

اشعار کا اردو ترجمہ

الفتِ حق کا ہے دعویٰ اس پر نافرمانیاں
اللہ اللہ کس قدر دیکھو تو ہے حیرت کی بات
دعویٰ الفت کا اگر سچ تھا ہونا تھا مطیع
عاشقِ صادق تو کرتا ہے سدا اطاعت کی بات

نثری اردو ترجمہ

اے نفس! تُو اللہ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے
حالانکہ تُو اس کی نافرمانی بھی کرتا ہے
کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی عجیب وغریب بات ہو سکتی ہے
اگر تیری محبت سچی ہے، صادق ہے تو اپنے ربّ کی اطاعت کر
کیونکہ محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے
اس کی اطاعت بھی ضرور کرتا ہے۔

شرح

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:
''یہ محبت رُوحانی احوال میں وہی مرتبہ اور حیثیت رکھتی ہے جو توبہ مقاماتِ تصوف کے لئے رکھتی ہے پس اگر کوئی روحانی حال کا مدعی ہو تو اس کی محبت کو پرکھا جائے اور جو محبت کا مدعی ہو اس کی توبہ کو پرکھا جائے کیونکہ توبہ محبت کی روح کا قالب ہے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت

رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا یہ معروف قول بھی درج کیا ہے کہ اللہ کے عاشق کی آہ وفغاں کو اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک کہ اس کی رسائی محبوب کے پاس نہ ہو جائے۔"

عہدِ حاضر میں مسعود مفتی صاحب نے 2007ء میں "حضرت رابعہ بصری قلندر" نامی کتاب لکھی جس میں انہوں نے ذیل کی نظم حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے منسوب کر کے درج کی ہے:

اشعار

كاسى و حمرى والنديم ثلاثه

وانا المشوقه فى الحبة رابعه

كاس المسرة والنعم يديرها

ساقى المدام على المدىٰ متتابعه

فاذا نظرت فلا ارىٰ الا لهٗ

واذا حضرت فلا ارىٰ الا معه

يا عاذلى انى احبّ جمالهٗ

قا اللّٰه ما اذانى لعذلك سامعه

كم بت من حرتى و نرط تعلقى

اجرى عيرنا من عيونى الدمعه

لا عبرتى ترق ولا وللى لهٗ

يبقٰى ولا عينى القريحة هاجعه

ترجمہ

جام، شراب اور ندیم ان تینوں کے درمیان میں
وارفتۂ محبت چوتھی ہوتی ہوں
سرور و راحت کے پیالے کا دور
ساقی پے در پے چلاتا رہتا ہے
جب میں نگاہیں اُٹھاتی ہوں تو اس کو دیکھتی ہوں
اور جب میں ہوتی ہوں تو اس کے ساتھ ہوتی ہوں
اے ناصح! مجھے اس کے جمال سے محبت ہے
واللہ میرے کان تیری نصیحت سے بہرے ہیں
میں نے کتنی راتیں اس کی محبت میں جلتے ہوئے گزاری ہیں
کہ میری آنکھیں آنسوؤں کے دریا بہا رہی تھیں
نہ میرے آنسو تھے نہ وصل دائم رہا
نہ میری زخمی آنکھ پل بھر کے لئے جھکی

مناجاتیں اور شاعری

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ اپنی کتاب ''رابعہ دی مسٹک'' (Rabia The Mystic) میں لکھتی ہیں کہ:

''آپ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ رات کو آپ چھت پر چلی جاتی تھیں اور ربِ کائنات کے حضور یوں مناجات پیش کرتی تھیں۔''

''اے میرے مالک!

ستارے چمک رہے ہیں اور انسانوں کی آنکھیں بند ہو چکی ہیں

بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر لئے ہیں

اور ہر عاشق تنہا اپنے معشوق کے ساتھ ہے

اور میں یہاں تیرے حضور کھڑی ہوں۔''

پھر آپ رات بھر نفل نمازیں پڑھتی رہتی تھیں اور جب طلوع کا منظر دیکھتیں تو پھر رب ذوالجلال کے حضور یوں مناجات پیش کرتی تھیں۔

''اے اللہ!

رات بیت چکی ہے اور دن نکل آیا ہے

مجھے کب معلوم ہوگا کہ تُو نے میری نمازیں قبول کر لی ہیں

یا تُو نے ان کو مسترد کر دیا ہے

مجھے تسلی دے کہ اس حالت میں تیرے عا[illegible]ہ

اور کوئی مجھے تسلی نہیں دے سکتا

تُو نے ہی مجھے زندگی دی اور میرا خیال رکھا

اور تیری ہی عظمت، بزرگی اور شان ہے

اے اللہ! اگر تُو نے مجھے اپنے در سے دُھتکار بھی دیا

تو بھی میں تیرے در سے اس محبت کی وجہ سے نہیں ہٹوں گی۔''

آپ دیکھئے کہ ان مناجاتوں میں کیسا شاعرانہ بانکپن پایا جاتا ہے۔ پھر آپ یہ اشعار پڑھا کرتی تھیں۔

یہ اشعار الحرملفش مصری نے اپنی کتاب '' روضة الفائق'' میں درج کئے ہیں جہاں سے ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ نے اپنی کتاب میں درج کئے ہیں:

اشعار کا اُردو ترجمہ:

''اے میری مسرت و شادمانی، مری آرزو اور میری جائے پناہ
میرے دوست، مجھے قائم رکھنے والے اور میری منزلِ مقصود
تم ہی میرے قریبی ساتھی ہو
اور تمہاری چاہ اور آرزو نے ہی مجھے سنبھال رکھا ہے
اے میری زندگی اور اے میرے دوست!
تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں
بھلا میں اپنی توجہ زمین کی خلاؤں سے کیسے ہٹا سکتی ہوں
تمہاری مجھ پر بے بہا کرم نوازیاں ہیں
اور تم نے مجھے کس قدر عطا کیا ہے
اپنے تحائف، اپنے فضل و کرم اور اپنی مدد سے
تمہاری محبت ہی اب میری خواہش اور میری رُوحانی مسرت ہے
اور یہ مرے دل کی آنکھ پر منکشف ہوا جو پیاسی تھی
میرا تیرے علاوہ اور کوئی نہیں
تُو جو صحراؤں کو گلزار بناتا ہے
تم ہی میری خوشی ہو جو میرے اندر شدت سے قائم ہے
اگر تم مجھ سے راضی ہو تب
اے میرے دل کی خواہش میری خوشیاں بر آئیں۔''

جب حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا پر شادی کے لئے دباؤ ڈالا گیا تو آپ نے سختی سے انکار کرتے ہوئے یہ خوبصورت اشعار پڑھے، یہ اشعار بھی الحریفش المصری نے اپنی

کتاب " الروضۃ الفائق "میں درج کیے، جہاں سے ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ نے اپنی کتاب ''رابعہ دی مسٹک''(Rabia The Mystic) میں لکھے:

اشعار:

''اے میرے بھائیو! میرا سکون میری تنہائی میں ہے
اور میرا محبوب ہمہ وقت میرے ساتھ ہے
اور اس کی محبت کا مجھے کوئی متبادل نہیں مل سکتا
فانی مخلوقات کے درمیان اس کی محبت میرا امتحان ہے
میں اس کے حسن کا کب مکمل دیدار کر سکوں گی
وہی میری محراب ہے اور اسی کی جانب میرا قبلہ ہے
اگر میں محبت میں مکمل اطمینان حاصل کیے بغیر مرگئی
تو دُنیا میں میری بے چینی پر افسوس ہے
اور تکالیف و مصائب پر افسوس ہے
اے رُوحوں کو شفا دینے والے! دل اپنی خواہش پر پلتے ہیں
تجھ سے وصال کے بعد ہی میری رُوح صحت یاب ہو سکتی ہے
اے میری خوشی اور میری زندگی برقرار رکھنے والے!
تمہی میری زندگی کا منبع و مصدر تھے
اور تمہی سے مجھے انتہائی مسرت ملتی تھی
میں نے تمام مخلوقات سے خود کو الگ کر لیا ہے
میری امید اب تمہارے وصال سے ہے
کیونکہ یہی میری آرزو کی منزل ہے۔''

تمام عظیم صوفیاء کی طرح حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو بھی گناہگار ہونے کا احساس تھا اور صوفی لکھاریوں نے توبہ کے مضامین میں آپ کی اس ضمن میں تعلیمات کا بھی ذکر کیا ہے۔ الحریفش نے چند دعائیہ مصرعے جن کو وہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے دو محبتوں والے اشعار سے منسلک کرتا ہے یوں درج کیے ہیں:

اشعار:

"اے دلوں کے محبوب! میرے نزدیک آپ جیسا کوئی نہیں
لہٰذا آج کے دن اس گناہگار پر رحم فرما جو تیرے در پہ آیا ہے
اے میری امید، میرے سکون اور میری خوشی
میرا دل تیرے علاوہ کسی سے بھی محبت نہیں کر سکتا۔"

آپ نے اپنی شاعری میں اللہ تعالیٰ سے محبت کے جذبات کو اعلیٰ ترین شکل میں پیش کیا ہے جس کی وجہ سے آپ کی شاعری کلاسیک کا درجہ اختیار کر گئی ہے، مستشرقین نے اس کا برملا اعتراف کیا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے اشعار کو اپنی کتاب احیاء العلوم میں نقل کیا ہے:

اشعار

☆ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ایک شعر میں فرماتی ہیں:
بدقسمت ہے وہ جو اللہ کی یاد سے غافل ہو جائے
اور نفس کی خواہشوں کا غلام بن جائے۔

☆ ایک اور شعر میں فرماتی ہیں:
اس کے حال پر افسوس کرو
جو نفسانی خواہشات میں مگن ہو کر روزِ قیامت کو بھلا بیٹھا۔

☆ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ایک مقام پر اپنے نفس کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ:

اے ناسمجھ! تُو جن رشتوں اور لذتوں میں مشغول ہو گیا ہے

یہ سب ختم ہونے والے ہیں اور ہمیشہ رہنے والی دوستی صرف اللہ کی ہے

☆ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ایک شعر میں اپنے نفس سے یوں پوچھتی ہیں:

اے غافل! بہت سے دنیاوی معبود بہتر ہیں

یا ایک ہی ربّ کے سامنے سجدہ ریز ہونا اچھا ہے۔

☆ ایک شعر میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا آگاہ کرتی ہیں اور صاف صاف کہتی ہیں کہ:

''اے غفلت میں سوئے ہوئے انسان! وہ کون سی لذت ہے جس کی

وجہ سے تُو نے اپنے مہربان رب سے منہ موڑ لیا ہے

سرکشی کے صحرا میں بھٹکنے کا نتیجہ بدقسمتی اور محرومی ہے۔

☆ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ایک شعر میں فرماتی ہیں:

''اس ربّ کائنات سے سرکشی کہاں تک جائز ہے جو تیری زندگی اور

تیری موت کا مالک ہے۔''

☆ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ایک اور جگہ فرماتی ہیں:

لوگ نفسانی خواہشات کے غلام بنتے جا رہے ہیں

حق کی تلاش کم ہوتی جا رہی ہے۔

☆ ایک شعر میں آپ موت سے ڈراتے ہوئے نصیحت کرتی ہیں:

جب موت آئے گی تو پھر کون تیرا محافظ ہو گا

اور کون تجھے بچانے والا ہو گا

لہٰذا لذتوں کے صحرا کو چھوڑ دے

اور اللہ کا وفادار بن جا، اس میں عزت اور نجات ہے۔

☆ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نیکی کی طرف راغب کرتے ہوئے ایک جگہ پر یوں فرماتی ہیں:

اے غافل انسان! تُو بہت سو چکا، تیری غفلت کی انتہا ہو چکی

کفر کے اندھیرے سے باہر نکل اور عمل صالح کی روشنی میں آ جا۔

☆ ایک شعر میں اچھائی اور برائی کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

اب نادم ہو کر بحرِ اشک میں نہا لے

اور رضائے حق کے گلزار میں آ جا

یاد رکھ! بدی کے صحرا میں فقط کانٹے ہی کانٹے ہیں

جبکہ دینِ اسلام کے باغ میں پھول ہی پھول ہیں

سوچ لے جہنم کے کانٹے بہتر ہیں یا جنت کے پھول۔

☆ اے میرے اللہ! اگر میں تیری عبادت دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں

تُو مجھے دوزخ میں ڈال دے

اور اگر جنت کے لالچ سے کرتی ہوں تو مجھے

جنت سے محروم رکھ

اور اگر میں تجھ سے، تیری ذات سے، صرف تیرے لئے ہی محبت کرتی ہوں تو

اے پروردگار مجھے اپنے جمالِ ازلی سے محروم نہ رکھنا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہا کی شاعری پر تبصرہ

مصطفیٰ عبدالرزاق پاشا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے تصوف میں حبِ الٰہی کے نغمے گائے جس کی وجہ سے تصوف میں خوف و دہشت کے مسلک کی بجائے محبت کی آمیزش ہوئی، یوں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اس نئے مسلک کی بانی ہیں۔ آپ کی شاعری صوفیانہ اسرار و رموز، خداوند تعالیٰ سے والہانہ عشق اور وارفتگی کے ساتھ ساتھ حسنِ تعبیر کی آئینہ دار ہے، آپ کے اکثر اشعار و اقوال دراصل آپ کی دُعاؤں اور مناجاتوں پر مشتمل ہیں جنہوں نے جذبات میں تحلیل ہو کر شعر کا لباس پہن لیا ہے۔ ان کی شاعری میں خدا کی پر جوش محبت کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ خدا سے عشق کی کیفیات کا اظہار انہوں نے بڑے بے باکانہ طور پر کیا ہے، ان کے اشعار سے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اپنے دل کی عمارت سے دنیائے ہست و بود کا سارا ساز و سامان باہر پھینک چکی ہیں اور اب ان کے دل میں بس ایک ہی ذات براجمان ہے اور وہ ذاتِ بابرکات ہے خداوند ذوالجلال و الاکرام کی۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے اشعار محبت کے وہ نورانی نغمے ہیں جو آسمان سے نازل ہوئے ان کے دل پر اُترے اور وہاں سے صفحۂ ہستی پر رقم ہو گئے۔''

آخری مناجات

یہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے اشعار تو نہیں البتہ ان کی ایک مناجات ہے جس میں نہ صرف شعری حسن موجود ہے بلکہ مکمل شعری انداز بھی پایا جاتا ہے، یہ مناجات ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ نے اپنی کتاب ''رابعہ دی مسٹک'' (Rabia The Mystic) میں

درج کی ہے اور لکھا کہ یہ مناجات پروفیسر نکلسن نے انہیں دی تھی، یہ مناجات امام ابو القاسم العارف نے اپنی کتاب "قصد الی اللہ" میں لکھی تھی جو اس باب کے آخر میں قارئین کے ذوق وشوق کو مہمیز کرنے کے لئے درج کی جارہی ہے:

اے اللہ! تیرا سب سے اچھا تحفہ

جو میرے دل میں ہے، وہ تجھ سے ملنے کی امید ہے

اور میری زبان پر سب سے میٹھا جو لفظ ہے وہ تیری حمد وثنا ہے

اور وہ لمحات جن کو میں سب سے زیادہ چاہتی ہوں وہ ہیں

جب میں تم سے ملتی ہوں

اے اللہ! میں اس دُنیا میں تیری یاد کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی

اور اگلی دنیا میں تیرے دیدار کے بغیر کس طرح زندہ رہ سکوں گی

اے میرے آقا! میری تم سے فریاد ہے کہ میں تیرے ملک میں اجنبی ہوں

اور تیرے عبادت گزاروں میں تنہا ہوں۔

باب ۱۴

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی تعلیمات

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ اپنی کتاب ''رابعہ دی مسٹک'' (Rabia The Mystic) میں لکھتی ہیں کہ اسلامی تصوف کی نشوونما اور ترقی میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی تعلیمات کا قابلِ ذکر حصہ ہے جب ہم ان کے حالاتِ زندگی کا ذکر کرتے ہیں تو اتنے تیقن سے بات نہیں کہہ سکتے ہیں لیکن جب ان کی تعلیمات کا ذکر ہوتا ہے تو ہم وثوق سے بات کر سکتے ہیں کیونکہ درویشانہ طرزِ زندگی کی ایک استاد اور رہنما کے طور پر ان کا صوفیاء کرام اور صوفی مصنفین میں بہت تعظیم اور احترام پایا جاتا ہے وہ ان کے اقوال اور تعلیمات کو ایک بالادست سنار کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے اپنے مقالے میں صوفی نظریئے کو ایک مرتب نظام کے طور پر پیش کیا۔ القشیری رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے اپنی تصنیف ''الرسالہ'' میں اسی موضوع پر تفصیل سے لکھا، مشہور ماہر الٰہیات و عالمِ دین امام الغزالی، اور شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ یہ سب تصوف پر لکھنے والے مشہور لوگ ہیں، ان تمام نے صوفی نظریئے پر رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی تعلیمات کے اپنی کتابوں میں تفصیل سے حوالے دیئے ہیں۔

ان کے سیکھنے کا طریقہ

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے ایک سوانح نگار۔ نے یہ وضاحت کی کہ دوسروں

کو تعلیم دینے اور سکھانے میں ان کے اپنے سیکھنے کے طریقے نے اہم کردار ادا کیا ہے اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہم نے کبھی یہ نہیں سنا کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اپنے وقت کے کسی بڑے شیخ یا استاد سے تعلیم حاصل کی ہو۔ شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ تذکرۃ الاولیاء میں فرماتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اس لحاظ سے یکتا تھیں کہ ان کے خدا کے ساتھ تعلق اور خدا کے بارے میں علم کا کوئی ثانی نہ تھا اس وجہ سے وہ اپنے ہمعصروں میں بلند مقام پر فائز نظر آتیں ہیں اس دور کے تمام بڑے صوفی ان کا بے حد احترام کرتے تھے اس بات کے کئی قطعی ثبوت موجود ہیں کہ اپنے ہمعصروں میں وہ ناقابلِ چیلنج اتھارٹی تھیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

بعد کے ایک مصنف جناب عبدالروف المناوی، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"جناب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سچے ایمان والوں کے دو درجے ہیں ایک وہ جنہیں خدا تک پہنچنے کے لئے کسی درمیانی واسطے کی ضرورت ہوتی ہے دوسرے وہ لوگ جو خدا کو تلاش کرتے ہیں تو ان کے اور خدا کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا یہ لوگ ہر طرف سے ناطہ توڑ کر صرف خدا کے ہو جاتے ہیں۔"

المناوی کہتے ہیں کہ:

"شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا دونوں موخر الذکر لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔"

معرفت کا مختصر خاکہ

مزید آگے بڑھنے سے پہلے ضروری ہے کہ صوفی نظریئے کا ایک مختصر سا خاکہ پیش

کیا جائے تا کہ اس کی ترقی میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے حصے کی قدر و قیمت اور وسعت کا اندازہ کیا جا سکے۔ تصوف کا عارفانہ نکتۂ نظر یہ ہے کہ ماسوا اللہ سے رُخ موڑ کر ہر چیز کی نفی کر کے حتیٰ کہ اپنی ذات کا بت بھی توڑ کر خدا کی طرف رُخ کیا جائے اور ریاضت اور مجاہدے زُہد و تقویٰ سے خدا میں جذب و تحلیل ہو جائے یہ مکمل اتصال تو جسمانی موت کی صورت میں ہی ممکن ہے لیکن صوفیانہ طریق سے اس زندگی میں ہی یہ ممکن ہے لیکن ایک شخص کیسے یہ عمل کرے؟ اس کا طریقہ ہے کہ خود کو فتح کرے، خود پر قابو پائے اور خود پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے؟ یہ صرف اور صرف محبت کی روشنی ہی سے ممکن ہے اس کے ذریعے ہم عدم کے اندھیرے کو دُور کر سکتے ہیں صرف اور صرف عشق الٰہی سے انسانی رُوح اللہ تک پہنچ سکتی ہے اور اپنی آخری وحتمی منزل پا کر ہمیشہ کے لئے حق سے متصل ہو سکتی ہے۔

طریقۂ کار

وہ جو صوفیانہ و درویشانہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس کی تیاری کیسے کریں؟ اس کی تیاری صرف تزکیۂ نفس اور مجاہدہ سے ہو سکتی ہے جس میں حیوانی رُوح (نفس) سے شہوات اور جسمانی لذّات کو ختم کر دیا جاتا ہے جس سے رُوحِ انسانی حق کے راستے پر گامزن ہو کر خدا کے ساتھ متصل ہو جاتی ہے۔

آخری لمحے تک اتقاء

کچھ صوفیاء کا خیال ہے کہ صرف آغاز میں اس طرح کے زُہد و تقویٰ کی ضرورت ہوتی ہے بعد میں ضروری نہیں کہ آپ یہ طرزِ زندگی جاری رکھیں۔ جیسا کہ مشہور صوفی شیخ ابوسعید بن ابی الخیر رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ جب اعلیٰ درجے کے رُوحانی مقامات تک رسائی ہو جائے تو پھر اس درویشی طریق کی ضرورت نہیں رہتی لیکن جب ہم حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

کی عملی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو درج بالا خیال کی نفی ہو جاتی ہے کیونکہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے آخری دم تک اسی طرز زندگی کو اپنائے رکھا اور اسی حالت میں واصل بحق ہو گئیں۔

تزکیہ و تطہیر کے مرحلے

وہ طریقہ جس سے رُوح گناہوں سے پاک صاف ہوتی ہے وہ کئی مرحلوں پر مشتمل ہے، اس راستے میں رُوح کئی خوبیاں اور صلاحیتیں حاصل کرتی ہے جس کی وجہ سے یہ بلند سے بلند تر ہوتی جاتی ہے اور آخر میں کچھ اپنی جدوجہد اور کچھ اللہ کے فضل وکرم سے یہ معرفت کی منزل کو پالیتی ہے۔ اس علم کے ذریعے جو سچ کے انکشاف (خواطر الیقین) پر مبنی ہوتا ہے صوفی آخری منزل کی طرف بڑھتا ہے اور خدا سے ہمیشہ کے لئے لَو لگا لیتا ہے جیسا کہ مشہور صوفی مصنف ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ قوت القلوب میں ایک صوفی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ تم خدا کی عبادت اس طرح کرو جیسے اُسے دیکھ رہے ہو کیونکہ اصل زندگی اس کے دیدار سے ہی مشروط ہے جیسے حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ''جاوید نامہ'' میں فرمایا ہے:

بر مقام خود رسیدن زندگی است

ذات را بے پردہ دیدن زندگی است

خدا تک پہنچنے کے راستے

ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ قوت القلوب میں لکھتے ہیں کہ خدا تک پہنچنے کے بے شمار راستے ہیں وہ ایک عارف یزدانی کا قول پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدا تک جانے کے راستے اتنے ہی ہیں جتنے کہ ایمان والے ہیں۔ ایک اور صوفی اس بات کو مزید آگے

بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خدا تک پہنچنے کے اتنے ہی راستے ہیں جتنی اس کی مخلوقات ہیں اور گیان و مراقبہ کرنے والا ہر مخلوق کے ذریعے خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ نکتۂ نظر بعد کے صوفیاء کے مطابق ہی ہے جیسا کہ محمود بشری اپنی کتاب گلشنِ راز میں فرماتے ہیں کہ:

"یہ ساری کائنات اللہ کی کتاب ہے اور ہر درے کے نقاب کے پیچھے اُسی حسنِ ازل کا جمال ہے۔"

یہی مضمون جناب میر درد نے بھی اس طرح بیان کیا ہے۔

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی نظر آیا جدھر دیکھا

مقامات واحوال

اس عارفانہ نکتۂ نظر کے باوجود تصوف کے سنجیدہ شارحین اس خیال کے داعی ہیں کہ صوفی کو ہر حال میں مختلف مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔ جناب ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے قوت القلوب، جناب القشیری رحمۃ اللہ علیہ نے الرسالہ میں، اور جناب الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیائے علوم الدین میں کئی باب اس کے لئے مختص کئے ہیں کہ کن کن مرحلوں سے گزر کر صوفی میں کون کون سی خوبیاں صلاحیتیں اور خصائص پیدا ہوتے ہیں، ان کے نام یہ ہیں توبہ، صبر، شکر، امید، خوف، فقر اور زہد۔

برائے نو آموز مرید

نو آموز مرید کو سکھایا جاتا ہے کہ تزکیۂ نفس کے لئے سب سے پہلے جسمانی خواہشات کو تیاگ کر اور اپنی مرضی کو ترک کر کے اس کو خدا کی مرضی میں شامل کرنا ہوگا یہی توحید ہے یعنی دُوئی کو ختم کیا جائے، اس طرح اللہ پر مکمل انحصار کا نام توکل ہے اور آخر میں

محبت جس میں خدا کے لئے جذبہ سے سرشار تمنا رکھی جاتی ہے جسے شوق کہتے ہیں، اس کے ساتھ اتصال کو انس اور مکمل آسودگی اور تسکین کو رضا کہتے ہیں جو معروضی و موضوعی دونوں طرح یعنی خدا کا اپنے بندے کا تابع فرمانی پر اطمینان اور بندے کا خدا کی مذمت پر اطمینان۔ یہ وہ مرحلہ ہے جب بندہ دنیا کی تمام خواہشات کو ایک طرف رکھ دیتا ہے اور خدا کی تعظیم وتقدیس پر ہمیشہ کے لئے قانع ہو جاتا ہے۔

دیگر احوال

صوفیاء نے اپنی کتابوں میں کچھ دیگر مرحلوں کا ذکر کیا ہے جو یہ ہیں:۔ اخلاص، مراقبہ، خود احتسابی اور موت پر غور وفکر، لیکن محبت کا مرحلہ اس قدر اس میں شامل ہے کہ عمل میں یہی آخری حصہ سمجھا جاتا ہے۔ ان تمام مراحل سے گزر کر صوفی سچی روحانیت اور جمالیاتی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے جس کے بعد وہ خدا کے ساتھ ہو جاتا ہے اور ہمیشہ کے لئے اس کے ساتھ رہتا ہے پھر بقول شاہ حسین یہ کیفیت ہو جاتی ہے:

اندر تُوں باہر تُوں رُوں رُوں وچ تُوں
تُوں ہی تانا تُوں ہی بانا سبھ کچھ میرا تُوں
کہے حسین فقیر سائیں دا میں ناہیں سبھ تُوں

توبہ

توبہ خدا کے راستے کا پہلا مرحلہ ہے، توبہ کا قدیم مسلم نظریئے میں بھی اہم مقام ہے، قرآن مجید میں گناہگاروں کے لئے سزا مقرر ہے سوائے ان کے جو پشیمان ہوئے اور پھر اچھے عمل کئے پھر

''یقیناً اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔''

(سورہ آل عمران آیت 89)

اس کے باوجود ایسی توبہ بھی ہے جو نا قابلِ قبول ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ج وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ.

ترجمہ: ''یقیناً وہ جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور پھر اپنے کفر پر سخت ہو گئے ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی یہی وہ لوگ ہیں جو گمراہ ہو گئے۔''

(سورہ آل عمران 3، آیت 90)

توبہ کا مطلب ہے واپس لوٹنا، یہ گناہگاروں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے یعنی خدا کی طرف واپس، خدا کی اطاعت کی حالت میں، اور پھر خدا ہی اپنی کرم نوازی سے توبہ قبول کرتا ہے۔ توبہ کا یہی تصور ایک اور صورت میں بھی پیش کیا گیا ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ

يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ج حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا.

ترجمہ: ''اس کے سوانہیں کہ توبہ قبول کرنا اللہ کے ذمہ ان ہی لوگوں کیلئے ہے جو کرتے ہیں برائی نادانی سے، پھر جلدی سے توبہ کر لیتے ہیں، پس یہی لوگ ہیں اللہ توبہ قبول کرتا ہے ان کی اور اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے اور ان لوگوں کیلئے توبہ نہیں جو برائیاں (گناہ) کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب موت ان میں سے کسی کے سامنے آجائے تو کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں، اور نہ ان لوگوں کی جو مر جاتے ہیں حالتِ کفر میں، یہی لوگ ہیں ہم نے تیار کیا ہے ان کے لئے دردناک عذاب''

(سورۃ النساء 4، آیت 17 تا 18)

توبہ میں کیا کیا شامل ہے

صوفیاء نے توبہ کو خدا کے ساتھ رہنے کے لئے زندگی کا لازمی حصہ بنا دیا ہے۔ حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ توبہ اللہ کے راستے میں پہلا مقام ہے نیز آپ فرماتے ہیں کہ توبہ میں تین چیزیں شامل ہیں۔

اوّل: نافرمانی پر ندامت

دوم: دوبارہ گناہ نہ کرے کا عزم

سوم: گناہ سے فوری دستبرداری

یہ صوفی نظریئے میں توبہ کی جدید تشریح سے مماثل ہے جس میں پہلے گناہ کا ارتکاب پھر سچی توبہ (توبۃ النصوح) جو آپ کو بہتر بننے کے مقصد کی طرف لے جاتی ہے۔
حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کچھ صوفیاء کا خیال ہے کہ توبہ گناہوں کو بھول جانے پر مشتمل نہیں بلکہ ہمیشہ ان پر پچھتانے کا نام ہے کیونکہ تائب خدا سے محبت کرنے والا ہوتا ہے اور خدا سے محبت کرنے والا اس کی ذات میں گم ہونے کے لئے اس سے لو لگائے ہوتا ہے اور گیان دھیان میں گناہ کی یاد خدا اور بندے کے درمیان ایک حجاب بن جاتی ہے۔

توبہ کی اقسام

حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ توبہ کو خدائی طاقت سمجھتے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ.

ترجمہ: ''پھر آدم نے حاصل کر لئے اپنے رب سے کچھ کلمے، پھر اس نے اس کی (آدم کی) توبہ قبول کی، بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے''

(سورۃ البقرہ 2، آیت 37)

کشف المحجوب میں ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق توبہ دو قسم کی ہے ایک واپسی کی توبہ ہے جو خدائی سزا کے ڈر سے ہے دوسری توبہ خدائی رحم کی وجہ سے ہے، اوّل الذکر توبہ خدائی جلال اور موخر الذکر توبہ خدائی جمال کے سبب سے ہے۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی توبہ

تمام عظیم صوفیاء کی طرح حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو بھی بے حد گناہگاری کا احساس اور توبہ و معافی کی ضرورت تھی۔ توبہ کے باب میں تمام صوفی مصنفین نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی تعلیمات لکھی ہیں۔ جناب الحریفش المصری نے اپنی کتاب ''الروضۃ الفائق'' کے ایک جزو پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی دو محبتوں والے اشعار کا حوالہ دیا ہے جن میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں:

اے دلوں کے محبوب! میرے پاس تمہاری طرح اور کوئی نہیں۔
اس لئے آج کے دن ہم گناہ گاروں پر
جو تیرے پاس آئے ہیں اپنا رحم کر
اے میری امید، میری پناہ اور میری خوشی
دل تیرے علاوہ اور کسی سے محبت نہیں کر سکتا۔

اسی مصنف نے آپ کی ایک دُعا کا حوالہ دیا ہے جس میں آپ خدا کو غموں میں تسلی دینے والا غمخوار کہتی ہیں اور وہ جو اسے گناہوں سے پاک کر سکتا ہے۔ اپنے اشعار میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے خدا کو رُوحوں کو شفا دینے والا بھی کہہ کر مخاطب کیا ہے، وہ کہتی ہیں کہ میری رُوح اسی کے ذریعے صحت یاب ہوئی۔

مسلسل غم و حزن

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا گناہوں کے احساس کی وجہ سے مسلسل غم و حزن میں رہتی تھیں، شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ہر وقت روتی رہتی تھیں، ان سے پوچھا گیا آپ اس طرح

کیوں روتی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا مجھے خوف ہے کہ میں اس سے علیحدہ نہ کردی جاؤں جس کے ساتھ رہنے کی عادی ہو چکی ہوں نیز موت کے وقت کہیں یہ آواز نہ آجائے کہ تُو میرے قابل ہی نہیں۔

توبہ کی توفیق

ایک بار آپ سے کسی نے پوچھ لیا کہ ایک آدمی گناہ بہت کرتا ہے اور پھر پچھتاتا ہے کیا خدا اس کو معاف کر دے گا؟ آپ نے فرمایا کوئی کس طرح توبہ کر سکتا ہے جب تک اسے توبہ کی توفیق نہ ہو اور جب توبہ کی توفیق مل گئی تو پھر قبولیت میں بھی کیا شبہ رہا۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا توبہ کو خدا کا تحفہ سمجھتی تھیں اور اس پر زور دیتی تھیں۔

آپ کا یہ قول ''تذکرۃ الاولیاء'' میں مرقوم ہے کہ زبان سے توبہ جھوٹے لوگوں کا کام ہے اصلی توبہ عمل سے ہے۔

ایک گناہگار کا سوال

القشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الرسالہ'' میں لکھتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے کہا میں نے بہت گناہ کیے ہیں اور میں خدا کا باغی رہا ہوں اگر میں توبہ کروں تو کیا وہ میری توبہ قبول کرلے گا۔ آپ نے فرمایا اصل معاملہ یوں ہے کہ خدا تمہیں معاف کرے گا تب ہی تم توبہ کرو گے۔ جب تک خدا انسان کی طرف متوجہ نہ ہو انسان بھی اس کی طرف رُجوع نہیں کر سکتا اور نہ اُسے توبہ کی توفیق مل سکتی ہے۔

آپ کی رقیق القلبی

سیر الصالحات میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے سوانح نگار نے آپ کی ایک واضح تصویر پیش کرتے ہوئے کہا کہ آپ گناہوں کے احساس کی وجہ گھرے غم وحزن میں

رہتی تھیں وہ عبداللہ بن عیسیٰ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ ایک دن حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ان کے چہرے پر نور کا ایک ہالہ تھا کیونکہ آپ اکثر رویا کرتی تھیں اور جب کبھی آپ کے سامنے دوزخ کی آگ کا ذکر ہوتا تو آپ غم کے مارے بے ہوش ہو جایا کرتی۔

یہی مصنف لکھتا ہے کہ ابن مسعود نے کہا میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے گھر گیا تو وہ نماز پڑھ رہی تھیں جب انہوں نے سر اُٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ان کی سجدہ گا آنسوؤں سے تربتر تھی۔

غموں پر افسوس

مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب نفحات الانس میں بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے سامنے کہا ''اپنے غموں پر افسوس'' حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فوراً سرزنش کرتے ہوئے کہا جھوٹ مت بولو اگر تم صحیح معنوں میں سنجیدہ ہوتے تو تمہاری زندگی اس قدر خوشگوار نہ ہوتی۔ پھر فرمایا میرا غم ان چیزوں کی وجہ سے نہیں جو مجھے رنجیدہ کرتی ہیں بلکہ میرا غم ان چیزوں کی وجہ سے ہے جن کی وجہ سے میں رنجیدہ نہیں ہوں۔ الطبقات الکبریٰ میں علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اکثر رویا کرتی تھیں اور رنجیدہ رہتی تھیں لیکن اکثر کہا کرتی تھیں کہ ہمارا خدا سے معافی مانگنا خود معافی کا متقاضی ہے۔ علامہ بیان فرماتے ہیں کہ ان کی گفتگو اکثر ان کے آنسوؤں میں ڈوبی ہوتی تھی۔

گناہ مضرت رساں

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے تب گناہ کے نقصانات کو محسوس کیا اور لوگوں کو

بتایا اور سکھایا کہ گناہ کس درجہ رُوح کے لئے نقصان دہ ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے رُوح اور محبوب میں جدائی ہو جاتی ہے۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے نزدیک گناہ اس لئے قابل نفرت تھا کیونکہ یہ بندے کو خدا سے جدا کر دیتا ہے اس لئے نہیں کہ انہیں سزا کا کوئی خوف تھا جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ توبہ کے متعلق حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا تصور ''خدا کے تحفے'' کا ہے نہ کہ یہ گناہ گار کی کسی کوشش کی وجہ سے ہے یعنی اگر خدا تم پر کوئی فضل و کرم کرتا ہے تب ہی تم کو توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے مطابق یہ طاقت صرف اور صرف خدا کے پاس ہے کہ وہ گناہگار کے دل کو چھو لے تاکہ وہ برے کاموں سے رُک جائے اور توبہ کر لے لیکن امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیائے علوم الدین میں لکھتے ہیں کہ مخلص تائب کی معافی یقینی ہے کیونکہ توبہ فضل کی نشانی ہے اور فضل اور گناہ دونوں اپنے تضاد کی وجہ سے ایک رُوح میں نہیں سما سکتے کیونکہ اندھیرا کبھی روشنی میں نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے توبہ کی توفیق دیتا ہے تو وہ معافی بھی نہیں روکے گا۔ اللہ کے فضل و کرم اور عدل کے بارے میں عارف کھڑی میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر یہاں پر آپ کی نذر ہے۔

عدل کریں تے تھر تھر کمبن اُچیاں شاناں والے
فضل کریں تے بخشے جاون میں جے وی منہ کالے

صبر

صوفیاء صبر کو رُوحانی زندگی کی ترقی میں ایک لازمی مرحلہ سمجھتے ہیں یا شاید نسبتاً ایک لازمی خوبی وصلاحیت جو ولی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول بیان کرتے ہیں جس کے مطابق صبر دو قسم کا ہے پہلا بدنصیبی اور مصیبت پر صبر اور دوسرے جن اشیاء سے لاتعلق ہونے اور جن باتوں کی پیروی نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس پر صبر۔

صبر کے درجات

ابوطالب المکی رحمۃ اللہ علیہ "قوت القلوب" میں صبر کے متعلق صوفیاء کا نکتۂ نظر بیان کرتے ہوئے صبر کے تین درجات کا ذکر کرتے ہیں۔ پہلا شکایت نہ کرنا اور یہ توبہ کا مرحلہ ہے، دوسرا اللہ کے ہر فیصلہ پر اطمینان اور یہ زاہد کا مقام اور درجہ ہے تیسرا یہ کہ خدا جو بھی کرے اس سے محبت اور یہ خدا کے سچے ولیوں کا مقام اور درجہ ہے۔ القشیری رحمۃ اللہ علیہ ایمان کے لئے صبر کو ضروری قرار دیتے ہوئے اسے جسم پر بمنزلہ سر کے کہتے ہیں۔

عسکری زندگی

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیائے العلوم الدین میں صبر کو ولی اللہ کے لئے ضروری خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ولی کی رُوحانی زندگی عسکری زندگی کی طرح ہونی چاہیے، ہر وقت

اپنے نفس اور اپنے جذبات کے خلاف جنگ اور پھر ان پر فتح پانا۔ انہیں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ان کی زندگی میں مصیبتیں اور مشکلات اور بدقسمتی ضرور آئے گی نقصان، دُکھ، درد، زخم بھی پوری قوت سے ولی اللہ پر حملہ آور ہوں گے، ان تمام مصائب کی آگ میں جل کر ولی کندن بن کر نکلتا ہے اور اس کا ایمان مزید چمکدار ہو جاتا ہے۔ صبر کی ثابت قدمی سے ولی اللہ بدبختی کے اثرات کو ختم کر سکتا ہے اور آخر میں بڑے اَجر کا حقدار ہو جاتا ہے۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی تعلیم

صبر کے موضوع پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی زندگی ہی میں سادہ ترین تعلیم موجود ہے ان کی سوانح حیات کے کئی واقعات شاہد ہیں کہ صبر ان کی ساری زندگی کا اوڑھنا بچھونا رہا۔ وہ صبر کو نیکی سمجھتی تھیں، ان کی ابتدائی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ بچپن میں ہی ان کے والدین وفات پا گئے۔ اور وہ بھری دنیا میں تنہا رہ گئیں پھر انہیں غلامی کی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ غربت، زندگی میں مصائب، بے آرامی، جسمانی تکالیف، ان سب کا آپ نے صبر جرأت اور ثابت قدمی سے سامنا کیا۔ انہوں نے ان تمام مصائب کو خدا کی مرضی کے طور پر صبر سے قبول کیا جس کے نتیجے میں ان کے کردار کی تربیت ہوگئی۔

خدا کی مرضی

ایک بار جب حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی توجہ ان کے زخم کی طرف دلائی گئی تو انہوں نے کہا انہیں اب صرف اس بات سے سروکار ہے کہ وہ کس طرح خدا کی مرضی کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالتی ہیں اور جسمانی تکلیف سے بہتر چیز کے لئے کس طرح خود پر قابو پاتی ہیں۔ ان کے صبر کے راز کو ان کے اس جواب میں محسوس کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیا تھا جب انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو تحریض

دے کر پوچھا تھا کہ وہ خدا سے کیا چاہتی ہیں آپ نے جواب دیا تھا کہ اگر میں کسی چیز کا ارادہ کروں اور میرا رب اس کو نہ چاہے تو میں کفر کی سزاوار ہو جاؤں گی۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم القشیری رحمۃ اللہ علیہ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کے مطابق صبر ایمان کا لازمی جزو ہے، ایمان والے بندوں کو جو بھی دیا جائے گا وہ اسے صبر سے قبول کریں گے، اگر انہوں نے خدا کی حکمت پر شک کیا یا اس پر انحصار کرنے والے ولیوں نے اس کی محبت پر شک کیا تو وہ کفر کے مرتکب ہوں گے۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے یہ سبق دونوں طریقوں یعنی نصیحت اور اپنی مثال پیش کر کے راہِ سلوک کے مسافروں کو سکھا دیا ہے۔

صبر کے موضوع پر آخر میں قرآن کریم کی ایک آیت پیش کی جاتی ہے جس میں مسلمانوں کو کہا گیا ہے کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ

(سورۃ البقرہ 2، آیت 153)

ترجمہ: "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے"۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بھی ہے کہ "صبر نصف ایمان ہے" اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا قول ہے کہ

"صبر کو ایمان سے وہی نسبت ہے جو سر کو جسم انسانی سے ہوتی ہے۔"

ایک اور حدیث مبارکہ ہے (لا ایمان لمن لا صبر لہٗ) جس میں صبر نہیں اس میں ایمان نہیں اور اللہ تعالیٰ صابرین کے بارے میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ.

"بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

(سورۃ البقرہ 2، آیت 153)

شکر

شُکر کیا ہے؟

نہایت عاجزی و انکساری سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کے زبان سے اعتراف کو شُکر کہتے ہیں۔ شاکر وہ ہے جو موجود پر شکر کرے، شکور وہ ہے جو مفقود پر شکر کرے اور حامد وہ ہے جو منع کو عطا اور ضرر کو نفع سمجھ کر شُکر کرے۔

شُکر کا انجام

تاریخ تصوف میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کی ایک آیت کا حوالہ دیتے ہیں کہ

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ.

ترجمہ: ''اے بندو! اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ نعمتیں عطا کروں گا۔''

(سورۃ الابراہیم 14، آیت 7)

یہی وجہ ہے کہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شکر کرنے والوں میں سب سے بڑھ گئے تھے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ (الزامات) معاف کر دیئے (دھو دیئے) ہیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں اس

قدر گریہ زاری کیوں کرتے ہیں۔ جس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔“

شکر ایک خوبی

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ ایم اے پی ایچ ڈی اپنی کتاب ”رابعہ دی مسٹک“ (Rabia The Mystic) میں بیان کرتی ہیں کہ شکر صبر کے نتیجے میں پیدا ہونے والی خوبی ہے، جس طرح کسی سزا کے نتیجے میں صبر کیا جاتا ہے اسی طرح کسی نعمت کے حصول پر اللہ کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔ جس طرح راہِ سلوک کے مختلف مقامات اور مرحلوں میں صوفی میں مختلف صلاحیتیں اور خوبیاں پیدا ہوتی ہیں اسی طرح شکر میں ایمان، احساس اور عمل کا عنصر پایا جاتا ہے۔ ہمیں عقیدۃً یہ حقیقت تسلیم کرنی چاہیے کہ تمام نعمتیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کی مرضی سے ملتی ہیں وہ انہیں روک بھی سکتا ہے لیکن وہ اپنے فضل وکرم سے اپنے منتخب کئے گئے بندوں تک ضرور پہنچا دیتا ہے۔ یہ عقیدہ کہ تمام اچھی نعمتیں خدا کی طرف سے ملتی ہیں انسان میں خوشی کا احساس پیدا کرتا ہے۔ خوشی عنایت وبخشش کے احساس سے آتی ہے جو خدا کی ہمارے لئے محبت کا نشان ہے اس کے یوں عطا کرنے کا عمل ہمارے اور اس کے درمیان ایک رشتہ قائم کر دیتا ہے، ایک نعمت عطا کرنے والا آقا اور دوسرا نعمت حاصل کرنے والا اس کا بندہ۔ صوفیاء کے لئے ایسا رشتہ دراصل خدا سے اتصال کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے۔

مصائب پر بھی شکر

شکر صرف نعمتوں پر ہی نہیں بلکہ مصائب پر بھی شکر کرنا چاہیے۔ یہاں شکر صبر سے جا ملتا ہے لیکن جہاں صبر ایک جامد نیکی ہے وہاں شکر کے اندر ایک سرگرمی کا عنصر موجود ہوتا ہے جس کا آغاز کیا جا سکتا ہے۔ حقیقی قناعت وتسلیم ورضا اللہ کی مرضی کے آگے صرف

سر جھکانے کا نام نہیں بلکہ اس میں عمل کے لئے اُٹھ کھڑے ہونے کے معنی بھی پائے جاتے ہیں صوفیا کا کہنا ہے کہ ہم بدبختی میں بھی شکر گزار ہو سکتے ہیں یونکہ ہماری یہ بدقسمتی اس سے کہیں زیادہ اور گہری ہو سکتی تھی جس قدر کہ وہ اب ہے اس طرح ہماری رُوحانی حالت اس سے بھی پست ہو سکتی تھی جتنی کہ وہ اب ہے امام ابوالقاسم عبدالکریم القشیری رحمۃ اللہ علیہ تو اس ضمن میں معاملے کی تہہ تک گئے جب انہوں نے فرمایا کہ ''شکر دینے والے کا واضح تصور ہے اور یہ تحفے کی وجہ سے نہیں۔'' کیونکہ یقیناً تحفے سے زیادہ تحفہ دینے والے کی اہمیت ہوتی ہے۔ (رسالہ قشیریہ)

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا عمل اور تعلیم

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے شکر کی اس خوبی وصلاحیت کے بارے میں عمل بھی کر کے دکھایا اور سکھایا بھی۔ آپ کا زیادہ تر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء میں گزرتا تھا۔ آپ کی نماز بھی شکرانے کے احساس سے لبریز ہوا کرتی تھی ایک بار آپ نے شکرانے کے طور پر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ: اے اللہ تعالیٰ! تُو نے ہی مجھے زندگی بخشی، تُو نے ہی مجھے سب کچھ بخشا، تیری تعریف کسی طرح ممکن نہیں کیونکہ تُو ہی بلند شان والا ہے پھر دوبارہ کہا کہ اے اللہ! تُو نے ہی مجھے نعمتیں، تحفے بخشے، میرے ہمعصروں میں میری شان بڑھائی اور ضرورت کے وقت میری مدد کی۔

شکرانے کی پٹی

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے کسی کو دیکھا کہ اس نے اپنے سر پر پٹی باندھ رکھی ہے آپ نے اس سے پوچھا تم نے اپنے سر کے گرد یہ پٹی کیوں باندھ رکھی ہے تو وہ کہنے لگا

میرے سر میں درد ہے جس کی وجہ سے پٹی باندھی ہوئی ہے، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اس سے پوچھا کہ تمہاری عمر کتنی ہے؟ اس نے کہا بتیس (32) سال۔ اس پر حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے دوبارہ پوچھا کہ کیا تمہاری زندگی کے زیادہ حصے میں تمہیں درد یا تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے کہا نہیں۔ پھر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا 32 سال تک تمہارے پروردگار نے تمہارے جسم کو مامون و محفوظ رکھا لیکن تم نے کبھی شکرانے کے طور پر پٹی نہیں باندھی اور آج ایک رات کے درد کی وجہ سے تم نے شکایت کی پٹی باندھ لی ہے افسوس ہے تم پر!

تصویر نہیں مصور

ایک اور واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا شکر کو بھی دینے والے کا تصور خیال کرتی تھیں نہ کہ تحفے کی ان کی نظر میں کوئی اہمیت تھی، اسی وجہ سے انہوں نے تحائف سے منہ موڑ لیا تھا تا کہ وہ دینے والے کو دیکھ سکیں۔ ایک بار موسم بہار میں رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا گھر پر تھیں اور اللہ کی عبادت کر رہی تھیں کہ اتنے میں ان کی خادمہ آئی اور کہا اے مالکہ باہر نکلئے اور خدا کی قدرت کا نظارہ دیکھئے۔ دیکھئے ہر طرف بہار آئی ہوئی ہے پھول کھلے ہوئے ہیں ہر چیز پر نکھار اور جوبن آیا ہوا ہے لیکن آپ نے خادمہ کو جواب دیا کہ تم اندر آ جاؤ تا کہ ان کے خالق کو دیکھ سکو۔ میں نے تو کب سے اپنا رُخ تخلیق سے ہٹا کر خالق کی طرف کر لیا ہے۔

(تذکرۃ الاولیا)

خدا کی خوبصورت تخلیقات سے خدا کے لئے منہ موڑنا اور تصویر نہیں بلکہ مصور کو دیکھنا حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا وہ رویّہ تھا جو بعد میں آنے والے ہمہ اوستی صوفیاء کا نصب العین بن گیا، جن کا کہنا تھا کہ خدا کو اس کی ہر تخلیق میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ حضرت بابا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ اس بابت فرماتے ہیں:

اِک لازم بات ادب دی اے
سانوں بات ملومی سب دی اے
ہر ہر وچ صورت رب دی اے
کتے ظاہر ہے کتے چھپدی اے

گلشن راز میں محمود شبستری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا ہے کہ:

''کائنات کے ہر ذرے کے پیچھے اسی محبوب ازلی کا رُوح کو وجد میں لے آنے والا حسن اور چہرہ موجود ہے''

یہی مضمون حزیں نے اسی طرح ادا کیا ہے:

دل گو اھسیت کہ در پردہ دلآ رائے ھست
ھستی قطرہ دلیل است کہ دریائے است

یعنی مادے کے اس پردے کے پیچھے محبوب حقیقی موجود ہے اور دل اس کی اس طرح گواہی دے رہا ہے جیسے قطرہ سے سمندر کا پتہ معلوم ہوتا ہے۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے جواب میں بھی اسی طرح کا ردعمل اور کیفیت پائی جاتی ہے۔ تاہم حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی اپنے آقا کو بے نقاب دیکھنے کی بھی آرزو تھی، اس لئے تو ان کی نظر میں اس کے تحائف کی خوبصورتی ہیچ پوچ تھی کیونکہ مدنظر جو حسن ازل تھا۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا مقام

نعمت اور مصیبت دونوں میں شکر ادا کرنے میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا دوسرے تمام اولیاء کرام سے آگے نکل گئی تھیں، حتیٰ کہ ان میں سے کوئی بھی اس مقام تک بار نہیں پا سکتا جہاں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا موجود تھیں۔ وہ اپنے تمام مصائب کو خدا

تعالیٰ کی مرضی سے منسوب کرتی تھیں اور ان پر راضی بہ رضا تھیں ان کا کہنا تھا کہ وہ کبھی اپنے محبوب کی مرضی کی مخالفت نہیں کریں گی۔ اور نہ کبھی ان مصائب سے چھٹکارہ پانے کے لئے التجا کریں گی وہ خدائی سرزنش اور تنبیہ پر بھی شکر ادا کرتی تھیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا یہ ایمان تھا کہ تمام مصائب اور تکالیف اللہ کی طرف سے ہیں لیکن وہ ان کو بھی مدد اور خوشی کے زمرے میں خیال کرتی تھیں۔ چونکہ انہوں نے اپنا رُخ مکمل طور پر اپنے اللہ کی طرف کر لیا تھا لٰہذا اس بات کا آخر میں انہیں یہ انعام ہی ملا کہ وہ اپنے ہم عصروں میں نہ صرف زُہد و تقویٰ، تعلم و تعلیم بلکہ نام و نمود میں بھی سب سے بڑھ گئیں۔

یعنی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا تسلیم و رضا کے اس مقام پر تھیں جیسے زبان حال سے خداوند ذوالجلال سے کہہ رہی ہوں۔

جو بخشے تو زہے قسمت نہ بخشے تو شکایت کیا
سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی ایک دُعا

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اکثر یہ دُعا کیا کرتی تھیں کہ:

''اے اللہ دُنیا میں جو تُو نے ہمارا حصہ رکھا ہے وہ دشمنانِ دین کو دیدے اور آخرت کا حصہ تو اپنے دوستوں کو دیدے اور میرے لئے بس تیرا دیدار کافی ہے۔''

حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ان اشعار میں حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی یوں ترجمانی کی ہے۔

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں — میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں
یہ جنت مبارک رہے زاہدوں کو — کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں

اُمید اور خوف

اُمید

قارئین کرام کی سہولت اور سمجھنے کے لئے امید اور خوف دونوں کے بارے میں قرآنی آیات پیش کی جاتی ہیں بعد ازاں احادیث پیش کر کے پھر صوفیانہ نکتۂ نظر سے وضاحت کی جائے گی۔ قرآن پاک میں ہے کہ

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ.

ترجمہ: ''جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے سو اللہ سے ملنے کا وہ معین وقت ضرور آنے والا ہے۔''

(سورۃ العنکبوت 29، آیت 5)

اللہ سے ملنے کی اسی امید پر مسلم تصوف کی بنیاد کھڑی ہے اسی ضمن میں ایک بہت ہی پیاری حدیثِ قدسی بھی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان (امید) کے مطابق برتاؤ کرتا ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے جب وہ دل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی دل میں اس کو یاد کرتا ہوں اگر وہ مجلس میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی فرشتوں کی محفل میں اسے یاد کرتا ہوں اگر وہ مجھ سے بالشت بھر قریب ہوتا ہے تو میں بازو بھر اس کی طرف بڑھتا ہوں اگر وہ میری طرف چل کر آتا

ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔"

(حدیث شریف)

امید کی آس دلانے والی ایک اور آیتِ قرآنی یہ ہے کہ

لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط

ترجمہ: "یعنی خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔"

(سورۃ الزمر 39، آیت 53)

خوف

خوف کے بارے میں قرآن پاک میں ہے کہ:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط

ترجمہ: "بے شک اللہ سے اہل علم ہی ڈرتے ہیں۔"

(سورۃ الفاطر 35، آیت 28)

اسی طرح ایک اور آیت ہے کہ

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا

ترجمہ: "وہ اللہ کو خوف اور طمع میں پکارتے ہیں۔"

(سورۃ السجدہ 32، آیت 16)

جو لوگ خوف میں اللہ سے ڈرتے اور اس کو پکارتے ہیں تو پھر اللہ ہی ملجا و ماویٰ بن جاتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"وہ جو اللہ کے خوف سے رویا وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔"

امام ابوالقاسم عبدالکریم القشیری رحمۃ اللہ علیہ رسالہ قشیریہ میں لکھتے ہیں کہ خوف دو قسم کا ہوتا ہے۔

اوّل: رھبة

دوم: خشیة

رھبة والا جب کسی سے ڈرتا ہے تو بھاگ جاتا ہے اور خشیۃ والا جب کسی سے ڈرتا ہے تو اپنے رب سے التجا کرنے لگتا ہے۔ ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ خوف قلبِ مومن میں جلتی وہ شمع ہے جس کی روشنی کی بدولت وہ خیر اور شر میں امتیاز کے قابل ہو جاتا ہے۔

صوفی مصنّفین

صوفیاء نے امید اور خوف دونوں مقامات کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان دونوں کا تصوف کی ترقی اور صوفی کے آخری منزل کو حاصل کرنے میں ایک خاص مقام ہے۔

دوستون

حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ صحیح امید اور صحیح خوف دونوں آدمی کے لئے اس دنیا میں ضروری ہیں انہوں نے دونوں کو ایمان کے ستون قرار دیا۔ وہ جو ڈرتے ہیں وہ اس سے جدائی کے خوف سے ڈرتے ہیں اور وہ جنہیں امید ہوتی ہے اور اس سے اتصال کی امید پر عبادت کرتے ہیں شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ ہر پیغمبر کا ایک خاص مقام اور منزل ہوتی تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی منزل امید اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی منزل خوف تھی۔

دوپر

شیخ ابونصر سراج جو طاؤس الفقراء کے لقب سے مشہور ہیں نے اپنی شہرہ آفاق

کتاب ''کتاب اللمع'' میں لکھا ہے کہ خوف اور امید دو پر ہیں جن کے بغیر ولی کا کام آگے نہیں بڑھ سکتا۔

شیخ ابو القاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ اس قول کو حضرت ابو علی الرود باری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کرتے ہیں کہ خوف اور امید پرندے کے دو پروں کی طرح ہیں جن کی وجہ سے پرندہ سیدھا اپنی منزل کی جانب اڑتا ہے اگر ایک پر ٹوٹ جائے تو اس کی اڑان ناکام ہو جاتی ہے اور اگر دونوں پر ٹوٹ جائیں تو پرندہ مر جاتا ہے۔

(رسالہ قشیریہ)

ڈرنے کا حق

ابوبکر کلابادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''التعرف'' میں لکھتے ہیں کہ خوف کے بارے میں کسی نے صوفی ابوعبداللہ بن الجلیل سے پوچھا کہ جناب آپ کا اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے جو ڈرتا ہے تو انہوں نے کہا کہ یہ وہ آدمی ہے جسے خدا پر بھروسہ ہے ان چیزوں سے جن سے حقیقی طور پر خوفزدہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ ان خوفناک چیزوں کو اپنا قلب منتشر و بے آرام کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اور ان چیزوں سے وہ صرف خدا کے خوف کی وجہ سے بچتا ہے لہٰذا یہ چیزیں اس سے ہٹالی جاتی ہیں۔

سراپا خوف

ایک اور بزرگ سے جب پوچھا گیا کہ خدا سے ڈرنے والے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ وہ آدمی ہے جو اس چیز سے ڈرتا ہے جس سے اسے ڈرنا چاہیے۔ یہ خدا کے خوف سے ہر وقت مغلوب رہتا ہے اور سراپا خوف بن جاتا ہے ایسے شخص کو دنیا کی کوئی چیز نہیں ڈرا سکتی کیونکہ آگ اسے جلاتی ہے جو آگ محسوس کرے جو

خود سراپا آگ ہو وہ کیا جلے گا۔

صرف اُمید

حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ کوئی بھی شخص جس نے صرف امید کے نظریئے کو جذب کر رکھا ہو وہ تزکیہ نفس کے راستے پر گامزن نہیں ہو سکتا کیونکہ صرف امید سُستی کی طرف لے جاتی ہے۔

ابوالقاسم القشیر ی رحمۃ اللہ علیہ جو مسئلے کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت سے بہرہ ور تھے، اُمید کو خدا کے مکمل حسن کا پَرتو سمجھتے تھے۔

(رسالہ)

جبکہ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سچے بندے کی امید صرف اور صرف خدا میں ہوتی ہے اور وہ خدا سے خدا کے علاوہ اور کسی چیز کی امید نہیں رکھتا۔

(کتاب اللمع)

یہ امید صوفی کو ہمیشہ آگے اور اوپر کی طرف ہی لے جاتی ہے، امید کی طرح خوف بھی ایمان کے ساتھ مشروط ہے۔

خوف کی اقسام

ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ تین قسم کے خوف کا ذکر کرتے ہیں۔

اوّل: عام قسم کا خوف جو سزا کے ڈر سے ہوتا ہے۔

دوم: وہ خوف جو خدا سے کاٹ دیتا ہے یا کوئی بھی چیز جو درویشی کی تکمیل میں رکاوٹ بن سکتی ہو۔

سوم: سب سے اعلیٰ خوف صرف اور صرف خدا کا خوف ہے۔

خدائی دُرّہ

امام ابوالقاسم عبدالکریم القشیری رحمۃ اللہ علیہ خوف کو خدا کا تازیانہ کہتے ہیں جس سے وہ انہیں ٹھیک کرتا ہے جو اس کے دروازے سے بھاگے ہوتے ہیں۔ عام قسم کا خوف آدمی کو بھگاتا ہے لیکن خدائی خوف (خشیت) انسان کو خدا کے نزدیک لاتا ہے۔ خوف دل کے لئے ایسے چراغ کی مانند ہے جس سے وہ دیکھتا ہے کہ سچ کیا ہے جھوٹ کیا ہے اچھا کیا ہے اور برا کیا ہے؟۔ یہ خدائی خوف انسان کو بری چیزوں سے بچاتا ہے جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے تمام چیزیں اس سے ڈرتی ہیں اور جو شخص اللہ سے نہیں ڈرتا وہ تمام چیزوں سے ڈرتا ہے۔

خوف اُمید سے برتر

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیائے علوم الدین میں فرماتے ہیں کہ دوزخ کا خوف وہ چابک ہے جو انسان کو جنت کی طرف لے جاتا ہے تمام ابتدائی لکھنے والے صوفی اس بات پر متفق ہیں کہ خوف امید سے برتر ہے کیونکہ اس کا انسانی ارادے پر اثر و رسوخ، عبادت کی زندگی پر اس کے اثرات اور رُوح کو گمراہ کن اعتقاد سے آزاد کرانے میں خوف کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

خدائی تحفہ

صوفی کے لئے بھی خوف خدا کا تحفہ ہے جس نے حکم دے رکھا ہے کہ اس کے بندوں کو ڈرنا چاہیے۔ اس روایت میں بھی آیا ہے کہ خدا کا خوف حکمت کا بڑا حصہ ہے صوفی کے لئے خوف اپنے گناہوں یا سزا کی وجہ سے نہیں ہونا چاہیے بلکہ صرف اس لئے ہونا

چاہیے کہ کہیں وہ دیدارِ خداوندی سے محروم نہ رہ جائے۔

رُوح کی بیڑیاں

ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اللمع میں صوفیانہ نظریئے کا لب لباب پیش کرتے ہوئے ان دو مقامات کے بارے میں کہتے ہیں کہ امید اور خوف روح کی دو بیڑیاں ہیں جو اسے سیدھے اور محفوظ راستے سے ہٹ کر بھٹکنے اور خدا سے منہ موڑ کر جدائی کی ناامیدی میں بھٹکنے سے روکتی ہیں۔ خوف اندھیرے کی حالت کی طرح ہے جس میں روح حیران وآوارہ پھرتی ہے اور ہمیشہ اس حالت میں بھاگنے کی کوشش کرتی ہے جبکہ امید روح میں روشن کرنے آتی ہے اور روح کو اس مقام پر لے جاتی ہے جہاں فرحت اور فضل وکرم غالب ہوتا ہے۔ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دن کا اجالا کھل کر کبھی سامنے نہیں آسکتا جب تک کہ رات کا اندھیرے سے اس کا تقابل نہ کیا جائے صوفی کی بہترین حالت وہ ہے جس میں امید وخوف دونوں شامل ہوں جس میں دل کبھی خوف کے اندھیرے کا غلام ہو اور کبھی امید کی روشنی کا شہزادہ۔ ان کا کہنا ہے کہ محبت، امید اور خوف آپس میں ملے جلے ہیں محبت خوف کے بغیر مکمل نہیں، نہ ہی خوف امید کے بغیر اور نہ ہی امید خوف کے بغیر مکمل ہے۔

جنت دوزخ

امید اور خوف صوفیاء کی آخرت کی تعلیمات اور جنت و دوزخ کے تصورات کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ ان کے لئے دوزخ سزا کی جگہ نہیں بلکہ یہ خدا سے جدائی اور اس کے رُخ موڑ لینے کا نام اور مقام ہے اور اس کی غیر موجودگی کا احساس ہے جبکہ جنت ان کے نزدیک جسمانی لذتیں حاصل کرنے کا مقام نہیں یہ دیدار خداوندی اور اس کے ساتھ ہمیشہ متصل رہنے کی حالت کا نام ہے۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا خوف

خوف اور اُمید کے مقامات کے بارے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی تعلیمات ہم پہلے جان چکے ہیں کہ وہ کس طرح خوفزدہ تھیں اور دوزخ کی آگ کے ذکر پر وہ کس طرح گہرا اثر قبول کیا کرتی تھیں۔

یہ روز قیامت گناہگاروں کو سنائے جانے والے فیصلے کے عقیدے کی وجہ سے تھا کمزور لمحات میں انہیں یہ خوف محسوس ہوتا تھا کہ ان کے متعلق بھی کہیں ایسا ہی فیصلہ نہ ہو جائے اس وجہ سے ایک بار انہوں نے دُعا کی کہ انہیں دوزخ کی سزا نہ دی جائے جس پر انہیں سرزنش بھی کی گئی۔

اللہ کی تعظیم

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے ایک سوانح نگار کا کہنا ہے کہ انہوں نے اللہ کی تکریم و تعظیم کی خاطر چالیس سال تک آسمان کی طرف سر نہیں اُٹھایا اور اپنا منہ آسمان کی طرف نہیں کیا آپ اکثر کہا کرتی تھیں کہ جب کبھی میں اذان کی آواز سنتی ہوں تو مجھے قیامت کے صور پھونکنے کی آواز یاد آتی ہے اور جب کبھی میں برف دیکھتی ہوں تو مجھے نامۂ اعمال کے اوراق پھڑ پھڑاتے ہوئے نظر آتے ہیں ایک بار آپ سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ امید آپ کو کس پر ہے تو جواب دیا کہ اپنے غموں میں جو میرے اعمال کی وجہ سے ہیں۔

سزا کا خوف اور انعام کی اُمید

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ نے اپنی کتاب ''رابعہ دی مسٹک'' (Rabia The Mystic) میں لکھا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی تعلیمات سے واضح ہے کہ وہ سزا

کے خوف اور انعام کی امید کے محرک کو اللہ کے ولیوں کے قابل نہیں سمجھتی تھیں۔ افلا کی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ایک واقعہ میں آپ نے ان دونوں محرکات کو عرفان کی منزل کی تکمیل میں رکاوٹ سمجھا کیونکہ عموماً خدا کے بندے سزا سے بچنے یا انعام کے لالچ میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں جبکہ آپ کے نزدیک صرف خدا ہی کی ذات سے ڈرنا چاہیے اور امید بھی صرف اسی سے رکھنی چاہیے۔

جنت کے مکین

ایک بار حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے کسی کو پڑھتے ہوئے سنا کہ جنت کے باسی وہاں خوشیاں منانے میں مصروف ہوں گے، اس پر آپ نے کہا کہ جنت کے مکین اپنے دھندے اور اپنے ساتھیوں کی بنا پر بدقسمت ہیں۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر آپ کو الزام دیا اور کہا رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کو معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں اور یہ وہ ہے جو بدقسمت ہے جبکہ وہ تو خدا کے ساتھ مصروف ہیں۔ یہاں دراصل حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی تھی کہ جنت کوئی جسمانی طور پر خوشیاں منانے کا مقام نہیں بلکہ یہ تو دیدار الٰہی میں غور و فکر کی حالت اور مقام ہے۔

مکان اور مکین

ایک بار حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے کسی نے پوچھا کہ جنت کے بارے میں آپ کیا کہتی ہیں تو انہوں نے فرمایا ''پہلے ہمسایہ پھر مکان'' حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا کہنا یہ تھا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات کے دیدار میں مگن ہوں انہیں دوسری چیزوں کا خیال بھی کیسے آسکتا ہے یہ اسی طرح کا جواب تھا جیسے آپ نے موسم بہار میں گھر سے باہر نکلنے کی دعوت پر اپنی خادمہ کو دیا تھا کہ اصل اہمیت خالق یا مصور کی ہوتی ہے تخلیق یا

تصویر کی نہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ان کے اوّل الذکر جواب کی اپنی کتاب احیائے علوم الدین میں اس طرح وضاحت کرتے ہیں کہ:

"حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا میلان اور جھکاؤ جنت کی بجائے اس کے خالق کی طرف تھا۔"

ایک صوفی کے لئے یہ سب امام غزالی نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی تعلیمات میں پڑھا کہ جنت کی صحیح اہمیت کیا ہے۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے قول کی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں نہیں جانتا وہ اگلی دنیا میں بھی اسے نہیں دیکھ سکے گا۔ اور وہ جس نے اس دنیا میں خدا کی معرفت کے مزے نہیں چکھے وہ اگلی دنیا میں بھی اس کے دیدار کی دولت سے محروم ہوگا۔ جس نے اس دنیا میں اللہ سے دوستی نہیں چاہی وہ اگلی دنیا میں اس کی التجا بھی نہیں کر سکے گا لہٰذا جس نے کچھ بویا ہی نہیں وہ کاٹے گا کیا؟

حضرت آسیہ علیہا السلام

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ایک مصنف نے بھی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے اس قول پر تبصرہ کیا ہے وہ بیان کرتا ہے کہ ایک بار جب حضرت رابعہ العدویہ رحمۃ اللہ علیہ پر محبت کا غلبہ تھا، ان سے پوچھا گیا کہ آپ ربّ تعالیٰ سے جنت کیوں نہیں مانگتیں؟ جس پر آپ نے جواب دیا "مکان سے پہلے ہمسایہ۔" یہ مصنف اس کا موازنہ حضرت آسیہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا بنت مزاحم سے کرتا ہے جو فرعون کی بیوی تھیں، جنہوں نے ربّ کائنات کے حضور یہ دُعا مانگی تھی:

"اے ربّ العالمین میرے لئے جنت میں مکان بنا جس میں تُو بھی موجود ہو۔"

اس طرح انہوں نے بھی مکان سے پہلے ہمسائے کا انتخاب کیا۔ مصنف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دُعا کا بھی حوالہ دیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''اے رب العزت میں تیری رضا چاہتا ہوں اور جنت بھی۔''

اور یہی کچھ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے کہا تھا کہ مکان سے پہلے ہمسایہ۔

(بحوالہ ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ، حیات القلوب، مصنف: محمد بن حسن عمادالدین)

اوّلین شخصیت

یہ واضح ہے کہ امید اور خوف پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی تعلیمات آخرت اور جنت دوزخ کی ترتیب میں دیکھی جا سکتی ہے جو ان کے خدا سے بے لوث نظریئے کے ساتھ نزدیکی طور پر منسلک ہیں چونکہ آپ ہی وہ اوّلین شخصیت ہیں جنہوں نے صوفیاء میں اس نظریئے کو نمایاں کیا اور اور اس پر خاص زور دیا کہ یہ خدا کے ساتھ تعلق کے لئے لازمی ہے اور یہ بھی ممکن ہے آپ ہی وہ پہلی شخصیت ہوں جنہوں نے امید و خوف کا یہ ممتاز تصور تعلیم کیا ہو، سکھایا ہو اور جنت کی روحانی حالت کا تصور تشکیل دیا ہو جو بعد از اں تمام صوفیاء میں پھیل گیا تھا۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ اور جنت

بحوالہ ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ، امام ابونعیم الاصفہانی نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں بیان کیا ہے کہ بلخ کے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے ہم عصر بھی تھے کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے اپنے ربّ سے یہ دُعا مانگی تھی کہ:

''اے اللہ تُو جانتا ہے کہ میری نظر میں جنت کی حیثیت مچھر کے برابر بھی نہیں اگر تُو مجھے اپنی محبت کی نعمت سے نواز دے۔''

اسی طرح حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے بعد گزرے ہیں نے کہا تھا:

''جو محبت کرتا ہے اس کے نزدیک جنت کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔''

لیکن یہ سب خیالات حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے ابدی حیات کے تصور، پاکیزہ غور وفکر اور محبوب کی عزت کے خیالات کے ہم پلہ نہیں ہیں۔

تعلیمات

امام ابو القاسم عبد الکریم القشیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی وفات کے تین سو سال بعد اپنی کتاب ''الرسالہ'' میں ان کی صوفیانہ تعلیمات کو پیش کیا ہے جو صوفیانہ حلقوں میں قبول شدہ سمجھی جاتی تھی اسی طرح حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی تعلیمات کا وافر حصہ میسر آیا جسے انہوں نے اپنی کتاب میں صوفیانہ تعلیمات کے طور پر پیش کیا۔ تصوف کے موضوعات پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی یہ تعلیمات نا قابل چیلنج اتھارٹی اور سند کے طور پر نہ صرف پیش کی جاتی ہیں بلکہ راہِ سلوک کے سالکوں اور محبت کی راہ کے مسافروں کیلئے عمل کا ایک وسیع میدان بھی مہیا کرتی ہیں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے دور میں اسلامی تصوف ابتدائی حالت میں تھا اس لئے آپ کا شمار اوّلین صوفیاء میں ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ کاملین میں بھی شامل ہیں جو تصوف کے اساتذہ ہیں جن کے اقوال اور تعبیریں خالص صوفیانہ رموز بن گئیں۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا اللہ پر یقین محکم

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ولیہ کاملہ تھیں اور فقر کے اس بلند درجے پر فائز تھیں جہاں آپ کو ذاتِ خداوندی پر یقین کامل حاصل ہو چکا تھا۔ آپ ماسوا اللہ سے بالکل منہ موڑ چکی تھیں اور آپ کی امیدوں کا مرجع اور مرکز صرف اور صرف حق تعالیٰ کی ذات تھی یوں آپ توکل وقناعت کی دولت سے مالا مال تھیں اور آپ کو فقر پر فخر تھا۔ اس کی وجہ سے آپ کی طبیعت میں بے نیازی پیدا ہوگئی تھی اور دنیا اور اہلِ دنیا کی نفی ہوگئی تھی۔ آپ نے ہر طرف سے منہ موڑ کر خالق کائنات سے رشتہ جوڑ لیا تھا، یہ وہ رشتہ ہے جو ازل سے ابد تک رہتا ہے۔

صبر وتوکل کی شان

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''ایک دن دو درویش حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے گھر آئے اور کہا کہ ہم کئی دن سے بھوکے ہیں، ہمیں کھانا دیں، صرف آپ کے گھر سے ہی ہمیں حلال رزق میسر آ سکتا ہے۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے انہیں عزت وتکریم سے بٹھایا، اس وقت گھر میں صرف دو روٹیاں تھیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا وہ دو روٹیاں درویشوں کو پیش کرنے والی تھیں کہ دروازے پر کسی سائل نے صدا

دی۔ وہ ابھی روٹی کا سوال کر ہی رہا تھا کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے وہ دونوں روٹیاں سائل کو دے دیں اور خود مہمانوں کے پاس جا کر باتیں کرنے لگیں۔ درویش ابھی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے اس اقدام پر آپس میں حیرت کا اظہار کر ہی رہے تھے کہ ایک کنیز خوان لے کر حاضر ہوئی جس میں خوش ذائقہ کھانوں کے ساتھ کئی روٹیاں بھی تھیں اور کہا کہ میری مالکہ بانو نے یہ کھانا آپ کے لئے بھیجا ہے۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے روٹیاں گنیں تو وہ اٹھارہ نکلیں، آپ نے کنیز سے کہا۔ یہ خوان تم غلطی سے یہاں لے آئی ہو، مالکن کے پاس واپس لے جاؤ۔ کنیز نے دست بستہ عرض کی کہ مالکہ نے یہ کھانا آپ کے لئے ہی بھجوایا ہے یقین کیجئے مجھ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی لیکن آپ نے کہا کوئی زبردست غلطی ہوئی ہے، یہ خوان ہمارا نہیں، واپس جاؤ اور مالکہ سے کہو کہ وہ تمہیں صحیح جگہ روانہ کرے۔ بادل نخواستہ کنیز خوان واپس لے گئی اور مالکہ سے سارا حال کہہ سنایا، مالکہ کچھ دیر سوچتی رہی اور کہا حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے سچ کہا اس میں دو روٹیاں اور رکھ کر خوان دوبارہ ان کی خدمت میں لے جاؤ۔ اس بار جب حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے روٹیاں گنیں تو وہ بیس تھیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں اس بار یہ ہمارے لئے بھیجا گیا ہے۔ انہوں نے خوان درویشوں کے آگے رکھ دیا، درویشوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا پھر پوچھنے لگے کہ اب ہمیں پہلی بار خوان واپس بھیجنے کا راز بتائیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا: جب تم آئے تھے تو گھر میں صرف دو روٹیاں تھیں، میں سوچ

رہی تھی کہ دو روٹیاں آپ کے سامنے کیسے رکھوں کہ اتنے میں سائل کی صدا سنائی دی جو اللہ واسطے روٹی مانگ رہا تھا، میں نے فوراً دو روٹیاں اس کے حوالے کر دیں اور خود اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے اللہ! تُو نے ایک کے عوض دنیا میں دس دینے کا وعدہ کیا ہے اور مجھے تیرے وعدے پر کامل یقین ہے۔ اسی یقین پر میں نے سائل کو وہ روٹیاں دے دیں ہیں لہٰذا جب پہلی بار کنیز روٹیاں لے کر آئی، میں نے گنیں تو وہ اٹھارہ تھیں تو میں سمجھ گئی کہ یا تو دو روٹیاں کنیز نے چرائی ہیں یا بھیجنے والے نے غلطی سے بھیجی ہیں کیونکہ اللہ کے وعدے کے مطابق روٹیاں بیس ہونی چاہیے تھیں اس لئے میں نے کنیز کو واپس بھیجا تھا اور اب کی بار پوری بیس روٹیاں آئیں تو میں نے جان لیا کہ یہ اللہ کے وعدے کے مطابق ہیں لہٰذا میں نے قبول کر لیں۔ اس پر تمام درویش آپ کے یقینِ کامل کی شان دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔''

نفس کی آزمائش

تذکرۃ الاولیاء میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے سات دن تک مسلسل روزے رکھے اور صرف پانی سے افطار کرتی رہیں۔ راتوں کو عبادت الٰہی میں مصروف رہتی تھیں، جب آٹھواں دن ہوا تو شدید بھوک کے باعث نقاہت طاری ہو گئی۔ افطاری کا وقت تھا، گھر میں کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی، بھوک کی شدت سے آپ کے نفس نے فریاد کی: کب تک مجھے اذیت دو گی۔ ابھی نفس اپنی فریاد ختم بھی نہ کر پایا تھا کہ عین افطار کے وقت ایک شخص پیالے میں کھانے کی کوئی چیز لے کر حاضر ہوا اور کہا

میں آپ کے لئے کچھ کھانے کے لئے لایا ہوں۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اس سے کھانا لے لیا اور اپنے نفس سے مخاطب ہوئیں اور فرمایا: تیری فریاد سن لی گئی ہے، اس لئے کوشش کروں گی کہ تجھے مزید بھوک برداشت نہ کرنی پڑے۔ اتنا کہہ کر آپ نے پیالہ فرش پر رکھا اور خود شمع جلانے کی غرض سے اٹھیں۔ عین اسی وقت کہیں سے بلی آئی اور کھانے کا پیالہ اُلٹ دیا۔ اس اثنا میں افطاری کا وقت ہو چکا تھا۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے پانی سے روزہ افطار کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ایک دن تیز ہوا کا جھونکا آیا جس سے شمع بجھ گئی اور آپ کا ہاتھ پانی والے پیالے میں لگا اور وہ اوندھا ہو گیا جس سے سارا پانی زمین پر بہہ گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے دل سے آہ نکلی۔ بے اختیار آپ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے:

یا اللہ! یہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے؟

غیب سے ندا آئی: اگر تم دنیاوی نعمتیں چاہتی ہو تو ہم تجھے وہ عطا کر دیتے ہیں مگر اس کے بدلے میں اپنا درد و غم تمہارے قلب سے نکال لیں گے اس لئے کہ میرا غم اور دنیا کی نعمتوں کا غم ایک ہی قلب میں جمع نہیں ہو سکتے، نہ ہی جداگانہ مرادیں ایک قلب میں جمع ہو سکتی ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے دنیا سے دامن جھاڑ کر اپنے قلب کو حب دنیا سے خالی کر دیا جس طرح موت کے وقت مرنے والا امیدِ زیست ترک کر کے قلب کو دنیاوی تصورات سے خالی کر دیتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور پھر ہر نماز کو اپنی آخری نماز سمجھ کر پڑھا، ہر صبح بارگاہِ الٰہی میں آپ یہ دُعا مانگتیں:

"یا اللہ! مجھے اس طرح اپنی توجہ میں رکھنا کہ مجھے یہ دُنیا والے سوائے تیرے اور کسی کام میں مشغول نہ دیکھیں۔"

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا استغناء و بے نیازی

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا تہجد گزار، نفسانی لذتوں اور خواہشات سے پاک اور تارک الدنیا تھیں لہٰذا قلندری کے بلند درجہ پر فائز تھیں۔ قلندری انسان کو تب ہی نصیب ہوتی ہے جب اس میں صبر وقناعت، بے نیازی، استغناء اور عجز و انکساری ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ راضی بہ رضا اور دلیر ہو۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا میں یہ تمام صفات بہ تمام و کمال موجود تھیں۔ یہاں ہم حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے استغناء و بے نیازی کے واقعات پیش کرتے ہیں۔

نذرانہ کی قبولیت سے انکار

ایک دفعہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بیمار ہوئیں، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو آپ مزاج پُرسی کے لئے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی رہائش گاہ پر پہنچے۔ دیکھا کہ دروازے پر ایک مالدار شخص ہاتھ میں درہم و دینار کی تھیلی لئے کھڑا ہے اور زار و قطار رو رہا ہے۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص سے رونے کی وجہ پوچھی، اس نے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نہایت عاجزی سے کہا بات یہ ہے کہ میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے لئے نذرانہ لایا ہوں اور ان کو پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن مجھے ڈر ہے وہ میرا نذرانہ قبول نہ کریں گی، میں اس خدشے کے تحت رو رہا ہوں۔ اس نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا: میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میری حضرت رابعہ

بصری رحمۃ اللہ علیہا سے سفارش فرمائیں تا کہ وہ میرا نذرانہ قبول کرلیں۔ اگر ایسا ہوا تو میں خود کو خوش قسمت سمجھوں گا۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کی التجا سے بہت متاثر ہوئے۔ آپ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پاس پہنچتے ہی اس شخص کے نذرانے کا ذکر کیا اور کہا کہ اے رابعہ! یہ نذرانہ قبول کرلو۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا یہ پیغام سن کر حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ناصحانہ انداز میں مخاطب ہوئیں اور فرمایا:

''خداوند تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ جو کوئی اس کا ذکر نہیں کرتا وہ اس کی بھی روزی بند نہیں کرتا اور جس شخص کی زندگی اس کی محبت کے دم سے ہو وہ اسے بغیر رزق کے بھی زندہ رکھ سکتا ہے، جب سے میں نے اسے دیکھ لیا ہے تمام مخلوق سے منہ پھیر لیا ہے۔''

پھر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا:

''اچھا آپ ہی بتائیے کہ جس شخص کو میں جانتی ہی نہیں اس کا مال میں کیسے قبول کرلوں، کیا خبر وہ دینار حلال ہیں یا حرام؟۔''

یوں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے وہ نذرانہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

پیاز کی ضرورت

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ''تذکرۃ الاولیاء'' میں فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ آپ نے کئی دن تک کچھ نہیں کھایا اور جب خادمہ کھانا تیار کرنے لگی تو گھر میں پیاز نہیں تھا۔ خادمہ نے آپ سے اجازت طلب کی کہ پڑوس سے پیاز مانگ کر لے آئے۔ آپ نے فرمایا: میں تو برسوں سے یہ عہد کئے ہوئے ہوں کہ اللہ کے سوا کبھی کسی سے کچھ طلب نہ کروں گی لہٰذا اگر پیاز نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں۔ اس کے

بغیر ہی ہانڈی پکا لو۔ ابھی آپ نے اپنی بات پوری بھی نہ کی تھی کہ ایک پرندہ آیا جس کی چونچ میں چھلے ہوئے پیاز تھے وہ ہانڈی میں ڈال کر چلا گیا لیکن آپ کا استغناء اور بے نیازی دیکھئے کہ اس کو فریب شیطانی سمجھتے ہوئے بغیر سالن کے خشک روٹی کھا کر پانی پی لیا۔"

صبر و بے نیازی

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا مخلوق سے بے نیاز تھیں، ایک روز ایک بزرگ رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پاس آئے۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے کپڑے نہایت بوسیدہ تھے۔ یہ دیکھ کر بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کو بہت رنج ہوا اور انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے کہا کہ آپ کی ایک جنبشِ ابرو سے کئی بندے آپ کے لئے نفیس لباس مہیا کر سکتے ہیں وگرنہ میں کسی رئیس سے کہہ کر آپ کیلئے کپڑوں کا انتظام کرتا ہوں۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بولیں:

> "مجھے غیر سے کچھ طلب کرتے ہوئے اس لئے حیا آتی ہے کہ مالکِ دُنیا تو اللہ ہے پھر میں کسی ایسے شخص کے سامنے کیوں ہاتھ پھیلاؤں جس کے ہاتھ میں خود ہر شے عارضی ہے۔ اس سے کچھ طلب کرنا باعثِ ندامت ہے۔"

یہ سن کر اس بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے صبر و بے نیازی کی بے حد داد دی۔ بالکل اسی طرح کا واقعہ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو اُن کے احوال میں درج کیا جا چکا ہے۔ ایک مرتبہ وہ آپ سے ملاقات کے لئے آئے اور دیکھا گھر میں صرف ایک ٹوٹا ہوا مٹی کا لوٹا اور ایک بوسیدہ چٹائی ہے تو عرض کیا کہ میرے مالدار دوست ہیں، اگر اجازت ہو تو

ان سے آپ کے لئے کچھ طلب کروں، آپ نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات سنی تو غصے میں کہا:

''مالک کیا کہہ رہے ہو؟، کیا تمام بندوں کا روزی رساں صرف ایک ہی نہیں۔ تو کیا وہ درویشوں کو ان کی درویشی کی وجہ سے بھلا بیٹھا ہے اور امیروں کو دولتمند ہونے کی وجہ سے یاد رکھتا ہے؟، جب وہ سب کچھ دیکھتا، سنتا اور جانتا ہے تو پھر اسے یاد دلانے کی ضرورت ہے، اگر وہ اس طرح پسند کرتا ہے تو ہمیں بھی عذر نہیں، ہم بھی وہی پسند کرتے ہیں جو اس کی رضا ہے۔''

باب ۱۴

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے ہمعصر اولیائے کرام

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہا کی مجلس میں ہر وقت تشنگانِ علم کا جھمگٹا رہتا تھا، جہاں ہر شخص اپنی صلاحیتوں کے مطابق علم و عرفان کے موتی حاصل کرتا اور ان سے استفادہ کرتا۔ اس زمانے کے اولیائے کرام بھی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پاس حاضری دیتے تھے۔ کہتے ہیں "ولی را ولی می شناسد" یعنی ولی ہی ولی کو پہچانتا ہے اور اہلِ دل کی قدر اہلِ دل ہی جانتے ہیں جیسے عارف کھڑی میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا ہے:

قدر پھلاں دا بلبل جانے صاف دماغاں والی
قدر پھلاں دا گرج کی جانے مُردے کھاون والی

اسی طرح فارسی کا ایک مشہور شعر ہے کہ:

کند هم جنس به هم جنس پرواز
کبوتر به کبوتر قاز به قاز

لہٰذا چونکہ ولی ایک دوسرے کو پہچانتے بھی ہیں، ایک دوسرے کے رُتبے سے آگاہ بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ باہم ملتے جُلتے اور ایک دوسرے سے کسبِ فیض اور استفادہ

کرتے رہتے ہیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اپنے ہم عصر اولیائے کرام کا بہت احترام کرتی تھیں جسکی وجہ سے وہ آپ کے پاس حاضر ہوتے رہتے تھے۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے ہم عصر اولیائے کرام کے حوالے سے ہم سب سے پہلے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بات شروع کرتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

نام اور والدین

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا اجمالی طور پر ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، یہاں تفصیلی طور پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف پیشِ خدمت ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ زاہدوں کے اوّلین اماموں میں سے ایک تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام حسن اور کنیت ابو علی اور ابو محمد تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا نام یسار رحمۃ اللہ علیہ اور والدہ کا نام خیرہ رحمۃ اللہ علیہا تھا۔ طبقاتِ حسامیہ کی معتبر روایت ہے کہ آپ حضرت ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

ولادت

معتبر تاریخی کتب اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت سے تقریباً دو سال پہلے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ یوں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا سالِ ولادت 22ھ قرار دیا جاتا ہے۔

تربیت

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ خیرہ رحمۃ اللہ علیہا ، اُمّ المومنین حضرت اُمِ سلمٰی رضی اللہ عنہا کی کنیز

تھیں۔ اس وجہ سے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت اُم سلمٰی رضی اللہ عنہا کے گھر تربیت پانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ رحمۃ اللہ علیہا کسی کام کی وجہ سے گھر سے باہر جاتیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہ بھوک سے بے قرار ہو کر رونے لگتے تو اُم المومنین رضی اللہ عنہا انہیں اپنا دُودھ پلا دیتی تھیں۔ حضرت اُم سلمٰی رضی اللہ عنہا اس بچے کے بارے میں ہمیشہ دُعا گو رہیں کہ خداوند تعالیٰ اس بچے کو مقتدائے خلق بنائے۔ مشہور عالمِ دین حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ میں جو غیر معمولی فصاحت اور حکمت پائی جاتی تھی وہ سب اسی مقدس دُودھ اور دُعا کا نتیجہ تھی۔

حسن نام کی وجہ تسمیہ

کہتے ہیں جب حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے تو بہت خوبصورت تھے۔ روایت ہے کہ پیدائش کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد آپ رحمۃ اللہ علیہ کو لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لائے۔ نومولود کو دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بے اختیار فرمایا:

''سموہ حسنا فانہ احسن الوجوہ''

اس کا نام حسن رکھو کیونکہ اس کا چہرہ بہت خوبصورت ہے۔ یوں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو دو منفرد اعزاز حاصل ہوئے، ایک یہ کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت اُم سلمٰی رضی اللہ عنہا نے دُودھ پلایا اور تربیت کی اور دوسرے یہ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام رکھا۔

حقیقت یا خواب

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ تذکرۃ الاولیاء میں فرماتے ہیں کہ:

''نقل ہے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جبکہ وہ ابھی بچے ہی تھے ایک دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوزہ سے پانی پی لیا۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوزہ دیکھ کر پوچھا کہ میرے کوزے سے کس نے پانی پیا ہے؟ اُم المومنین حضرت اُمِ سلمٰی رضی اللہ عنہا نے عرض کی حسن نے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس قدر اس نے پانی پیا ہے اسی قدر میرا علم اس میں سرایت کر گیا ہے۔"

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ایک اور روایت اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:

"ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اُم المومنین اُمِ سلمٰی رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لائے، خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو جو ابھی محض بچے تھے گود میں لے لیا اور اس کے حق میں دُعا کی چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو جو کچھ حاصل ہوا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی دُعا کا نتیجہ ہے۔"

ایک اعتراض اور اس کا جواب

مندرجہ بالا دو روایتوں پر جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ کچھ اس طرح ہے:

"جناب شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دونوں روایات اس لئے محلِ نظر ہیں کہ جب حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آخری زمانے میں ہو رہی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوزے سے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پانی پی لیا ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو گود میں لیا ہو۔ سب سے حیرت انگیز امر یہ ہے کہ شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں روایات کے بعد خود لکھا ہے کہ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لایا گیا جس کو دیکھ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا نام حسن رکھو۔"

اس بارے میں سب سے پہلی بات یہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ صاحب تذکرۃ الاولیاء شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا شمار جلیل القدر اولیائے کرام میں ہوتا ہے۔ اس لئے ہم آپ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ توقع نہیں رکھتے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ بغیر تحقیق کے بعض روایات کو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کر دیا کرتے تھے۔ دوسری اور اہم بات یہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی سنِ پیدائش سے لاعلم بھی نہ تھے جیسا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف تذکرۃ الاولیا میں بیان کیا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دَور میں پیدا ہوئے اور انہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لایا گیا۔

مؤلف کتاب کی نظر میں مذکورہ بالا دونوں واقعات دراصل اُم المومنین حضرت اُمِ سلمٰی رضی اللہ عنہا کے بیان کردہ خواب ہیں کہ اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ:

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر تشریف لائے تو گھر میں کھیلتے ہوئے چھوٹے سے بچے (حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ) کو گود میں اُٹھالیا۔''

اور دُعا کی اور دوسرے خواب میں:

''حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوزے سے پانی پی لیا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور کوزے کو خالی پایا تو دریافت کیا کہ کس نے میرے کوزے سے پانی پیا ہے۔ بتایا گیا کہ حسن نے۔ فرمایا جس قدر اس نے پانی پیا ہے اسی قدر میرا علم اس میں سرایت کر گیا۔''

بعد ازاں اُم المومنین حضرت اُمِ سلمٰی رضی اللہ عنہا نے یہ خواب بیان کیا لیکن بعد میں آنے والے راویوں نے خواب کے واقعات تو من وعن روایت کر دیئے لیکن خواب کا ذکر کرنا نظر انداز کر دیا جس کی وجہ سے یہ اُلجھن پیدا ہوگئی۔ (واللہ اعلم)

زیارتِ صحابہ کرام

تذکرۃ الاولیاء کے مطابق آپ نے ایک سوتیں (130) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زیارت کی جن میں سے ستر (70) بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، یوں آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی صحبت سے علمِ ظاہر حاصل کیا اور آپ اکابر تابعین میں سے ہیں۔

اِرادت وخرقہ

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز تصنیف تذکرۃ الاولیاء میں کتاب التحفہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آپ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے مرید تھے اور انہی کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے، انہی سے آپ کو خرقۂ خلافت حاصل ہوا۔ ایک روایت کے مطابق آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت سے مشرف ہوئے اور خرقۂ خلافت اور رُوحانی تعلیم حاصل کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلفاء

دنیائے تصوّف میں یہ بات مشہور ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے چار خلفاء تھے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ حضرت کمیل بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ

تصوف کے تمام رُوحانی سلسلے انہیں چار اکابرین سے چلے اور یوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رُوحانی نعمت سینہ بہ سینہ تمام مشائخ سلاسل کے ذریعے آج تک اُمت میں چلی آرہی ہے۔

رُوحانی فیض

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بالعموم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت کمیل بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتوں سے بالخصوص رُوحانی فیض حاصل کیا۔

ریاضت و گوشہ نشینی

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا دَور سیاسی طور پر اَبتری کا دَور تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اور پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے رُوحانی استاد حضرت کمیل بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کو حجاج بن یوسف نے شہید کردیا جن کی موت پر آپ رحمۃ اللہ علیہ اس قدر غمزدہ ہوئے کہ مہینوں اپنے استاد کو یاد کرکے زار و قطار رویا کرتے تھے۔ انہی دلخراش واقعات کی وجہ سے حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ رقیق القلب ہوگئے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا دل دنیا سے اُچاٹ ہوگیا۔ بعدازاں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے گوشہ نشینی اور مجاہدات کی راہ اختیار کرلی۔ اکثر روزہ رکھتے اور صرف پانی سے افطار کرتے۔ کھانا کھاتے بھی تو دو چار لقموں سے زیادہ کبھی نہ کھایا، علاوہ ازیں آپ رحمۃ اللہ علیہ نماز پابندی سے پڑھتے اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اور ذکر واذکار کا پابندی سے اہتمام کرتے تھے۔ گوشہ نشینی کے باوجود مخلوق سے ترکِ تعلق نہ کیا بلکہ ان کی ہمدردی اور ہر طرح کی خدمتِ خلق سرانجام دیا کرتے تھے۔

شائستہ سخن جوان

تاریخ کی تقریباً تمام کتب میں اور تذکرۃ الاولیاء میں مذکور ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ایک دفعہ بصرہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ قصہ گوئی و داستان طرازی کا بازار گرم ہے اور طرح طرح کے لوگ منبر پر بیٹھ کر قصہ گوئی کیا کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے اُونٹ کی مُہار کو کمر میں باندھ کر تین دن تک یہ حکم دیا کہ لوگو! ایسے تمام منبر توڑ دو جہاں دینی تبلیغ کی بجائے قصہ گوئی ہوتی ہے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے وہ تمام منبر تڑوا دیئے اور داستان گوئی کرنے والے واعظین کو وعظ کرنے سے منع کر دیا۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اس مجلس میں تشریف لائے۔ جہاں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وعظ کر رہے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے دریافت کیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ عالم ہیں یا طالب علم؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ میں ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں البتہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو بات مجھ تک پہنچی ہے وہ میں لوگوں کو سناتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو وعظ جاری رکھنے کی اجازت مرحمت فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ یہ جوان شائستہ سخن ہے، یہ کہہ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ چلے گئے۔

بعد ازاں جب حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا کہ یہ خلیفۂ وقت امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ دوڑ کر پیچھے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے التجا کی کہ خدارا مجھے وضو کا طریقہ سکھائیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک طشت میں پانی منگوا کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو وضو کا طریقہ سکھایا۔ اسی وجہ سے اس جگہ کا نام باب الطشت پڑ گیا۔ (۱)

۱۔ اگر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے والی روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ واقعہ بیعت سے پہلے کا ہے۔

زُہد وتقویٰ کا امتحان

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ وعظ فرما رہے تھے کہ حجاج بن یوسف شمشیرِ برہنہ لئے اپنے ساتھیوں سمیت آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلسِ وعظ میں آ گیا۔ اس وقت کئی لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں موجود تھے۔ ان میں سے ایک بزرگ نے اپنے دل میں کہا کہ آج حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے زُہد وتقویٰ کا امتحان ہو جائے گا۔ دیکھتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس ظالم وجابر شخص کے احترام میں کھڑے ہوتے ہیں یا اپنا وعظ جاری رکھتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نظر حجاج کو دیکھا لیکن وعظ میں مصروف رہے، نہ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہری کیفیت میں کوئی فرق آیا، نہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے کا رنگ بدلا اور نہ زبان ہی میں کوئی لرزش آئی۔ حجاج کچھ دیر کھڑا جائزہ لیتا رہا، پھر خاموشی سے آخری قطار میں بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ پورے جوش وخروش سے وعظ کرتے رہے۔ جب وہ وعظ ختم ہوا تو حجاج تیزی سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بڑھا اور والہانہ انداز میں جھک کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:

"اگر تم کسی مردِ خدا کو دیکھنا چاہو تو حسن کو دیکھ لو۔"

یہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے زُہد وتقویٰ کا امتحان تھا جس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کامیاب ہوئے۔

شمعون آتش پرست کا قبولِ اسلام

کہتے ہیں کہ شمعون نامی ایک آتش پرست آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ہمسایہ تھا۔ بیماری کی وجہ سے جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو لوگوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو خبر دی اور عرض کیا کہ اپنے ہمسائے کی خبر لیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کی بیماری کی خبر سُن کر اس کے پاس چلے گئے۔ دیکھا کہ آگ کے دھوئیں کی وجہ سے اس کا رنگ سیاہ ہو چکا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے

فرمایا، ساری عمر آگ اور دھوئیں میں بسر کر دیا اب آخری مرتبہ تو خدا سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو تا کہ خدا تم پر رحم کرے۔ اس نے کہا کہ اسلام قبول کرنے میں تین چیزیں مانع ہیں:

اول: یہ کہ تم دن رات دُنیا کی برائی کرتے ہو مگر پھر بھی دن رات اسی دُنیا کے طالب رہتے ہو۔

دوم: یہ کہ موت کو برحق سمجھ کر اس کا کوئی سامان نہیں کرتے۔

سوم: یہ کہ یہ جانتے ہوئے کہ اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے مگر اس کے باوجود اس کی رضا کے خلاف کام کرتے ہو۔

آپ نے فرمایا کہ:

''یہ مسلمانوں کے افعال و کردار ہیں (اسلام کی یہ تعلیم نہیں) لیکن تم کیا کرتے ہو، ساری عمر تم نے آتش پرستی میں گزار دی۔ اگر ہم دونوں آگ میں ہاتھ ڈالیں تو آگ دونوں کے ہاتھ جلا دے گی اور یہ تمہاری ستر سال کی پُوجا کا ذرا بھی خیال نہیں کرے گی لیکن میرا خدا اگر چاہے تو آگ کی مجال نہیں کہ میرا ایک بال بھی جلا سکے۔ یہ کہہ کر آپ نے آگ میں اپنا ہاتھ ڈال دیا اور دیر تک آگ میں رکھا لیکن آگ نے ذرا برابر بھی اثر نہ کیا۔''

شمعون نے جب یہ کرامت دیکھی تو بہت متاثر ہوا لیکن کہا کہ:

''میری تو ساری عمر آتش پرستی میں گزر گئی ہے، اب میں کیسا مسلمان ہوں، میری تو صرف چند سانسیں باقی ہیں، ان میں اب میں کیا کر سکتا ہوں۔''

بقول شاعر

عمر ساری تو کٹی عشقِ بُتاں میں مومن
آخری عمر میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

(مومن)

لیکن حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
''تم مسلمان ہو جاؤ تو تمہاری مغفرت ہو جائے گی۔''
شمعون نے کہا کہ:
''آپ یہ بات تحریر کر دیں کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو اللہ تعالیٰ مجھے عذاب نہ دے گا۔''

چنانچہ آپ نے نہ صرف لکھ دیا بلکہ اس کی خواہش پر شہر کے معززین کی گواہی بھی درج کروادی۔ شمعون خط لے کر ایمان لے آیا اور بہت رویا اور وصیّت کی کہ مرنے کے بعد یہ خط میرے ہاتھ میں دے دینا پھر کلمہ پڑھا اور مر گیا۔ آپ نے اس کی وصیّت پوری کی۔ اپنے ہاتھ سے غسل دے کر قبر میں اُتارا اور خط اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ رات بھر آپ متفکر رہے کہ میں نے کیا کِیا۔ مجھے تو اپنی نجات کا علم نہیں اور میں نے اس کو تحریر دے دی کہ وہ بخشا جائے گا۔ اسی فکر میں آپ سو گئے خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ شمعون سنہری تاج سر پر رکھے بہشت میں ٹہل رہا ہے۔ پوچھا کیا حال ہے؟ بولا اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہے۔ اب آپ اپنا یہ خط واپس لے لو، مجھے اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ جب آپ نیند سے بیدار ہوئے تو وہ خط آپ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ نے خط دیکھ کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

''تیرے کام تیرے فضل سے ہیں کسی علّت کی وجہ سے نہیں۔ جب ستر سال کے آتش پرست کو کلمے کے عوض بخش دیا تو مومن کو کب محروم رکھے گا۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خط کا جواب

تذکرۃ الاولیاء میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا اور یہ درخواست کی کہ مجھے ایسی نصیحت کریں جسے میں اپنا رہنما اور معاون بناؤں اور ہمیشہ یاد رکھوں۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ اگر حق تعالیٰ تمہارا معاون نہیں ہے تو پھر کسی بھی انسان سے معاونت اور خیر و فلاح کی توقع نہ رکھو۔ ایک دوسرے خط میں فرمایا کہ اس دن کو اپنے قریب سمجھ جس دن یہ ساری کائنات فنا ہو جائے گی اور صرف آخرت باقی رہے گی۔ جناب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خاندانِ بنواُمیہ کے فرد تھے اور خلیفہ سلیمان بن عبدالمالک کے انتقال کے بعد 99ھ میں منصب خلافت پر فائز ہوئے تھے۔ آپ نے ایسا عادلانہ اور شرعی نظام رائج کیا جس نے خلافتِ راشدہ کے دَور کی یاد تازہ کر دی اور اسی وجہ سے آپ کو عمرِ ثانی بھی کہا جاتا ہے۔

دُنیا کی محبت، دل کی موت

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہمعصر تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ:

"لوگوں کی خرابی کس چیز میں ہے؟"

آپ نے جواب دیا:

"دل کی موت میں۔"

تب حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا کہ:

"دل کا مرنا کیا ہے؟"

فرمایا:

''دُنیا کی محبت''

غیبت پر تحفہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کی تربیت صرف وعظ ہی سے نہیں بلکہ عملی کاموں سے بھی کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے کہا فلاں آدمی نے آپ کی غیبت کی ہے۔ یہ سُن کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے چھوہاروں سے بھرا ہوا تھال اس آدمی کو تحفہ کے طور پر بھجوایا اور کہلوا بھیجا:

''تم نے اپنی نیکیوں کو میرے اعمال نامے میں منتقل کیا ہے لہٰذا میں نے چاہا کہ تمہیں اس کا بدلہ دُوں۔''

چار رہنما

ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب چار آدمیوں کی باتیں یاد آتی ہیں تو میں حیرت میں ڈُوب جاتا ہوں کہ کس طرح اپنے جوابات سے انہوں نے مجھے رہنمائی عطا کی۔ ان میں ایک لڑکا تھا، دوسرا ایک مست الست آدمی تھا، تیسرا ایک ہیجڑا اور چوتھی ایک عورت تھی۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ آخر ہوا کیا تھا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

۱۔ ایک لڑکا اپنے ہاتھ میں چراغ لئے جا رہا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ روشنی کہاں سے لایا ہے؟ اس پر اس لڑکے نے اسی وقت وہ چراغ گل کر دیا اور پوچھا کہ اب آپ رحمۃ اللہ علیہ بتائیے کہ روشنی کہاں گئی پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سوال کا جواب دوں کہ کہاں سے لایا تھا۔ ظاہر ہے اس جواب نے مجھے ششدر کر دیا تھا۔

۲۔ ایک مست آدمی کیچڑ میں لڑکھڑاتا جا رہا تھا، میں نے اس سے کہا کہ قدم جما کے رکھ تاکہ گرے نہیں۔ اس نے کہا اگر میں گر پڑوں گا تو کچھ پرواہ نہیں کہ مست

ہوں۔ کیچڑ میں لت پت بھی ہو گیا تو اُٹھ کر دھولوں گا لیکن رحمۃ اللہ علیہ آپ ثابت قدم رہیں اور گرنے سے ڈریے کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی لغزش سے ساری قوم گر پڑے گی۔ اس جواب نے بھی مجھے لاجواب کر دیا۔

۳۔ ایک دن ایک مخنث سے میں نے اپنا دامن بچایا۔ اس نے کہا آپ دامن نہ بچائیں کیونکہ ہمارا حال ابھی ظاہر نہیں ہوا، خدا جانے انجام کیا ہوگا۔

۴۔ ایک دن ایک عورت ننگے سر اور ننگے منہ غصے میں بھری ہوئی، شوہر کی شکایت لے کر میرے پاس آئی۔ میں نے کہا اب سر اور منہ ڈھانپ لو۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے خاوند کی محبت میں اس قدر سرشار تھی کہ مجھے اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ اگر آپ متوجہ نہ کرتے تو شاید میں اسی حالت میں بازار میں چلی جاتی مگر حضرت صاحب! مجھے تعجب ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ خالق سے دوستی کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور سب کچھ دیکھتے بھی ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی اس بات نے بھی مجھے حیران کر دیا۔

مناجاتِ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مناجات میں فرماتے ہیں:

☆ الٰہی تُو نے مجھے نعمت دی، میں نے شکر نہ کیا۔

☆ الٰہی تُو نے مصیبت بھیجی، میں نے صبر نہ کیا۔

☆ الٰہی میرے شکر نہ کرنے پر تُو نے اپنی نعمت واپس نہیں لی۔

☆ الٰہی میرے صبر نہ کرنے پر تُو نے مصیبت کو ہمیشہ کے لئے مجھ پر مسلط نہ کیا۔

☆ الٰہی تجھ سے فضل و کرم کے علاوہ اور کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔

آپ کے خلفاء

قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ تصوّف کے تمام سلاسل آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وساطت سے آگے بڑھے اور پھلے پھولے۔

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوّف کی تعلیم مکمل کر لینے والے مریدین کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا جو ایک طرح سے مرید کی رُوحانی تعلیم و تربیت پوری ہونے کے بعد پیر و مُرشد کی طرف سے سند کا درجہ رکھتی ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے چھ مشہور خلفاء ہیں جنہوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پوری پوری اتباع کی اور مخلوق کی رہنمائی اور خدمت کر کے خدا کی رضا حاصل کی۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عبدالواحد بن زید بصری رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ خواجہ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ شیخ عتبہ بن غلام رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ خواجہ زید بن زرین رحمۃ اللہ علیہ

۵۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ

۶۔ شیخ محمد واسع رحمۃ اللہ علیہ

وفات سے قبل خواب

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے چند روز قبل کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ ایک پرندہ آسمان سے اُترا اور اس نے مسجد کا ایک کنگرہ اپنی چونچ میں اُٹھا لیا۔ جس شخص نے خواب دیکھا تھا، اس نے اپنا یہ خواب حضرت امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بیان کیا تو

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا چہرۂ مبارک غمزدہ ہوگیا اور ان پر گہری اداسی چھا گئی۔ کچھ دیر بعد امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر تمہارا خواب سچا ہے تو پھر امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جلد وفات پا جائیں گے۔

وفات

یہ خواب اور امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ تعبیر دُرست ثابت ہوئی اور امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ایک ہفتے کے بعد 110ھ بمطابق 728ء کو انتقال کر گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''تذکرۃ الاولیاء'' میں رقمطراز ہیں کہ دمِ مرگ آپ رحمۃ اللہ علیہ مسکراتے ہوئے فرما رہے تھے:

''کون سا گناہ، کون سا گناہ''

اور یہی کہتے کہتے آپ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، پھر کسی بزرگ نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ آپ عالمِ نزع میں مسکرا کیوں رہے تھے اور یہ کیوں فرما رہے تھے کون سا گناہ، کون سا گناہ؟

فرمایا: ''مجھے دمِ نزع یہ آواز آئی کہ اے ملک الموت! سختی سے کام لے کیونکہ ایک گناہ باقی رہ گیا ہے چنانچہ اسی خوشی میں میں دُہرا رہا تھا کہ کون سا گناہ، کون سا گناہ۔''

وفات کی شب کسی نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہیں اور منادی ندا کرتا ہے کہ حسن بصری خدا سے ملے ہیں اور خدا ان سے راضی ہوگیا ہے۔ کہتے ہیں جب حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ اُٹھا تو سارا بصرہ جمع ہوا اور بصرہ کی جامع مسجد میں عصر کی نماز کے لئے ایک نمازی بھی نہ رہا یعنی اس وقت تمام لوگ جنازہ گاہ میں

جنازہ پڑھ رہے تھے۔(۱)

نقل ہے کہ بصرہ کی تاریخ میں آغازِ اسلام سے لے کر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات تک یہ پہلا موقع تھا کہ جامع مسجد میں کسی وقت کی نماز ادا نہ کی جا سکی ہو۔ اس بات سے آپ کی محبوبیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے خیال میں شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو اسی طرح بیان فرمایا ہے جس کی وضاحت ہم نے اُوپر کر دی ہے۔ بعد میں آنے والوں نے اس میں یہ اضافہ کر دیا کہ:

> ''بصرہ کی تاریخ میں آغازِ اسلام سے لے کر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات تک یہ پہلا موقع تھا کہ جامع مسجد میں کسی وقت کی نماز ادا نہ کی جا سکی ہو۔''

ہم شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ سے یہی حسنِ ظن رکھتے ہیں۔

(مؤلف)

مزار شریف

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پُر انوار بصرہ سے نو (۹) میل کے فاصلے پر مغرب کی طرف بمقام زبیر واقع ہے۔ مزار مبارک کا گنبد بنا ہوا ہے۔ روضہ شریف کا دروازہ ہر جمعرات کو کھلتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے ساتھ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مزار مبارک ہے۔

۱۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات شریعتِ اسلام کے عین مطابق تھیں۔ آپ نے فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کے درمیان فرق کو بڑی تفصیل سے واضح فرمایا تھا۔ اس روایت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ ''بصرہ کی جامع مسجد میں عصر کی نماز کے لئے ایک نمازی بھی نہ رہا یعنی اس وقت تمام لوگ جنازہ گاہ میں جنازہ پڑھ رہے تھے۔'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ''بصرہ کی جامع مسجد میں عصر کی نماز کے لئے ایک نمازی بھی نہ رہا (جو نمازِ عصر نہ پڑھ چکا ہو) یعنی اس وقت تمام لوگ (نمازِ عصر پڑھنے کے بعد) جنازہ پڑھ رہے تھے۔''

یہ وہی بزرگ ہیں جو خوابوں کی تعبیر کے امام تھے۔ دونوں مزارات ساتھ ساتھ ہیں اور بڑے قبرستان میں واقع ہیں۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ایک علیحدہ کمرے میں مدفون ہیں جبکہ ان کے بائیں طرف امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک ہے۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال

آپ کی ساری عمر وعظ و نصیحت میں گزری لہٰذا آپ کے اقوال کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے چند ایک آپ کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں:

☆ مسلمانی کتابوں میں ہے اور مسلمان خاک کے نیچے قبروں میں۔

☆ طمع اور لالچ پرہیز گاری کو تباہ کرتا ہے۔

☆ صبر دو طرح کا ہے، ایک مصیبت پر، دوسرے ان چیزوں پر جن سے خدا نے ہمیں منع کیا ہے۔

☆ زُہد خدا کے واسطے ہے، بہشت کی نعمتوں کے لئے نہیں۔

☆ علم نافع ہو، عمل کامل ہو، اخلاص خالص ہو، قناعت پوری ہو، صبر جمیل ہو۔

☆ معرفت وہ ہے جب بندہ اپنے میں ذرّہ برابر نفسانیت اور خصوصیت نہ پائے۔

☆ بہشت جو جاودانی اور دائمی ہے، چند روزہ عمل سے حاصل نہ ہوگی بلکہ یہ نیک نیتی سے حاصل ہوگی۔

☆ فکر آدمی کے واسطے ایک ایسا آئینہ ہے جس میں اس کو اپنی برائیاں اور بھلائیاں نظر آتی ہیں۔

☆ جس کی خاموشی فکر کی وجہ سے نہیں وہ نفسانی خواہش اور غفلت ہے۔

☆ پرہیز گاری کے تین درجے ہیں

اول: حق بات کہی جائے۔

دوم: اپنے اعضاء پر نظر رکھی جائے۔

سوم: ایسے کام کا ارادہ کرے جس میں اللہ تعالیٰ کی مرضی شامل ہو۔

☆ پرہیز گاری ہزار سال کے نماز روزے سے بہتر ہے۔

☆ اعمال میں سب سے بلند و برتر ذکر اور پرہیز گاری ہے۔

☆ غیبت کا کفارہ استغفار ہے۔

☆ آدمی ایک ایسے مکان پر راضی ہوا ہے جس کے حلال کا حساب دینا ہوگا اور جس کے حرام کا عذاب سہنا ہوگا۔

☆ آدمی کسی بھی حال میں ہو، دُنیا سے جاتے ہوئے اس کی تین حسرتیں ہوتی ہیں۔

۱۔ مال جمع کرنے سے مطمئن نہیں تھا یعنی اسے اور زیادہ کی ہوس تھی۔

۲۔ جس چیز کی آرزو تھی وہ نہیں ملی۔

۳۔ اس راستے کا سامان تیار نہیں کیا جو اس کو درپیش تھا۔

☆ جس نے خدا کو پہچانا وہ اس کو دوست رکھتا ہے، جس نے دُنیا کو پہچانا وہ اسے دشمن سمجھتا ہے۔

☆ دُنیا میں کوئی سرکش جانور نفس سے زیادہ سخت، لگام کے لائق نہیں۔

☆ کسی بات کی نصیحت کرنے سے پہلے اس پر خود عمل کرو۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ حضراتِ تابعین میں زُہد و تقویٰ کے اعتبار سے انتہائی بلند مرتبہ کے حامل تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو امامِ طریقت اور نقیبِ اہلِ محبت کہا جاتا تھا۔ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ہدایت کا سرچشمہ، راست بازوں کے پیشوا، عارفوں کے بادشاہ اور راہِ حق کے پیش رو تھے۔ آپ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش کے وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد دینار غلام تھے۔ اگرچہ ظاہری طور پر آپ رحمۃ اللہ علیہ غلام زادے تھے لیکن دونوں جہانوں میں آزاد تھے۔

دینار کی وجہ تسمیہ

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ''تذکرۃ الاولیاء'' میں دینار کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کشتی میں سوار تھے، جب کشتی بیچ دریا میں پہنچی تو ملاح نے کرایہ طلب کر لیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اتفاقاً پیسے نہیں تھے لہٰذا کہا کہ میرے پاس کرایہ نہیں ہے۔ اس پر ملاح نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو شدید زدوکوب کیا جس سے آپ رحمۃ اللہ علیہ نیم جان ہو کر بے ہوش ہو گئے۔ ہوش آنے پر ملاح نے پھر کرایہ مانگا اور انکار پر پیٹنے لگا۔ ساتھ ہی کہنے لگا کہ میں دریا میں پھینک دوں گا۔ ابھی ملاح نے اپنی بات مکمل بھی نہ کی تھی کہ خدا کی قدرت سے دریا کی مچھلیاں پانی کی سطح پر نمودار ہوئیں، ہر مچھلی کے منہ میں دینار تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ہاتھ بڑھا کر ایک مچھلی سے دینار لیا اور ملاح کو دے دیا۔ ملاح نے یہ سارا ماجرا دیکھا تو بہت پشیمان ہوا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں پر گر کر معافی مانگنے لگا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کچھ نہ کہا اور خاموشی سے دریا کی سطح پر پاؤں رکھا اور پانی پر چلتے ہوئے غائب ہو گئے۔ اسی سبب سے آپ مالک دینار کے نام سے موسوم ہوئے۔(۱)

۱۔ تاریخ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا اصل نام بتانے سے قاصر ہے۔ اس واقعہ سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا نام دینار نہیں تھا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ ''مالک بن دینار'' نہیں بلکہ ''مالک دینار'' کے نام سے جانے جاتے تھے۔ چونکہ اب آپ رحمۃ اللہ علیہ مالک بن دینار کے نام سے ہی مشہور ہیں لہٰذا ہم اس کتاب میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ اسی نام سے کریں گے۔ (مؤلف)

جامع مسجد دمشق کے متولی

مشہور واقعہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ دمشق میں مقیم تھے اور وہاں کی جامع مسجد میں اکثر اعتکاف کیا کرتے تھے۔ اس مسجد کو مشہور صحابی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تعمیر کروایا تھا اور اس مسجد کے ساتھ بڑی جائیداد وقف کی تھی۔ اسی دوران آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں خیال آیا کہ ایسا کام کروں کہ لوگ مجھے اس مسجد کا متولی بنا دیں اور تمام مال میرے ہاتھ لگ جائے چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد میں اعتکاف پر اعتکاف شروع کر دیا اور ایک سال تک اس میں مشغول رہے۔ جب بھی کوئی مسجد میں آتا، آپ رحمۃ اللہ علیہ کو نماز میں مشغول دیکھتا۔ ایک سال بعد آپ گھومنے کے لئے مسجد سے باہر نکلے تو آواز آئی:

"اے مالک رحمۃ اللہ علیہ! تجھے کیا ہو گیا ہے، تُو توبہ کیوں نہیں کرتا۔"

آپ رحمۃ اللہ علیہ یہ آواز سُن کر حیران ہو گئے اور مسجد میں واپس آ کر دل میں کہنے لگے کہ میں نے پورے ایک سال خدا کی عبادت ریاکاری اور منافقت سے کی، اب بہتری اسی میں ہے کہ اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کی جائے۔

اسی رات آپ نے نہایت صاف دلی اور نیک نیّتی سے عبادت کی تو دوسرے دن مسجد کے دروازے پر لوگ اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے کہ مسجد کا سارا انتظام بگڑا ہوا ہے، بہتر ہے کہ اسے کسی کے حوالے کیا جائے، کسی کو اس کا متولی بنا دیا جائے۔ پھر سب لوگ اس بات پر متفق ہو گئے کہ اس کام کے لئے "مالک رحمۃ اللہ علیہ" نہایت موزوں آدمی ہیں۔ یہ سب آپ کے پاس آئے اور درخواست کی کہ مسجد کی تولیت قبول کریں۔ یہ سُن کر حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اللہ سے کہا کہ میں نے مسجد کی تولیت کے لئے سال بھر عبادت کی لیکن کسی نے میری طرف نگاہ تک نہ کی، اب جو دل سے تیری عبادت میں مصروف ہوا ہوں تو بیس آدمی آ گئے ہیں تاکہ یہ زنجیر میرے گلے میں ڈال دیں۔ اب تو میں ہرگز مسجد کا متولی نہ

بنوں گا۔ یہ کہہ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ مسجد سے باہر چلے آئے اور پھر واپس اس مسجد میں نہ گئے۔

ترکِ دنیا

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ تذکرۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ بصرہ میں ایک دولت مند شخص مر گیا جو اپنے پیچھے کافی مال و دولت چھوڑ گیا۔ اس کی ایک نہایت خوبصورت بیٹی تھی جو اس جائیداد، مال و اسباب اور ترکے کی وارث بنی۔ ایک دن وہ خود حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئی اور درخواست کی کہ میری شادی مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے کروا دیں تاکہ میں مذہبی کاموں میں ان کی مدد کر سکوں، لڑکی کا پیغام لے کر حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے اور انہیں اس خوبصورت لڑکی کے دلی جذبات سے آگاہ کیا۔ آپ نے پہلے حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کی باتوں کو بڑے غور سے سنا پھر فرمایا کہ میں دنیا کو تین طلاقیں دے چکا ہوں، چونکہ عورت بھی دنیا ہی میں شمار ہوتی ہے لہٰذا طلاق شدہ سے شادی کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کو انکار کر دیا۔

حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

تمام تذکروں میں یہ واقعہ خود حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے ملاقات کی غرض سے گیا تو میں نے دیکھا کہ ان کے پاس ایک بوسیدہ چٹائی ہے جس پر اینٹ کا تکیہ بنا کر وہ آرام فرماتی ہیں۔ مٹی کا ایک ٹوٹا ہوا لوٹا ہے جس سے وہ پانی پیتی ہیں اور وضو بھی کرتی ہیں۔ یہ کسمپرسی دیکھ کر میں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے کہا کہ بہت سے امیر لوگ میرے جاننے والے ہیں، اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے لئے کچھ طلب کروں۔ میری بات

سن کر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے مجھ سے سوال کیا:

''مالک! کیا تمہیں، مجھے اور ان دولتمندوں کو روزی دینے والی ذات ایک ہی نہیں ہے؟''

میں نے عرض کیا:

''جی ہاں ہم سب کو رزق دینے والا باری تعالیٰ ہی ہے۔''

اس پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا:

''تو پھر کیا اس ذات نے ہم درویشوں کو ہماری غربت کے باعث فراموش کر دیا ہے اور صرف دولتمندوں کو رزق دینا ہی اسے یاد رہ گیا ہے۔''

میں نے کہا:

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔''

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے ارشاد فرمایا:

''جب وہ ذاتِ باری تعالیٰ ہر بات جانتا ہے تو پھر ہمیں کسی اور کے آگے ہاتھ پھیلانے کی کیا ضرورت ہے، ہمیں اس کی رضا میں ہی راضی رہنا چاہیے۔''

حسنِ سلوک

ایک مرتبہ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے ایک یہودی کے پڑوس میں مکان کرائے پر لے لیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا حجرہ اس یہودی کے مکان کے دروازے کے ٹھیک سامنے تھا۔ اس نے ایک پرنالہ بنایا ہوا تھا جس کے ذریعے وہ چھت سے نجاست آپ کے گھر پھینکا کرتا تھا۔ اس طرح آپ کی نماز والی جگہ ناپاک ہو جایا کرتی تھی۔ وہ مدّتِ دراز تک ایسا

کرتا رہا۔ مگر مجال ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اُف تک بھی کی ہو یا کوئی گلہ شکوہ ہی کیا ہو۔

عرصہ دراز گزرنے کے بعد ایک دن وہ یہودی حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

''آپ کو میرے پرنالے سے کوئی تکلیف تو نہیں۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ہے تو سہی مگر میں نجاست کو جھاڑو سے صاف کر کے پانی سے دھولیا کرتا ہوں۔''

یہ سن کر یہودی بولا:

''آپ اس قدر تکلیف کیوں گوارا کرتے رہے ہیں؟''

فرمایا:

''وہ اس لئے کہ ہمارے ربّ کا فرمان ہے کہ جو لوگ غم کھاتے ہیں، غصے کو پیتے ہیں اور لوگوں کی خطائیں معاف کرتے ہیں ان کو اجر و ثواب ملے گا۔''(۱)

یہودی یہ سُن کر بولا:

''آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بہت اچھا ہے کہ خدا کی خاطر دشمن سے تکلیف اُٹھائیں، فریاد بھی نہ کریں اور صبر سے کام لیں۔ یہودی آپ کا حسنِ سلوک دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔''

۱۔قرآن مجید میں ہے: (اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ) ترجمہ: ''جو لوگ خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں اور تکلیف میں اور پی جاتے ہیں غصہ، اور معاف کر دیتے ہیں لوگوں کو، اور اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو۔''

(سورۃ آل عمران، آیت: 134)

نفس کشی

تذکرۃ الاولیاء میں مرقوم ہے کہ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کئی کئی سال تک کوئی میٹھی یا ترش چیز نہیں کھاتے تھے۔ آپ عموماً دن بھر روزہ رکھتے اور شام کو نان بائی سے گرم روٹی لے کر روزہ افطار کیا کرتے۔ ایک بار بیمار ہوئے تو دل میں گوشت کھانے کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔ آپ نے اس خواہش کو دبا دیا اور صبر کیا۔ آخر جب بہت جی چاہا تو سری پائے بیچنے والے کے پاس گئے اور اس سے سالن لیا جس میں بوٹیاں تھیں۔ سالن لے کر ایک ویران مقام پر پہنچے، سالن کو دیکھا اور تین بار سونگھا، پھر فرمایا! اے نفس! اس سے زیادہ تیرا حصّہ نہیں ہے۔ پھر آپ نے روٹی اور سالن فقیر کو دے دیا۔ اسی طرح چالیس برس بصرہ میں رہنے کے باوجود آپ نے کبھی کھجور نہیں کھائی۔ ایک بار دل بہت للچایا مگر آپ نے دل کی ایک نہ سنی۔ رات خواب میں بشارت ہوئی کہ کھجور کھالے، پھر بھی آپ نے نفس مارنے کے لئے متواتر دو دن اور دو رات کچھ نہ کھایا۔ اس کے بعد کھجوریں خریدیں اور مسجد میں گئے تاکہ وہاں کھجوریں کھائیں۔ ابھی آپ نے کھجوریں کھائیں بھی نہ تھیں کہ ایک لڑکا اپنے باپ سے کہنے لگا کہ مسجد میں ایک یہودی گھس آیا ہے۔ باپ لاٹھی لے کر آپ کی طرف دوڑا، قریب پہنچ کر آپ کو پہچان لیا اور یہ کہہ کر معافی مانگی کہ چونکہ یہاں کے لوگ دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور صرف یہودی ہی دن کو کھاتے پیتے ہیں لہٰذا بچے نے نادانی کی وجہ سے آپ کو یہودی کہہ دیا، آپ اسے معاف کردیں۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے یہ گفتگو سن کر فرمایا کہ لڑکے کی زبان غیبی زبان ہے۔ پھر خدا سے مخاطب ہو کر کہنے لگے:

> ''اے خدا! میں نے تو ابھی کھجوریں کھائی بھی نہ تھیں کہ ایک معصوم کی زبان سے مجھے یہودی کہلوا دیا اور اگر میں کھالیتا تو نہ جانے میرا کیا حشر ہوتا، اے اللہ! میں اپنی خواہشات پر قابو رکھوں گا اور کھجوریں ہرگز نہ کھاؤں گا۔''

وفات

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ بیمار پڑے تو پھر زیادہ نہ جیئے۔ ایک روایت کے مطابق آپ کا انتقال 130ھ میں ہوا جبکہ طبقاتِ شعرانی کے مطابق آپ 131ھ میں فوت ہوئے۔ شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ''تذکرۃ الاولیاء'' میں نقل کیا ہے کہ ایک بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ خدا نے آپ سے کیا برتاؤ کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنی گنہگاری کے باوجود اللہ کو دیکھا اور میں اس کے ساتھ جو اچھی امید رکھتا تھا اس کی وجہ سے اس نے میری ساری خطائیں معاف فرما دیں۔ اسی طرح ایک اور بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ قیامت آ گئی ہے اور فرشتے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کو بہشت میں لے جا رہے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال

☆ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رحمت ظاہر ہو اور مجھے سوتا ہوا پائے۔

☆ میں نعمتیں تو خدا کی دی ہوئی کھاتا ہوں اور فرماں برداری شیطان کی کرتا ہوں۔

☆ ہم ''ایاك نعبد'' پڑھتے ہیں مگر اپنے نفس کو پوج رہے ہیں۔ ''وایاك نستعین'' پڑھتے ہیں لیکن پھر اس کے سامنے لوگوں کا شکر یا شکایت کرتے ہیں۔

☆ جو کچھ تم چاہو کرو مگر اس قدر کہ قیامت کے دن حساب نہ ہو۔

☆ میرے نزدیک سب سے بہترین عمل اخلاص ہے۔

☆ ہر وقت خدا کی کارسازی پر راضی رہو۔

☆ ایسے دوست کی صحبت سے بچو جس سے آخرت کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔

☆ اس دُنیا سے پرہیز کرو کیونکہ یہ عالموں تک کو اپنے تابع کر لیتی ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ جن کی جلالت وعظمت کا اعتراف مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اسطرح کیا ہے:

ہفت سہر عشق را عطار گشت
ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

جن کی تعریف میں عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ اور نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے نابغۂ روزگار رطب اللسان رہے اور جن کی کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

''حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ دین ودیانت کے تاج، زہد وہدایت کی شمع، عالموں کے شیخ، بزرگانِ دین کی درگاہوں کے دربان اور سچے پیشوا تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو لوگ امیر المومنین فی الحدیث کہا کرتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بھر کسی سے اختلاف نہیں کیا۔ آپ کو ظاہری اور باطنی علوم میں دستگاہ حاصل تھی اور آپ بے مثل سمجھے جاتے تھے۔ آپ کا تقویٰ درجہ کمال کا تھا اور تواضع آپ کی عین فطرت تھی۔ آپ بڑے بڑے بزرگوں کے صحبت یافتہ تھے۔ آپ شروع سے آخر تک ایک ہی حالت میں رہے، آپ کے مزاج میں ذرا بھی تغیر و تبدّل نہیں ہوا۔''

مادرزادولی

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ شکمِ مادر ہی سے پرہیزگار تھے۔ آپ ابھی رحمِ مادر ہی میں تھے کہ آپ کی والدہ کوٹھے پر گئیں اور ساتھ کی چھت پر پڑے ہوئے اچار کے مرتبان سے انگلی بھر ترشی چاٹ لی، اس کا چاٹنا تھا کہ آپ رحمِ مادر میں بے چین ہو گئے، آپ کی والدہ تاڑ گئیں، اسی وقت پڑوسن کے پاس تشریف لے گئیں اور معافی مانگی، تب کہیں جا کے حضرت کو سکون ملا۔

ثوری کی وجہ تسمیہ

ایک مرتبہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حالت بے خبری میں مسجد میں پہلے بایاں قدم رکھ دیا، اسی وقت آواز آئی:

"اے ثور ثوری! یہ گاؤدی پن یہاں مت کر۔"

آپ نے یہ ندا سنی تو بے ہوش ہو گئے، جب افاقہ ہوا تو آپ نے اپنی داڑھی پکڑ کر اپنے منہ پر کئی تھپڑ مارے اور ساتھ یہ کہتے جاتے تھے کہ تُو نے کیوں مسجد میں ادب کے ساتھ قدم نہ رکھا۔ دیکھ آج سے تیرا نام انسانوں کے دفتر سے کاٹ ڈالا گیا ہے، اب ہوش میں رہ اور پھر کبھی اس طرح مسجد میں قدم نہ رکھنا۔ شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی دن سے آپ کو ثوری کہا جانے لگا۔ تذکرۃ الاولیاء میں ہی اس طرح کا ایک اور واقعہ بھی مذکور ہے(۱) کہ ایک مرتبہ آپ کا قدم مبارک کسی شخص کے کھیت پر پڑ گیا، اسی وقت آپ نے ندا سنی کہ:

۱۔ یہ ایک الگ واقعہ ہے۔ موضوع سے مطابقت کی بنا پر اسے یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔ "ثوری کی وجہ تسمیہ" اس سے پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ (مؤلف)

''ثور! ذرا دیکھ کے پاؤں رکھ۔''

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جس شخص کے ایک قدم غلط چلنے پر اللہ کی گہری نظر ہو، اس شخص کے باطن کا کیا حال ہوگا، ظاہر ہے وہ نور علی نور ہوگا۔''

قبولیت:

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ بیس برس تک رات کو آپ کبھی نہیں سوئے بلکہ یادِ الٰہی میں مصروف شب بیداری فرماتے رہے، اس وجہ سے آپ کو بارگاہِ الٰہی میں تقرب حاصل ہو گیا، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ خلیفۂ وقت نے نماز کے دوران بار بار اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ اتفاق سے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر بادشاہ پر پڑ گئی، نماز کے بعد آپ نے خلیفہ سے کہا کہ اس طرح کی نماز، نماز نہیں ہوتی اور قیامت کے دن ایسی نماز ناپاک گیند کی طرح منہ پر ماردی جائے گی۔ خلیفہ کو یہ بات ناگوار گزری اور کہا:

''آہستہ بول''

آپ نے فرمایا:

''اگر میں ایسی ضروری بات پر خاموش رہوں تو یہ بزدلی ہوگی اور میں حق بات کہنے میں نہیں ڈرتا۔''

خلیفہ اس بات پر بہت ناراض ہوا اور حکم دیا کہ:

''اس شخص کو سُولی پر چڑھادیا جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔''

سُولی چڑھائے جانے والے دن آپ نے کہا:

''مجھ کو اپنی جان عزیز نہیں لیکن احکامِ شریعت کے ادا کرنے کا حق مجھ

پر واجب ہے، میں کسی صورت اس سے پہلوتہی نہیں کر سکتا، پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی اور کہا اے خدا! ان کو پکڑ اور ان کو گھیر لے۔"

اسی وقت ایک تڑاخے کی آواز آئی اور بادشاہ اور اس کے ساتھیوں پر محل کی چھت گر پڑی اور وہ سب دب کر مر گئے۔ دیکھنے سننے والوں نے کہا کہ ہم نے اتنی جلدی کبھی دُعا قبول ہوتے نہیں دیکھی۔

طبیب کا قبولِ اسلام

اس واقعہ کے بعد جب خلیفہ تخت نشین ہوا، وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا بے حد معتقد تھا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بے حد تعظیم و تکریم کیا کرتا تھا۔ اتفاق سے ایک بار آپ رحمۃ اللہ علیہ بیمار پڑ گئے، خلیفہ کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے ایک حاذق حکیم کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس علاج کے لئے بھیجا۔ وہ آتش پرست تھا، اس نے جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کا قارورہ (پیشاب) دیکھا تو کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی خدا پرست شخص ہے اور خوف خدا سے اس کا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مثانے کے راستے باہر آ رہا ہے۔ بعد ازاں وہ آتش پرست طبیب آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اعلیٰ اخلاق کی بدولت مسلمان ہو گیا۔ خلیفہ نے جب یہ سنا تو کہا کہ میں نے تو پہلے یہ سمجھا تھا کہ طبیب کو بیمار کے پاس بھیجتا ہوں، اب معلوم ہوا ہے کہ خود بیمار کو طبیب کے پاس بھیجا کرتا تھا۔

آہ کے عوض حج

ایک نوجوان آدمی کسی وجہ سے حج پر نہ جا سکا جس کا اس کو شدید قلق اور رنج تھا۔ اس نے مایوسی کی عالم میں ایک آہ بھری۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:"

میں نے چار حج کیے ہیں، ان کا ثواب میں تمہاری نذر کرتا ہوں، اس کے عوض اپنی یہ آہ مجھے دے دو۔"

اس نوجوان نے کہا:

"آہ میں نے آپ کو دی۔"

اسی رات کو حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں ایک ندا سنی کہ

"اے سفیان! تو نے ایسا نفع حاصل کیا کہ اگر اس کو سارے اہلِ عرفات میں تقسیم کیا جائے تو سب کے سب تونگر ہو جائیں۔"

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

ایک بار حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، عبدالواحد عامر رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی بیمار پُرسی کو گئے، دونوں حدِ ادب کی وجہ سے خاموش تھے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ کوئی بات کریں، چنانچہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ:

"دعا کریں اللہ تعالیٰ آپ کی تکلیف دُور فرمائے۔"

حضرت بی بی رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے یہ سُن کر ان کی طرف دیکھا اور کہا

"اے سفیان رحمۃ اللہ علیہ! کیا آپ رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم نہیں کہ مجھ پر یہ بیماری خدا ہی کے حکم سے آئی ہے۔"

تب حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"آپ دُرست فرماتی ہیں۔"

یہ سُن کر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا کہ:

"جب آپ جانتے ہیں تو کیوں فرماتے ہیں کہ میں خدا سے

درخواست کروں اور کیا یہ اس کی مرضی کے خلاف نہ ہوگا؟ اور کہا ایک دوست کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ دوست کی مرضی کے خلاف کرے؟۔“

پھر حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ:

”آپ کو کسی چیز کی حاجت ہو تو بتائیں۔“

یہ سُن کر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا:

”آپ تو صاحب علم ہیں، کیوں ایسی بات کرتے ہیں، دیکھیے بارہ برس سے میرا دل تازہ خُرما کھانے کو چاہتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ بصرہ میں خُرمے کیسے سستے اور عام ہیں لیکن میں نے اب تک نہیں کھائے ہیں، اس لئے کہ میں غلام ہوں اور غلام کو آرزو سے کیا کام، اور ظاہر ہے جس چیز کو میرا خدا نہیں چاہتا لہٰذا اگر میں چاہوں تو غلط ہوگا۔“

ترکِ دُنیا

ایک دن حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پاس آئے اور ہاتھ اُٹھا کر یہ دُعا کرنے لگے:

”اے خدا میں تمام برائیوں سے تیری سلامتی طلب کرتا ہوں۔“

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے جب یہ سنا تو رونے لگیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے رونے کی وجہ دریافت کی تو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے جواب دیا:

”تم نے مجھے رُلا دیا۔“

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا:

''وہ کیسے؟''

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے جواب دیا:

''کیا تم نہیں جانتے کہ دُنیا میں سلامتی اس (دُنیا) کے ترک کرنے میں ہے اور تم اس میں آلودہ ہونا چاہتے ہو۔''

قُربِ خداوندی

ایک بار حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے دریافت کیا کہ:

''وہ کون سی بہترین چیز یا عمل ہے جس سے بندہ خداوند تعالیٰ کا قُرب تلاش کر سکے؟''

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے فرمایا:

''وہ یہ کہ بندہ دُنیا و آخرت میں سوائے اس کے کسی کو دوست نہ رکھے۔''

شکرانے کے روزے

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی مجالس میں سب سے زیادہ حاضر ہونے والے بزرگ تھے۔ آپ ان سے سوالات پوچھتے اور ان کے ساتھ بحث و تمحیص کرتے۔ آپ نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو ''مودبہ'' کا لقب دے رکھا تھا اور جب آپ ضرورت محسوس کرتے تو دوستوں کے ساتھ آپ کی محفل میں حاضر ہو جاتے۔ خود آپ کا فرمانا تھا کہ مجھے ان کی باتوں کے بغیر چین نہیں آتا۔ حضرت سفیان

ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہی مروی ہے کہ ایک رات میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پاس تھا ہم دونوں صبح تک نماز میں مشغول رہے۔ صبح ہوتے ہی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا ہمیں آج کے دن ان شبینہ طویل نمازوں کے لئے شکرانے کے طور پر روزہ رکھنا چاہیے۔

دُنیا پر افسوس

ایک دن حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی مجلس میں بیٹھے مذمّتِ دُنیا میں حصہ لے رہے تھے، کہنے لگے:

''دُنیا پر افسوس ہے۔''

ابھی وہ بات پوری کرنے نہ پائے تھے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بولیں:

''جھوٹ مت بول، کہہ مجھے دُنیا پر کس قدر کم افسوس ہے کیونکہ اگر تجھے دُنیا پر افسوس ہوتا تو عیش ونشاط کی زندگی بسر نہ کرتا۔''

تبصرہ

جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے ہمیں معلوم ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ دُنیا دار بندے نہ تھے لیکن وہ شادی شدہ تھے، بال بچے دار تھے اور لوگوں سے رابطے میں رہتے تھے اور ان کو وعظ ونصیحت کیا کرتے تھے۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا چونکہ عشقِ حقیقی کے بلند مقام پر فائز تھیں اور خود مجرّد اور ترکِ دُنیا کی زندگی بسر کرتی تھیں اور اپنے رُفقاء سے بھی یہی چاہتی تھیں کہ وہ بھی دُنیا چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کی فکر نہ کریں، اس وجہ سے انہیں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ ونصیحت اور لوگوں سے ربط، دُنیا داری معلوم ہوتا تھا۔

امانت

تذکرۃ الاولیاء میں مذکور ہے:

''حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی عزیز بخارا میں رہائش پذیر تھا، جب وہ مر گیا تو وہاں کے علماء نے اس کا مال و دولت بطور امانت اپنے پاس رکھ کر حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع کی۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بخارا کا قصد کیا۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ بخارا کے قریب پہنچے تو اہلِ بخارا دریائے جیحوں کے کنارے تک آپ رحمۃ اللہ علیہ کے استقبال کو حاضر ہوئے اور عزّت واحترام کے ساتھ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو شہر میں لے گئے۔ وہ رقم جو بطور امانت محفوظ تھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کی۔ اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر مبارک 18 سال تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ساری عمر اس امانت کو بڑی حفاظت سے اپنے سرہانے رکھا اور اس میں سے ایک پیسہ بھی (اپنی ذات پر) خرچ نہ کیا۔''

بیماری اور طہارت

آپ رحمۃ اللہ علیہ بصرہ میں تھے کہ بیمار پڑ گئے۔ پیٹ میں شدید درد تھا اور پیچش کی تکلیف تھی مگر اس پر بھی ایک لمحہ آرام نہ کرتے تھے اور برابر عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ اس شب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ساٹھ (60) مرتبہ وضو کیا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو تکلیف ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ تیمم کر لیا کریں مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی جواب دیا کہ میں نہیں چاہتا کہ جب ملک الموت آئے تو میں پاک نہ ہوں۔ کیونکہ کوئی پلید اور ناپاک شخص اللہ کی بارگاہ میں رسائی نہیں پاسکتا اور نہ اس کا رُخ منجانب اللہ ہوسکتا ہے۔

وفات

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت قریب پہنچا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ روئے اور فرمایا کہ میں تو موت کی آرزو کیا کرتا تھا لیکن اب جو میں نے اس کو دیکھا تو جانا کہ وہ بہت سخت ہے۔ کاش یہ سفر یوں ہوتا کہ میں لاٹھی ٹیکتا ہوا ایک سیدھی گلی میں چلا جاتا لیکن خدائے عزّ وجل کے نزدیک جانا کوئی آسان کام نہیں، اس وقت حضرت عبداللہ مہدی رحمۃ اللہ علیہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موجود تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ میرا منہ زمین پر رکھ دو کیونکہ میری موت قریب آرہی ہے۔ حضرت عبداللہ مہدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی کیا اور باہر آئے تاکہ لوگوں کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خبر دیں لیکن جب باہر آکر دیکھا تو تمام لوگ پہلے ہی جمع تھے جو اندر آگئے، اس وقت حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی حالت نہایت خراب تھی لیکن آپ کے حواس قائم تھے، آپ نے ایک دم اپنا ہاتھ بڑھا کر تکیے کے نیچے سے ہزار دینار کی تھیلی نکالی اور کہا کہ اسے صدقہ کر دو۔ لوگوں نے کہا سبحان اللہ! آپ تو ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ دینار جمع نہ کرنے چاہییں اور خود اس قدر زر رکھتے تھے۔ یہ سُن کر حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے 18 سال کی عمر میں ورثے میں یہ رقم ملی تھی۔ یہ زر میرے دین کا چوکیدار تھا، میں نے اس سے اپنے دین کو بچایا ہے۔ اسی کی وجہ سے شیطان مجھ پر غالب نہ آسکا کیونکہ وہ جب بھی پاس آکر وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرتا کہ آج کھائے گا کہاں سے اور پیئے گا کہاں سے لہٰذا کھا۔ میں جواب دیتا: یہ زر ہے نا۔ اگر وہ کہتا کہ تیرے پاس کچھ نہیں ہے تو میں کہتا تھا یہ زر رکھا ہے۔ اس طرح میں اس کے وسوسے دُور کرتا۔ مجھے اس رقم کی کبھی حاجت نہ رہی اور نہ ہی میں نے اس میں سے کچھ خرچ کیا۔ اس کے ساتھ ہی آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کلمہ طیبہ پڑھا اور راہی ملکِ عدم ہو گئے۔

مَاتَ الوَرع

جس رات آپ نے وفات پائی، اس رات غیب سے یہ آواز آئی کہ ''مات الورع'' یعنی پرہیز گاری کا خاتمہ ہوا، پرہیز گاری وفات پاگئی۔ آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ قبر کی تنہائی اور وحشت میں کس طرح صبر کیا؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری قبر کو بہشت کے سبزہ زاروں میں سے ایک سبزہ زار بنا دیا ہے۔ آپ کی وفات پر ایک اور واقعہ بھی پیش آیا جو تقریباً تمام تذکروں میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ لے جایا جارہا تھا تو ایک چڑیا جس کو کبھی آپ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا اور جو آپ سے کافی مانوس تھی، وہ جنازے کے ساتھ ساتھ نہایت بے چینی سے اُڑتی اور چیختی جاتی تھی اور جنازے پر لوٹتی تھی۔ اس کا حال دیکھ کر لوگ ہائے ہائے کر کے روتے تھے۔ دفن کے بعد بھی وہ قبر پر بے چین ہو ہو کر گرتی تھی۔ کہتے ہیں کہ قبر سے آواز آئی کہ اللہ تعالیٰ نے سفیان ثوری کو اس پرندے پر شفقت کے صلے میں بخش دیا ہے۔

اقوالِ زرّیں

☆ میں نے کوئی ایسی حدیث نہیں سنی جس پر میں نے عمل نہ کیا ہو۔

☆ اے حدیث کے جاننے والو! حدیث کی زکوٰۃ دو۔ استفسار پر فرمایا کہ حدیث کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دوسو حدیثوں میں سے پانچ پر عمل ضرور کرو۔

☆ اگر ایک سال میں آنکھ سے ایک بوند پانی نکلے اور وہ خدا کے واسطے ہو تو وہی کافی ہے۔

☆ عمل پر پرہیز کرنا مشکل تر ہے عمل سے۔

☆ زاہد وہ ہے جو دُنیا میں اپنے زُہد کو عمل میں لاتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ جس کا زُہد زبانی ہو، اس کو زاہد نہ کہنا چاہیے۔

☆ زُہد ٹاٹ کا لباس پہننا اور جَو کی روٹی کھانا نہیں بلکہ دل کا دُنیا سے نہ باندھنا اور درازیٔ امید کو تاہ کرنا ہے۔

☆ سب سے بہتر سلطان وہ ہے جو عالموں کی صحبت میں بیٹھے اور ان سے علم سیکھے اور سب سے بدتر عالم وہ ہے جو سلطانوں کی صحبت میں بیٹھے۔

☆ جو اپنے آپ کو دوسروں سے افضل سمجھے وہ متکبّر ہے۔

☆ نیک خصلتی اللہ کے غصّے کو ٹھنڈا کرتی ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"آپ دین و دنیا کے بادشاہ، ردائے یقین کے شہباز، عالم انتہائی کے ماہر اسرار، دولت دینوی کے سرمایہ دار یعنی حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے میں سب سے زیادہ متقی اور صدیق تھے۔ آپ اپنے دَور کے عظیم ولی، مقرّب بارگاہِ ربُّ العزّت، تارکِ بادشاہتِ دُنیا، مصدّق و متوکّل علی اللہ اور فنا فی اللہ بزرگ تھے۔ آپ کو بہت سے بزرگانِ عظام سے شرفِ نیاز حاصل تھا۔ عام طور پر آپ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں زیادہ رہا کرتے تھے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ گروہِ فقراء کے تمام علوم کی کُنجی حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔"

ولادت

روایت ہے کہ 179ھ میں بلخ شہر میں حضرت ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے گھر آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اور آپ کا نام ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ رکھا گیا۔ آپ حُسن و جمال میں اپنی والدہ کا پَرتو تھے جو کہ ایک شہزادی تھیں۔

حسب ونسب

آپ کا نام ابراہیم اور کنیت ابو اسحاق تھی۔ آپ کا نسب پانچ واسطوں سے امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے:

"ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ بن ناصر بلخی رحمۃ اللہ علیہ بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ بن امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ"

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم

حضرت سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے لختِ جگر حضرت ادھم رحمۃ اللہ علیہ زمرۂ اولیاء میں شامل تھے۔ آپ نے ریاضت و عبادت میں مرتبۂ جلیلہ حاصل کیا۔ آپ نے جذب کی حالت میں سیاحی (سیاحت) شروع کی اور بادیہ پیمائی کرتے ہوئے بلخ پہنچ گئے اور بیرونی آبادی کی ایک گزرگاہ کے ساتھ ایک چلہ گاہ بنا کر وہیں شب و روز مجاہدہ میں مشغول ہوگئے۔

عشقِ مجازی

ایک دن سلطان کی شاہی سواری بڑی شان کے ساتھ سڑک سے گزر رہی تھی کہ حضرت ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی نظر جلوس میں شامل شہزادی کے جمالِ جہاں آراء پر پڑی اور آپ فوراً

اس پر فریفتہ ہو گئے۔ ہر چند توبہ استغفار کی اور شہزادی کا خیال دل سے بھلانے کی کوشش کی مگر شہزادی کی محبت دل میں گھر کر چکی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ بے چین ہو کر فوراً بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور نہایت سادگی سے شہزادی کے ساتھ عقد کا پیغام دے دیا۔ بادشاہ ان کی قلندرانہ سادگی اور بے ساختگی سے مرعوب ہو گیا، نہ انکار کر سکا اور نہ ہی بُرا منا سکا۔ لیکن کہا کہ میں مشورہ کر کے جوب دوں گا، آپ رحمۃ اللہ علیہ کسی روز پھر تکلیف کیجئے گا۔ بادشاہ نے وزیرِ مملکت سے مشورہ کیا۔ وزیر نے کہا شاہی خزانے میں ایک مروارید لاثانی موجود ہے، اگر قلندر دوبارہ آئے تو اس کو حکم دیں کہ شہزادی سے شادی کی شرط یہ ہے کہ اس قسم کا دوسرا مروارید شہزادی کے حق مہر کے لئے پیش کیا جائے۔ چند روز بعد جب حضرت ادھم رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ کے یہاں پہنچے تو اس نے وہ بیش بہا مروارید آپ کو دکھا کر کہا کہ شہزادی کے حق مہر کے لئے ایسا ہی مروارید لے آئیں تو شہزادی کو آپ کے ساتھ بیاہ کے رُخصت کر دیا جائے گا۔ آپ نے ان کی یہ شرط قبول کر لی اور مروارید کی تلاش میں چل نکلے۔ کئی ماہ کی تلاش بسیار کے بعد بھی آپ کو کامیابی نہ ہوئی۔ آپ بہت مایوس ہو گئے اور ایک دریا کے کنارے کھڑے ہو کر آپ نے سوچا کہ ایسا مروارید ملنا تو بہت مشکل ہے لہٰذا شہزادی کا ملنا بھی ناممکن ہے اور اس کے بغیر زندگی فضول اور بیکار ہے لہٰذا اس سے بہتر ہے کہ دریا میں کود کر خودکشی کر لی جائے۔ یہ خیال اس قدر شدید تھا کہ آپ دریا میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہو گئے۔

اِدھر یہ ذہنی حالت تھی، اُدھر دریائے رحمت کو جوش آیا، قدرت کو ان کی حرام موت منظور نہ تھی، خدا کے حکم سے حضرت خضر علیہ السلام نمودار ہوئے اور انہوں نے شیخ ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا بازو پکڑ لیا اور کہا:

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط

(سورۃ الزمر 39، آیت 53)

یہ کیا کر رہے ہو، صرف ایک مروارید کے لئے اپنی جان ہلاکت میں ڈالتے ہو، لو یہ گیارہ مروارید ہیں جو تمہارے بادشاہ کے مروارید سے کہیں بہتر و بیش قیمت ہیں۔ حضرت ادھم رحمۃ اللہ علیہ اس عطیہ خداوندی پر سجدۂ شکر بجالائے اور مطمئن و مسرور واپس بلخ آئے اور ساتھ ہی مروارید کے گیارہ دانے ملنے کی اطلاع بادشاہ کو دے دی۔

وزیر نے پھر بادشاہ کو ورغلایا اور کہا کہ جس وقت ادھم رحمۃ اللہ علیہ حاضر ہو آپ اس کو میرے پاس بھیج دیں۔ چنانچہ جب حضرت ادھم رحمۃ اللہ علیہ آئے تو ان کو وزیر سے ملنے کی ہدایت کی گئی۔ آپ وزیر کے پاس پہنچے تو اس نے نہایت بے دردی سے وہ گیارہ دانے مروارید حضرت ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے چھین لئے بلکہ زدوکوب کر کے شہر بدر کر دیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ شہزادی بیمار ہو گئی۔ اس پر سکتے کے دَورے پڑنے لگے۔ حکماء اور اطباء علاج سے قاصر ہو گئے۔ ایک دن شدید دَورہ پڑا کہ تمام شاہی محلات میں کہرام مچ گیا۔ صبح سے شام تک شہزادی کو سانس نہیں آیا۔ معالجین نے مریضہ کی موت کا اعلان کر دیا۔ تجہیز و تکفین کا بندوبست ہوا۔ ادھر جب حضرت ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو شہزادی کے انتقال کی خبر ملی تو وہ سرد آہ بھر کر شہر کی طرف چلے، راستے میں جنازہ آتا نظر آیا آپ مجمع کو چیرتے ہوئے تابوت تک پہنچ گئے اور قبرستان تک تابوت سے جدا نہ ہوئے۔ بعد از دفن جب سارا مجمع رُخصت ہو گیا اور قبرستان کے چوکیدار بھی محوِ خواب ہو گئے تو آپ نے رات کے سناٹے میں قبر کھود کر میت کو باہر نکالا اور کاندھے پر ڈال کر اپنی جھونپڑی میں لے آئے اور میت کے سرہانے بیٹھ کر آہ و زاری شروع کر دی۔

قدرت نے آپ کی سُن لی۔ ایک قافلہ سوداگروں کا اسی روز بلخ میں داخل ہوا۔ اس قافلے میں ایک یونانی حکیم اور طبیب بھی تھا جو قافلے سے بچھڑ گیا، وہ نصف شب کے قریب بلخ پہنچا، شہر پناہ کے دروازے بند ہو چکے تھے، طبیب نے بستی سے باہر ایک جھونپڑی میں روشنی دیکھی چنانچہ یہ سوچ کر کہ رات یہاں بسر کر کے صبح شہر میں داخل ہو جاؤں گا، اس

نے جھونپڑی کے دروزے پر دستک دی۔ جواب نہ آیا تو وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ وہاں دیکھا کہ ایک وجیہہ وشکیل درویش ایک حسین میت کے سرہانے بیٹھا گریہ زاری کر رہا ہے اور خدا سے اس کی زندگی کی دُعائیں مانگ رہا ہے۔ طبیب نے حالات و واقعات دریافت کیے۔ میت کی نبض ٹٹولی تو طبیب کی آنکھیں چمک اُٹھیں، فوراً اپنی کبت سے نشتر نکالا اور دماغ کی کسی رگ میں فصد لگادی۔ چند قطرے تازہ خون نکلا اور شہزادی نے آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا نہ شاہی محل ہے نہ والدین نہ کوئی شناسا بلکہ ایک طبیب، ایک قلندر اور جھونپڑی ہے۔ شہزادی نے کہا مجھ پر کپڑا ڈال دو اور یہ بتاؤ کہ میں کہاں ہوں؟۔ حضرت ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے تمام واقعہ دُہرایا، چونکہ شہزادی کو علم تھا کہ ایک قلندر نے اس کے ساتھ عقد کی درخواست کی تھی، طبیب نے بھی شہزادی کو نصیحت کی کہ چونکہ آپ کی نئی زندگی کا سبب یہی نوجوان ہے چنانچہ شہزادی نے آپ سے مناکحت قبول کرلی۔ طبیب نے حضرت ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح بلخ کی شہزادی کے ساتھ پڑھایا اور دونوں میاں بیوی اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے اور عارفانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ کچھ عرصے کے بعد ان کے ہاں وہ فرزندِ ارجمند پیدا ہوا جس کو دُنیا حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتی ہے۔

تعلیم وتربیت

آپ کی عمر چار یا پانچ سال ہوئی تو آپ کو مدرسہ میں داخل کرادیا گیا۔ ایک دن بادشاہ کا گزر اس مدرسے سے ہوا، بادشاہ کی عادت تھی کہ وہ مدرسوں میں جاکر بچوں میں انعامات تقسیم کیا کرتا تھا اور پھر اس دن بچوں کو چھٹی دے دی جاتی تھی چنانچہ اس مدرسہ میں آکر بادشاہ نے سب بچوں میں انعامات تقسیم کیے، جب ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ انعام لینے آئے تو بادشاہ اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران ہوگیا، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ بچہ اس کی مرحوم بیٹی کا ہم شکل تھا، اس نے بے ساختہ بچے کی پیشانی کو بوسہ دیا اور استاد سے

پوچھا کہ یہ بچہ کون ہے؟ استاد نے جواب دیا کہ یہ ایک باعظمت قلندر کا بیٹا ہے۔ ہر صبح قلندر اسے لے آتا ہے چھٹی کے وقت ساتھ لے جاتا ہے۔ بادشاہ نے استاد کو زرِ کثیر دے کر کہا میں اس بچے کو ساتھ لے جا رہا ہوں۔ استاد نے تعرض نہ کیا۔ بادشاہ بچے کو گھر لے گیا۔ ملکہ نے لڑکے کو دیکھا اور پیار کیا۔ ادھر جب بچوں کی چھٹی کا وقت ہوا تو حضرت ادھم رحمۃ اللہ علیہ مدرسے پہنچ گئے۔ استاد نے سارا واقعہ سنایا لیکن آپ بالکل مضطرب نہ ہوئے بلکہ سیدھے بادشاہ کے پاس چلے گئے۔ بادشاہ نے ان کو فوراً پہچان لیا اور عزّت واحترام سے اپنے پہلو میں جگہ دی۔ کافی دلجوئی کے بعد آنے کا سبب دریافت کیا تو حضرت ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میرے یہاں آنے کا سبب ماسوائے اس بچے کے اور کوئی نہیں جو اس وقت آپ کی گود میں بیٹھا ہوا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کی ماں اس کے ساتھ بہت محبت کرتی ہے اور اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ بادشاہ نے پوچھا اس کی ماں کا کیا نام ہے اور وہ کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے تو شیخ ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے بلا کم وکاست سب کچھ بادشاہ کے گوش گزار کر دیا۔ بادشاہ اپنی اکلوتی اور چہیتی بیٹی کے زندہ ہونے کی خبر سُن کر بے حد خوش ہُوا، فوراً اُٹھ کر یہ خوشخبری اپنی ملکہ کو سنائی اور اسی وقت سواری بھیج کر شہزادی کو بُلا لیا۔ شہزادی نے جب والدین کو دیکھا تو آداب بجا لائی۔ ماں باپ نے گلے لگایا۔ سب نے خوشی کے آنسو بہائے اور خوشی کی محفلیں منعقد کی گئیں، غرباء میں مال ودولت اور کھانا تقسیم کیا گیا۔

تخت نشینی

بادشاہ نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے والدین کی رضامندی سے اپنے پاس رکھ لیا اور پھر ان کی تعلیم وتربیّت کی۔ بعد ازاں انہیں اپنا ولی عہد مقرر کر دیا کیونکہ اس ایک بیٹی کے علاوہ بادشاہ کی اور کوئی اولاد نہ تھی۔ کافی عرصہ بعد جب بادشاہ کا انتقال ہوا تو حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ اس کی جگہ تخت نشین ہو گئے اور ایسا عادلانہ نظام قائم کیا کہ

جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ ہر مکتبۂ فکر کے لوگ خوش تھے۔ خصوصاً عامتہ الناس بہت خوشحال تھی۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فقراء اور درویشوں کی بہت عزّت اور تعظیم کیا کرتے تھے۔ اکثر ان کے جُوتے خود اُٹھا کر سامنے رکھتے تھے پھر آپ کی شادی ہوگئی اور آپ نہایت کروفر اور شان وشوکت سے بلخ پر حکومت کرنے لگے۔

ترکِ دُنیا ترکِ حکومت

اس شان وشوکت کے ساتھ حکومت کرتے ہوئے کئی سال بیت گئے لیکن ایسا لگتا تھا کہ اندر ہی اندر کسی بات نے آپ کو بے چین کر رکھا ہے۔ آپ ہر وقت مضطرب رہا کرتے جیسے آپ کو کسی چیز کی تلاش ہے۔ شاید تلاشِ حق کی یہ جستجو والد کی تربیّت کا نتیجہ تھی شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ:

"ایک رات آپ رحمۃ اللہ علیہ محل میں محوِ خواب تھے کہ آدھی رات کے وقت آپ کی آنکھ اچانک کھل گئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ایک آدمی محل کی چھت پر ٹہل رہا ہے۔ آپ فوراً چھت پر گئے، آدمی کو دیکھا، پوچھا تم کون ہو اور اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں آپ کا دوست ہوں اور یہاں اپنا اُونٹ تلاش کر رہا ہوں جو گُم ہوگیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ شاہی محلات کی چھت پر تمہارا اُونٹ آجائے۔ اس آدمی نے جواب دیا: بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جامۂ اطلس پہن کر عیش وعشرت میں خدا مل جائے۔ یہ جواب سُن کر آپ کے دل میں ایک خوف سا پیدا ہوگیا، دوسرے دن جب آپ دربارِ عام میں بصد شان وشوکت تشریف فرما تھے، یکا یک ایک ذی وقار آدمی اندر داخل ہوا۔ کسی میں پوچھنے کی

جرأت بھی نہ ہو سکی کہ اس سے گستاخانہ طور پر دربار میں آنے کی وجہ ہی پوچھ سکے۔ چنانچہ وہ چلتا ہوا آپ کے تخت کے پاس پہنچ گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا جیسے وہ کوئی اندازہ کر رہا ہو۔ آپ نے نہایت تعجب سے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور یہاں کیوں آیا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ مسافر ہے اور اس سرائے میں ٹھہرنا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا محترم! یہ سرائے نہیں شاہی محل اور اس کا دربار ہے۔ اس نے پوچھا کہ آپ سے پہلے یہاں کون رہتا تھا؟، آپ نے فرمایا میرا باپ، پھر پوچھا اس سے پہلے کون رہتا تھا فرمایا میرا دادا۔ اس نے پوچھا کہ اس سے پہلے کون رہتا تھا فرمایا میرا پردادا۔ اس نے پھر پوچھا کہ اس سے پہلے کون رہتا تھا فرمایا میرا لگڑ دادا۔ اس نے پھر پوچھا کہ اس سے پہلے کون رہتا تھا فرمایا میرا جگڑ داد۔ اس نے پھر پوچھا کہ اس سے پہلے کون رہتا تھا فرمایا میرا سکڑ دادا۔ اس طرح کئی پشتوں تک پہنچ کر اس نے پوچھا کہ آپ کے بعد یہاں کون رہے گا تو آپ نے فرمایا میری اولاد۔ اب اس آدمی نے کہا کہ پھر خیال کرو جس مقام میں اتنے آدمی آئیں اور جائیں لیکن کسی کا مستقل قیام نہ ہو تو پھر وہ مقام سرائے نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ کہہ کہ وہ باہر چلا گیا۔ آپ کے دل میں رات کے واقعے سے ایک آگ سی لگی ہوئی تھی، اس معاملہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ آپ تنہا اس کے پیچھے دوڑے اور اس شخص کو پکڑ لیا پوچھا تم کون ہو؟ وہ بولے میں حضرت خضر علیہ السلام ہوں اور آپ کی رہنمائی کے لئے آیا تھا۔ یہ سنتے ہی آپ کا درد اور بڑھ گیا۔ چنانچہ واپس محل میں آ کر لیٹ گئے مگر سکون ندارد

تھا۔ ناچار باہر ہوا خوری کے لئے گھوڑے پر سوار ہو کر نکل گئے۔ خدا کی قدرت کہ آپ کا حفاظتی دستہ آپ سے بچھڑ گیا۔ آپ تنہا رہ گئے۔ اچانک آپ نے ایک ندا سُنی۔ کہا گیا: ابراہیم! اس وقت سے پہلے جاگو جبکہ تمہیں موت کے ذریعے جگایا جائے۔ اتنے میں آپ کو ایک ہرن نظر آیا، آپ اس کو شکار کرنے لگے قدرتِ خدا سے ہرن بولا: تم میرا شکار نہیں کر سکتے بلکہ خود شکار ہو جاؤ گے، کیا تمہیں خدا نے اس لئے پیدا کیا ہے، کیا تمہارے لئے اور کوئی مشغلہ نہیں رہ گیا۔ ان باتوں سے آپ کے دل میں خوفِ الٰہی طاری ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کی باطنی آنکھوں کو منوّر کر دیا اور آپ کے دل پر برکاتِ الٰہی کا نزول ہونے لگا۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت تخت و حکومت پر لات ماری، بال بچوں کو چھوڑ، شاہی لباس اُتار کر فقیرانہ لباس پہن لیا اور ترکِ دنیا کر کے شہر سے باہر نکل گئے۔ آپ اپنے گناہوں پر روتے جاتے تھے اور جنگلوں اور وادیوں سے پیادہ گزرتے جاتے تھے۔"

بیعت و خلافت

حضرت خضر علیہ السلام نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو سلطنت سے نکال کر اس راستے پر لگایا تو پہلے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو تربیت دی پھر خرقۂ خلافت عنایت فرمایا۔ اس کے بعد آپ خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تربیت حاصل کر کے خرقۂ خلافت کے حقدار ہوئے۔ آپ کو حضرت امام باقر رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت بھی نصیب ہوئی اور ان سے فیض یاب ہوئے۔

سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ:

''آپ کو حضرت عمران بن مومن رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت زید راعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ارادت حاصل تھی اور ان سے خرقۂ خلافت بھی ملا تھا۔ حضرت زید راعی رحمۃ اللہ علیہ، اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ان جید اصحاب سے خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ ہمیشہ کے لئے حق تعالیٰ میں مشغول ہو گئے۔''

ریاضت وعبادت

بادشاہی کو چھوڑ کر فقر کا جامہ زیب تن کر کے صحرا نوردی کرتے ہوئے آپ نیشاپور کے نواح میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک بھیانک تاریک غار تھی۔ آپ نے وہاں مستقل قیام کر لیا اور تقریباً نو (۹) سال تک اسی غار میں ریاضت وعبادت کرتے رہے۔ ہر جمعۃ المبارک کو آپ غار سے نکلتے، جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کرتے اور نیشاپور جا کر فروخت کرتے، جو کچھ حاصل ہوتا اس میں سے نصف راہِ خدا میں دے دیتے اور باقی نصف کی روٹی خرید لیتے، نمازِ جمعہ ادا کرتے اور واپس غار میں آجاتے۔ اس کے بعد پھر پورا ہفتہ عبادت میں مشغول ہو جاتے۔

غار سے خوشبو

''تذکرۃ الاولیاء'' میں بیان کیا گیا ہے کہ جب لوگ آپ کے مقام ومرتبہ اور شکل وشباہت سے آگاہ ہو گئے تو آپ غار سے بھاگ گئے اور مکہ معظمہ جا نکلے۔ اس زمانہ میں جب آپ نے غار چھوڑا، شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اس غار کی زیارت کی اور فرمایا کہ اس غار کو اگر مشک وعنبر سے بھر دیا جاتا تب بھی اس قدر خوشبو نہ آتی جو ایک صاحب دل کے کچھ

عرصہ قیام سے اس میں پیدا ہوگئی تھی۔

کعبۃ اللہ کی زیارت

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اور حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگیوں کا سب سے معروف واقعہ جو تصوّف کی تمام کتابوں میں مذکور ہے کچھ اس طرح ہے کہ:

''حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ جب سفرِ حج پر روانہ ہوئے تو ہر گام پر دو رکعت نماز ادا کرتے ہوئے تقریباً چودہ سال میں مکہ معظمہ پہنچے۔ دورانِ سفر آپ یہ فرماتے رہے کہ دوسرے لوگ تو قدموں پر چل کر جاتے ہیں جبکہ میں نے اپنا یہ سفر سر اور آنکھوں کے بل پر کیا ہے۔ جب آپ مکہ معظمہ پہنچے تو دیکھا کہ خانہ کعبہ غائب ہے۔ چنانچہ آپ اس تصوّر سے آبدیدہ ہوگئے کہ شاید میری بصارت زائل ہوگئی ہے۔ لیکن غیب سے ندا آئی کہ تمہاری بصارت زائل نہیں ہوئی بلکہ کعبہ ایک ضعیفہ کے استقبال کے لئے گیا ہوا ہے۔ یہ سُن کر آپ نے نظر اُٹھائی تو دیکھا سامنے سے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا لاٹھی کے سہارے چلتی ہوئی آرہی ہیں اور کعبہ معظمہ بھی اپنی جگہ پہنچ چکا ہے۔ آپ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے سوال کیا کہ تم نے نظامِ عالم کو کیوں درہم برہم کر رکھا ہے؟ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے جواب دیا میں نے نہیں البتہ تم نے ایک ہنگامہ کھڑا کر رکھا ہے جو چودہ برس میں کعبہ تک پہنچے ہو۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں تو ہر قدم پر دو رکعت نفل پڑھتا آیا ہوں اس لئے تاخیر سے پہنچا ہوں۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا: تم نے نماز پڑھ

پڑھ کر فاصلہ طے کیا جبکہ میں عجز وانکساری سے آئی ہوں۔ پھر دونوں نے رو رو کر کعبے کا طواف کیا اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے حج ادا کرنے کے بعد انتہائی عاجزی سے دُعا کی: پروردگار! شوق دیا ہے تو تکمیلِ شوق بھی کر۔ تُو نے حج کے اَجر کا وعدہ کیا ہے، اور یہ وعدہ بھی کیا ہے کہ صبر وشکر کا اَجر بھی ملے گا، اگر تُو میرا حج قبول نہیں کرتا تو شوقِ دید کی ناکامی پر اَجر ہی عطا کر دے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی یہ دُعا سنی تو لرز کر رہ گئے۔ انہوں نے سوچا کہ اگر رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کچھ دن اور زندہ رہ گئیں تو کیا ہوگا؟ بعد ازاں حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ مکہ معظمہ سے واپس تشریف لے گئے۔"

سنہری کتاب میں نام

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ:

"ایک بار انہوں نے خواب میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا جو ایک سنہری کتاب میں سر جھکائے کچھ لکھ رہے تھے۔ آپ نے پوچھا کیا لکھ رہے ہیں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ میں اس کتاب میں ان لوگوں کے نام لکھ رہا ہوں جو اللہ کے دوست ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ کیا میرا نام بھی ان لوگوں میں شامل ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کہنے لگے کہ نہیں آپ کا نام ان میں نہیں ہے۔ اس پر آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ کیا کتاب میں ان

لوگوں کا نام نہیں لکھو گے جن کو خدا کے بندوں سے پیار ہے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ میں خدا تعالیٰ سے پوچھ کر آپ کو بتاؤں گا۔ اگلے دن حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے پھر خواب دیکھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کتاب دکھائی جس میں سب سے سر فہرست حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا نام ان لوگوں میں لکھا ہوا تھا جو خدا کے بندوں سے پیار کرتے ہیں۔''

اس واقعہ کو عمر خیام نے بھی نظم کیا ہے اور حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے ایک شعر میں بندوں سے پیار کرنے والوں کا یوں ذکر کیا ہے:

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں
بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو
خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

اس واقعہ کو ایک انگریزی نظم "Abou Bin Adhem" میں انگریز شاعر "Leigh Hunt" نے یوں بیان کیا ہے:

Abou Bin Adhem

Abou bin adhem(May his tribe increase!) awoke one night from a deep dream of peace, And saw within the moonlight in his room, Making it rich, and like a lily in bloom, An angel writing in a book of gold: Exceeding

peace had made Bin Adhem bold, And to the presence in the room he said, "What writest thou?" The vision rais'd its head, And with a look made of all sweet accord, answer'd, The names of those who love the Lord, And is mine one? said Abou 'Nay, not so, Replied the angel.Abou spoke more low But cheery still, and said, 'I pray thee, then, write me as one that loves His fellow men,The angel wrote and vanished.The next night, It came again with a great wakening light, And show'd the names whom love of God had blest, And Lo! Bin Adhem's name led all the rest.

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں بھی اُٹھنے بیٹھنے کا موقع ملا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایک روز ایسا ہوا کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے، اس وقت کچھ لوگ وہاں موجود تھے۔ انہوں نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی آمد کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کے رویّے کو بھانپ گئے۔ چنانچہ آپ کے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو سیّدنا کے لقب سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''سیدنا آیئے اور تشریف لایئے۔''

اس پر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دوستوں نے کہا:

''حضرت! اس شخص کو سرداری کیسے مل گئی کہ آپ اسے سیّدنا کے لفظ سے مخاطب کر رہے ہیں۔''

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میں جانتا ہوں کہ وہ ہر وقت خدا تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور ہم دوسرے کاموں میں بھی مشغول ہو جاتے ہیں، اب تم خود ہی دیکھ لو کہ وہ سردار ہیں کہ نہیں۔''

گزر بسر

جب آپ نے مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کی تو وہاں بہت سے لوگوں نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ لیکن آپ نے کسی کا سہارا نہ لیا۔ ہمیشہ اپنی کمائی کھاتے تھے۔ کبھی لکڑیاں ڈھوتے اور کبھی کھیت یا باغ کی نگہبانی کر کے نانِ جویں حاصل کرتے تھے۔ آپ کی غیرت کو یہ گوارا نہ تھا کہ اپنے کھانے پینے کے لئے دوسروں کے دستِ نگر رہیں یا کسی سے مدد مانگیں بلکہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ خود محنت کر کے اپنے مریدوں کی روٹی پانی کا بندوبست بھی کیا کرتے تھے۔ نیشا پور کے غار میں سکونت کے دوران بھی آپ کا یہی معمول تھا۔ مکہ معظمہ میں بھی آپ خود جنگل میں جا کر لکڑیاں اکٹھی کرتے اور ان کو بیچ کر سب کے لئے روٹی خرید کر لاتے تھے۔ شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''ماہ رمضان میں حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ دن کو گھاس لا کر بیچتے اور جو قیمت ملتی وہ درویشوں کو خیرات کر دیتے اور خود تمام رات نماز پڑھتے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی۔ ایک دفعہ ایک شخص آپ کے پاس

ایک ہزار درہم لے کر آیا اور درخواست کی کہ انہیں قبول کر لیں، آپ نے فرمایا کہ میں درویشوں سے کچھ نہیں لیتا۔ اس آدمی نے کہا میں درویش نہیں بلکہ ایک امیر آدمی ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس جس قدر دولت ہے تمہیں اس سے زیادہ کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا تم جو لائے ہو وہ واپس لے جاؤ کیونکہ ہم سے زیادہ تم اس کے مستحق ہو۔"

بیٹے کی قربانی

یہ ایک دردناک حقیقت ہے کہ جب حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ بلخ سے روانہ ہوئے تھے، اس وقت آپ کا بیٹا بہت چھوٹا تھا۔ جب وہ بڑا ہوا تو اس نے ماں سے پوچھا میرے والد کہاں ہیں؟ ماں نے ساری کیفیت بیان کر دی اور کہا کہ اب لوگ کہتے ہیں کہ وہ مکہ معظمہ میں ہیں۔ یہ سن کر لڑکے نے کہا:

"امی جان اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے ساتھ مکہ معظمہ جا کر کعبۃ اللہ کی زیارت بھی کروں اور والد کو تلاش کر کے ان کی خدمت بھی کروں۔"

والدہ نے نہ صرف اجازت دے دی بلکہ خود بھی ساتھ ہو لیں۔

مکہ معظمہ پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کے ساتھ رُکنِ یمانی کے آگے بیٹھے ہیں۔ ماں نے بیٹے کو بتایا: بیٹا! تمہارے والد وہ سامنے بیٹھے ہیں۔ یہ کہتے ہی وہ گریہ زاری کرنے لگیں۔ کہتے ہیں:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

آواز میں اتنا درد تھا کہ وہاں موجود مرید اور دوسرے لوگ بھی رو پڑے۔ ماں کی

نشاندہی پر آپ کے صاحبزادے آپ سے لپٹ کر چھوٹے بچوں کی طرح رونے لگے اور اس قدر روئے کہ روتے روتے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو والد کو سلام کیا۔ ابھی بات شروع بھی نہ کی تھی کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے چاہا کہ وہاں سے چلے جائیں لیکن بیٹا تھا کہ آپ کا دامن چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھا۔ میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سُفنے دے وچ دلبر ملیا تے میں گل نال لالیاں بانہواں
ڈر دی ماری اکھ نہ کھولاں متے فیر وچھڑ نہ جاواں

آپ کی بیوی بھی آہ و بکا کرنے لگیں۔ تب حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی اور کہا: یاالٰہی! میری مدد کر۔ آپ کے منہ سے یہ الفاظ نکلنے کی دیر تھی کہ بیٹے نے اسی حال میں آپ کی گود میں جان دے دی۔ مریدوں نے کہا یا حضرت! یہ کیا ہوا! آپ نے فرمایا کہ جب میں اس سے بغل گیر ہوا، اس کی محبت میرے دل میں جوش مارنے لگی تب ندا آئی:

"اے ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ تو ہماری دوستی کا دعویٰ تو کرتا ہے لیکن دوسرے میل ملاپ (بھی) رکھتا ہے اور بیوی بیٹے کے ساتھ ربط بڑھاتا ہے۔"

یہ ندا سُن کر میں نے ربّ سے دُعا کی کہ:

"اے ربّ العزت! اگر میرے بیٹے کی محبت تیری محبت سے مجھے جدا کرنے والی ہے تو یا اس کی جان لے لے یا میری جان لے لے۔"

یوں میری یہ دُعا بیٹے کے حق میں قبول ہوگئی۔

تذکرۃ الاولیاء کے مصنف حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''اگر اس واقعہ سے کسی کو تعجب ہو تو ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاملے سے زیادہ تعجب خیز نہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنا چاہا تھا۔''

خدمت گزاری

روایت ہے کہ جو شخص بھی آپ کے ساتھ رہنے کی درخواست کرتا تھا، آپ اس کے سامنے تین شرطیں پیش کرتے تھے، اگر وہ قبول کر لیتا تو اسے ساتھ رکھ لیتے۔

اوّل: یہ کہ خدمت سب کی میں کروں گا۔

دوم: یہ کہ اذان میں دوں گا۔

سوم: یہ کہ کوئی بھی چیز ملے گی تو آپس میں برابر تقسیم کریں گے۔

یہی اسلام کا سبق بھی ہے۔

آپ کی کرامات

''تذکرۃ الاولیاء'' میں آپ کی بہت سی کرامات بیان کی گئی ہیں جن میں سے چند یہاں پر نقل کی جاتی ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ یوں تو ظاہر ہونے سے ہمیشہ اجتناب کرتے رہے اور اگر کہیں ظاہر ہوئے بھی تو وہ علاقہ چھوڑ دیا اور ہمیشہ عاجزی اور خاک نشینی اختیار کیے رکھی لیکن بعض کرامات بے ساختہ آپ سے وقوع پذیر ہو گئیں۔ جیسے:

پہاڑ چل پڑا

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ایک ہمعصر بزرگ کے ساتھ کسی پہاڑ پر

بیٹھے آپس میں محوِ گفتگو تھے۔ بزرگ نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مردِ خدا کی کیا نشانی ہے؟ یہ سُن کر آپ نے فرمایا کہ مردِ خدا کی نشانی یہ ہے کہ اگر پہاڑ کو کہے تو وہ چلنے لگے۔ آپ کا یہ فرمانا ہی تھا کہ پہاڑ چل پڑا، تب حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے پہاڑ کو مخاطب کر کے کہا:

''اے پہاڑ! رُک جا، میں نے تجھے چلنے کا نہیں کہا بلکہ میں نے تو ایک مثال دی تھی۔ یہ سُن کر پہاڑ رُک گیا۔''

قرآن کا وسیلہ

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ایک کشتی میں سفر کر رہے تھے، اس دوران بہت بڑی لہر اُٹھی، آپ نے کلامِ مجید لے کر ہوا میں لہرایا اور عرض کیا:

''الٰہی! کیا تُو ہمیں غرق کرے گا حالانکہ تیری کتاب ہمارے درمیان موجود ہے۔''

کہتے ہیں کہ دریا کا جوش اور طغیانی اسی وقت ختم ہوگئی۔

تسخیرِ کائنات

ایک روز حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ دریائے دجلہ کے کنارے بیٹھے اپنے پھٹے پرانے چیتھڑوں سے اپنی گدڑی سی رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ آپ کو بلخ کی شاہی چھوڑ کر کیا ملا؟ یہ سُن کر آپ خاموش رہے لیکن اپنی سُوئی دریا میں ڈال دی۔ تھوڑی ہی دیر میں دریائے دجلہ سے ہزاروں مچھلیاں نکلیں اور ہر ایک کے منہ میں سونے کی ایک ایک سُوئی تھی تب حضرت نے فرمایا:

''مجھے میری سُوئی لا کر دو۔''

اس پر ایک چھوٹی سی مچھلی دریا سے نکلی، آپ کی سُوئی اس کے منہ میں تھی، آپ نے ہاتھ بڑھا کر اپنی سُوئی لے لی۔

اس کے بعد اس شخص کو مخاطب ہو کر فرمایا:

''جب میں بلخ کا بادشاہ تھا تو میرا حکم صرف انسانوں پر چلتا تھا، اب ہر چیز میرے تابع تسخیر ہو چکی ہے اور یہ وہ ادنیٰ سی بات ہے جو بادشاہی چھوڑ کر مجھے حاصل ہوئی ہے۔''

آپ کے خلفاء

سید الاقطاب میں لکھا ہے کہ:

''آپ کے دو خلفاء تھے، حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ، جن سے آپ کا سلسلہ آگے چلا۔''

وفات اور مزار شریف

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ عمر بھر شہرت سے مجتنب رہے۔ حتیٰ الامکان ہجوم سے اعراض فرماتے رہے اور کوشش کرتے رہے کہ گوشہ نشینی، عاجزی اور خاک نشینی میں ہی زندگی گزر جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ آخری عمر میں کہیں رُوپوش ہو گئے تھے اور کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کہاں رہائش پذیر ہیں نہ ہی آپ کے وصال کی کسی کو خبر ہوئی اور نہ ہی مدفن کا پتہ چلا۔ شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے بقول ان کی قبر بغداد میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شام میں ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے مقبرے کے پاس آپ کی قبر ہے کیونکہ آخری عمر میں آپ کا یہیں قیام تھا جبکہ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نفحات الانس میں فرماتے ہیں کہ آپ کا وصال شام میں 161ھ میں ہوا۔ ایک روایت کے مطابق آپ کی وفات

تیسرے عباسی خلیفہ محمد بن عبداللہ ذوالنقی کے عہد میں ہوئی۔ کہتے ہیں کہ آپ کے انتقال کے دن پورے عالم میں یہ ندا سنی گئی کہ آج دُنیا کا امن رُخصت ہوگیا ہے۔ آپ کی وفات کے بعد ایک آدمی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ محبتِ الٰہی کی وجہ سے مجھے عرش کے بالمقابل عاشقان کے ساتھ جگہ ملی ہے جہاں روزانہ ستر بار دیدارِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔

آپ کے اقوال زرّیں

حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ''تذکرۃ الاولیاء'' میں آپ کے درج ذیل اقوال بیان فرمائے ہیں:

☆ جو طالبِ خواہشِ نفس ہو وہ صادق نہیں ہوسکتا۔

☆ نیت کی سچائی کا نام اخلاص ہے۔

☆ جو شخص تین مقامات پر اپنا دل حاضر نہ پائے، اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس پر رحمتِ الٰہی کے دروازے بند ہیں، اوّل قرآن مجید پڑھتے ہوئے، دوم خدا کے ذکر کے وقت اور سوم نماز پڑھتے وقت۔

☆ عارف کی علامت یہ ہے کہ اس کا دل اکثر غور و فکر میں رہے، ہر چیز سے عبرت پکڑے، خدا کی حمد و ثنا میں رہے، اس کی اطاعت کرے اور نظر ہمیشہ خدا کی قدرت پر رہے۔

☆ دُنیا اور آخرت کی طرف ذرا برابر رغبت نہ کرو، خدا کی طرف متوجہ رہو، خود کو غیر اللہ سے فارغ کرو اور حلال کھانا کھاؤ۔

☆ میں نے دُنیا کو اس کے طالبوں کے واسطے چھوڑ دیا ہے اور آخرت کو اس کے طالبوں پر چھوڑ دیا ہے۔ میں نے اس دُنیا میں خدا کے ذکر کو چن لیا ہے اور

آخرت میں اس سے دیدار کو پسند کیا ہے۔

☆ خدا کے کارکنوں کو پیشے کی حاجت نہیں ہوتی۔

☆ بندھے ہوئے کو کھولو اور کھلے کو بند کرو (تھیلی کا منہ کھولو اور زبان کو بند رکھو)

☆ جب تک چار دروازے بند نہ کرو گے، صالحین کا درجہ نہ پاؤ گے،

اول: نعمت کا دروازہ۔

دوم: عزت کا دروازہ۔

سوم: خواب کا دروازہ۔

چہارم: تونگری کا دروازہ۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام ابو القاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہورِ زمانہ تصنیف ''الرسالہ'' میں لکھا ہے کہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ صوفی نظریے کے عظیم شارح تھے خصوصاً خدا کی معرفت حاصل کرنے کا نظریہ، جو ظاہری تعلیم سے نہیں بلکہ ذاتی رُوحانی تجربات سے حاصل ہوتی ہے کے بڑے ترجمان تھے۔ آپ نے صوفیاء کے تصورِ توحید کی وضاحت کی اور خود کو صوفیاء کے لئے خدا کی محبت اور خدا کیلئے سوچنے کیلئے وقف کر دیا۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے بھی یہی اصطلاح استعمال کی اور اسے حُبّ کا نام دیا۔ تذکرہ الاولیاء میں حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ میدانِ طریقت کے بادشاہ اور توحید و معرفت کے سلطان تھے۔ وہ اہلِ ملامت کے پیشوا اور اسرار و رموز کے رازداں تھے، انہیں درویشِ کامل کا درجہ حاصل تھا اور آپ ریاضت اور کرامت میں بلند تر مقام کے حامل تھے۔

زندیقِ زمانہ

مصر کے لوگ آپ کو زندیق کہتے تھے۔ متعدد افراد آپ کے کاموں سے دَنگ رہتے تھے۔ جب تک آپ زندہ رہے، سب ہی لوگ آپ کے منکر رہے۔ آپ نے بھی اپنے آپ کو ایسا چھپایا کہ موت تک کسی پر اپنا حال نہ کھلنے دیا۔

توکل کی حقیقت

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ایک پہاڑ سے نیچے اُتر رہے تھے کہ آپ نے ایک ننھا سا پرندہ دیکھا جو اندھا تھا۔ اسی لمحے آپ کو خیال آیا کہ نہ جانے یہ اندھا پرندہ دانہ کہاں سے کھاتا ہوگا اور پانی کہاں سے پیتا ہوگا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ پرندہ نیچے اُترا اور اس نے اپنی چونچ سے زمین کو کھودا، زمین سے ایک سونے کی پیالی جو تلوں سے بھری ہوئی تھی اور ایک چاندی کی پیالی جو عرق گلاب سے بھری ہوئی تھی ظاہر ہوئیں، اس اندھے پرندے نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور پانی پیا اور اُڑ کر پھر درخت پر جا بیٹھا، اس اثنا میں دونوں پیالیاں پھر غائب ہو گئیں۔

یہ منظر دیکھ کر آپ بالکل بے خود ہو گئے اور آپ کو یہ حقیقت معلوم ہو گئی کہ جو خدا پر توکل کرتا ہے، خدا خود اس کے کاموں کو انجام دیتا ہے یوں آپ کو توکل پر کامل بھروسہ ہو گیا۔

اللہ کے نام کی برکت

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ درج بالا واقعہ کے بعد اس مقام سے روانہ ہوئے، راستے میں آپ کے کئی دوست آپ کو مل گئے، وہ بھی آپ کے ساتھ ہو گئے۔ سب ایک

ویرانے میں پہنچے۔ وہاں انہیں سونے سے بھرا ہوا ایک دفینہ ملا۔ یہ دفینہ ایک تختے سے ڈھکا ہوا تھا جس پر لفظ ''اللہ'' لکھا ہوا تھا۔ دوستوں نے آپس میں سونا تقسیم کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے صرف یہ تختہ دے دو۔ اس تختے کی برکت سے آپ کو بلند مرتبہ حاصل ہو گیا۔ آپ نے خواب میں دیکھا ایک کہنے والا کہہ رہا ہے کہ:

> ''اے ذوالنون! اور لوگوں نے تو زر و جواہر پسند کئے لیکن تُو نے ہمارا نام پسند کیا، پس ہم نے بھی اس کی برکت سے تجھ پر علم اور حکمت کے دروازے کھول دیئے۔''

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

رسالۂ قشیریہ میں ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کئی بار حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے ملے اور ان سے تعلیم حاصل کی۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر دو بزرگ تقریباً پچاس برس ہمعصر رہے اور عین ممکن ہے کہ ان کی آپس میں کئی ملاقاتیں ہوئی ہوں۔

خدا تمہاری رُوح کو سکون بخشے

سعد بن عثمان نے دونوں بزرگوں کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ان کے ساتھ تھا، اتنے میں کوئی آیا اور اس نے کہا:

> ''اے استاد! کوئی آپ سے ملنے آیا ہے۔''

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے حکم دیا کہ دیکھو کون آیا ہے کیونکہ کوئی آدمی سوائے میرے قریبی دوستوں کے یہاں قدم نہیں رکھ سکتا۔ میں گیا اور دیکھا کہ کوئی خاتون ہیں۔ میں واپس پلٹا اور حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آ کر عرض کیا حضور کوئی

خاتون ہیں۔اس پر آپ بے ساختہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا رب کعبہ کی قسم یہ ہماری دوست ہیں۔یہ کہہ کہ آپ ان کے استقبال کے لئے بھاگے، دروازے پر پہنچ کر فرمایا:

"آیئے! میں ہوں آپ کا بھائی ذوالنون مصری اور یہاں کوئی غیر (اجنبی آدمی) نہیں ہے۔"

انہوں نے جواباً دُعا دی اور کہا:

"خدا تمہاری رُوح کو سکون بخشے۔"

یہ عظیم خاتون حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا تھیں۔

حُبِّ الٰہی

ایک دفعہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا، حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تشریف لائیں تو حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت خوشی کا اظہار کرتے ہوئے آپ کا استقبال کیا۔ بعدازاں آپ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا کہ:

"آپ کو کیا چیز یہاں لے آئی ہے؟"

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا کہ مجھے قرآن کی ایک آیت یہاں لے آئی ہے اور پھر آپ نے قرآن کی اس آیت کی تلاوت کی جس کا مفہوم یہ ہے:

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

ترجمہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں (دنیا میں) چلو پھرو، پھر دیکھو اس نے کیسے پیدائش کی ابتدا کی، پھر اللہ اٹھائے گا دوسری اٹھان (دوسری بار) بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔"

(سورۃ العنکبوت 29 آیت 20)

اس پر حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا براہِ کرم مجھ پر عشق کی وضاحت کر دیں کہ عشق کیا ہے؟۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا:

"الحمدللہ یوں تو تم علم کی زبان میں گفتگو کرتے ہو پھر بھی مجھ سے عشق کے بارے میں پوچھتے ہو؟"

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ سوال کرنے والے کو جواب دیا جانا چاہیے۔ "الحریفش المصری" کے مطابق پھر آپ نے خدا کے عشق کے بارے میں دو محبتوں والے اپنے مشہور اشعار پڑھے، جن کو سُن کر حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی تشفی ہوگئی۔ اشعار یہ تھے:

میں تجھ سے دو طرح کی محبت کرتی ہوں
ایک محبت بر بنائے محبت اور دوسری محبت جس کا تو مستحق ہے
رہی محبت بر بنائے محبت تو وہ یہ ہے
کہ تجھے یاد کرتی ہوں تا کہ تیرے سوا سب کو بھول جاؤں
اور وہ محبت جس کا تُو مستحق
تو یہ تبھی کامل ہوسکتی ہے اگر تو پردے الٹا دے
ان دونوں محبتوں کے لئے میں مستحق تعریف نہیں
قابلِ حمد تُو ہی ہے کہ تُو نے مجھے دونوں محبتیں عطا کی ہیں۔

(حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا)

آزمائش

ایک روز آپ ایک نہر کے کنارے پہنچے وہاں ایک محل تھا۔ آپ نے محل کے کنارے بیٹھ کر وضو کیا، اس کے بعد اُٹھے تو آپ کی نظر ناگہاں سامنے محل کی چھت پر کھڑی

ایک حسین وجمیل عورت پر پڑی۔ آپ نے آزمائش کے لئے اسے کہا کہ وہ کوئی بات کرے۔ اس نے کہا کہ:

''اے ذوالنون! جب آپ دُور تھے تو میں سمجھی کہ شاید یہ کوئی دیوانہ ہے، جب نزدیک آئے تو میں نے خیال کیا کہ شاید کوئی عالم ہے، جب اور بھی نزدیک آئے تو میں نے سوچا شاید عارف ہے مگر اب میں خیال کرتی ہوں کہ نہ تو آپ دیوانے ہیں نہ عالم اور نہ عارف۔''

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ بولے:

''وہ کیسے؟''

عورت نے جواب دیا:

''اگر تم دیوانے ہوتے تو وضو نہ کرتے، اگر عالم ہوتے تو نامحرم کی طرف نہ دیکھتے اور عارف ہوتے تو اپنی آنکھ خدا کے سوا کسی پر نہ کھولتے۔''

یہ کہہ کر عورت غائب ہوگئی۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ عورت انسان نہ تھی بلکہ انسانی رُوپ میں ایک آزمائش اور ایک تنبیہ تھی۔

خدا تو بہتر جانتا ہے

اس تنبیہ کی وجہ سے آپ کے دل میں بے چینی اور سوزش پیدا ہوگئی اور آپ دریا کی طرف روانہ ہوگئے۔ وہاں ایک کشتی میں سوار ہوگئے۔ اس کشتی میں ایک سوداگر بھی سوار تھا۔ راستے میں اس کا ایک موتی گم ہوگیا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہری حالت کی وجہ سے کشتی کے تمام سواروں کو آپ پر شک ہوگیا اور انہوں نے بیک زبان کہا کہ موتی آپ نے لیا ہے۔ پھر انہوں نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو ستانا اور بے عزت کرنا

شروع کر دیا۔لیکن آپ خاموشی سے یہ سب کچھ سنتے رہے۔ جب آپ کو بہت زیادہ تنگ کیا گیا تو آپ نے آسمان کی طرف منہ کر کے صرف اتنا کہا:

''خدا تو بہتر جانتا ہے۔''

یہ کہنا تھا کہ ہزاروں مچھلیاں اپنے منہ میں ایک ایک موتی لے کر نکلیں آپ نے ایک مچھلی سے موتی لے کر سوداگر کو دیا۔کشتی کے مسافر یہ منظر دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئے اور آپ کے قدموں پر گر کر معافی کے خواستگار ہوئے۔

مرض الموت

جب آپ مرض الموت میں تھے تو لوگوں نے پوچھا کہ آپ کی کیا آرزو ہے؟ فرمایا کہ مرنے سے پہلے اس کو جان لُوں۔ پھر یہ شعر پڑھا:

خوف نے مجھ کو بیمار کیا
شوق نے مجھ کو جلایا
محبت نے مجھ کو مارا
حق تعالیٰ نے مجھ کو زندہ کیا

یہ کہہ کر آپ بے ہوش ہو گئے، ہوش میں آئے تو یوسف بن حسین نے کہا کچھ نصیحت کریں۔آپ نے فرمایا کہ مجھے باتوں میں مت لگاؤ، میں اللہ کے احسانات دیکھ کر متعجب ہو رہا ہوں۔اس کے بعد انتقال کر گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

آپ کا وصال 856ء میں ہوا۔اسی رات ستر بزرگوں نے خواب میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت کی، آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ ہم خدا کے دوست ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے استقبال کے لئے آئے ہوئے ہیں۔آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے

آپ کی پیشانی پر سبز روشنائی سے لکھا ہوا دیکھا:

هذا حبيب الله مات في حب الله

هذا خليل الله مات بسيف الله

ترجمہ شعر:

یہ اللہ کے حبیب ہیں جو اس کی محبت میں فوت ہوئے ہیں۔

یہ اللہ کے خلیل ہیں جو عشقِ الٰہی کی تلوار سے فوت ہوئے ہیں۔

جنازہ

جب آپ کا جنازہ اُٹھایا گیا تو سورج نہایت تیزی سے چمک رہا تھا۔ اتنے میں ایک طرف سے پرندوں کا ایک ہجوم آیا اور انہوں نے پروں سے پر ملا کر پورے جنازے پر سایہ کر دیا۔ آپ کا جنازہ قبرستان کی طرف لے جایا جا رہا تھا کہ موذن کی اذان سنائی دی، جب اس نے کلمہ شہادت کہا تو حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے انگلی اُٹھا دی۔ لوگوں کو خیال گزرا کہ شاید آپ زندہ ہیں چنانچہ جنازہ رکھ دیا گیا، دیکھا تو آپ کی انگلی اسی طرح اُٹھی ہوئی ہے لیکن آپ وفات پا چکے ہیں۔ آپ کی انگلی کو نیچے کرنے کی بہت کوشش کی گئی لیکن وہ نیچے نہ ہوئی پھر آپ کو اسی حالت میں دفن کر دیا گیا۔

اہلِ مصر کی پشیمانی

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن

یہ الگ بات ہے دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

اہلِ مصر عمر بھر آپ پر سنگ زنی کرتے رہے اور زندیق کہتے رہے، کچھ آپ نے بھی عمر بھر خود کو چھپائے رکھا اور اپنا راز فاش نہ ہونے دیا لیکن موت نے آپ کا راز

فاش کر دیا۔ جنازے نے آپ کی بزرگی کی گواہی دے دی جس پر اہلِ مصر بہت شرمندہ ہوئے اور ساری زندگی جو جو ظلم و ستم کئے تھے اور جس طرح آپ کو ستایا تھا اس پر پشیمان ہوئے اور توبہ کی۔

اقوال زرّیں

☆ سب سے بڑا پردہ نفس کی آنکھوں کا پردہ ہے۔

☆ حکمت ایسے معدے میں نہیں ٹھہرتی جو کھانے سے پُر ہو۔

☆ استغفار کرنا اور پھر گناہ سے باز نہ آنا جھوٹی توبہ ہے۔

☆ وہ شخص بہت خوشحال ہے جس کے دل کا لباس پرہیز گاری ہے۔

☆ جسم کی تندرستی کم کھانے اور رُوح کی تندرستی کم گناہ میں ہے۔

☆ سیدھے راستے پر وہ ہے جو خدا سے ڈرتا ہے۔ اگر خوف نکل گیا تو راستے سے بہکا۔

☆ ایسے شخص سے دوستی کرو جو تمہارے ناراض ہونے پر ناراض نہ ہو۔

☆ خدا کے ساتھ موافقت سے رہو، خلق کے ساتھ نصیحت سے رہو اور نفس کے ساتھ مخالفت سے رہو۔

☆ عارف وہ ہے جو مخلوق میں رہ کر بھی اس سے جدا ہوتا ہے۔

☆ صدق خدا کی تلوار ہے۔

☆ صادق وہ ہے جس کی زبان راستبازی اور سچائی کا کلمہ کہے۔

حضرت رباح بن عمر القیس البصری رحمۃ اللہ علیہ

ایک اور درویش جن سے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی رفاقت رہی وہ

حضرت رباح بن عمر القیس البصری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ نہ صرف حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے ہم عصر تھے بلکہ ہم مسلک بھی تھے اور عبادت و ریاضت میں ان کے ہمنوا بھی۔ آپ گریہ زاری کرنے والے عاشقوں میں سے تھے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ اس قدر غمگین کیوں رہتے ہیں تو فرمایا کہ گناہگار مصیبت زدوں کو رونا ہی چاہیے۔ بسا اوقات آپ کی گردن میں لوہے کی ایک زنجیر بندھی ہوتی تھی۔ آپ آہ و بکا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے توبہ اور عبادت کی قبولیت کی دُعائیں مانگتے اور پھر رات کو مصلے پر ہی سو جاتے۔

نئے تصورات

فرانس کے مشہور مستشرق جناب مسینون اپنی کتاب LEXIQUE TECHNIQUE میں رقمطراز ہیں کہ یہ رباح القیس رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے جنہوں نے تصوّف میں اوّل اوّل خدا کی تجلّی اور ربّانی دوستی کا تصوّر متعارف کروایا لیکن اخلاقی زندگی میں آپ پرہیزگاری، پارسائی، توبہ اور نیکی کے کاموں کی وکالت کرتے رہے۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا پر انحصار

ابو نعیم الاصفہانی ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے ہمعصروں کو جب کوئی مشکل پیش آتی تھی تو وہ سیدھے آپ کے پاس آتے اور اپنا مسئلہ پیش کرتے تھے۔ وہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا پہ مکمل انحصار کیا کرتے تھے۔

وقت کی اضافت

حضرت رباح بن عمر القیس البصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بنی سعد کے ابرار

بن دہرار کے پاس آیا، اس نے مجھ سے پوچھا: کیا تمہیں دن رات لمبے محسوس ہوتے ہیں؟ میں نے پوچھا: کیوں؟ کہنے لگا خدا سے تمہاری ملاقات کی خواہش کی وجہ سے!۔ حضرت رباح بن عمر القیس البصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں خاموش ہو گیا اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پاس آنے تک کچھ نہ بولا۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو کہا کہ تیار ہو جائیں کیونکہ ابرار نے مجھ سے سوال پوچھا ہے اور میں نے اس کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے کہا: اس نے تم سے کیا سوال کیا تھا؟ میں نے کہا اس نے پوچھا تھا کہ تمہیں اپنے خدا سے ملنے کی خواہش کی وجہ سے دن رات لمبے محسوس ہوتے ہیں؟ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے پوچھا: پھر تم نے کیا جواب دیا؟ میں بولا کہ میں نے ''ہاں'' نہیں کہا کیونکہ اگر میں ایسا کہتا تو شاید یہ جھوٹ ہوتا اور میں نے ''نہ'' بھی نہیں کہا مبادا میں اپنی رُوح کو بے وقعت نہ کر دُوں۔ حلیۃ الابرار میں ہے کہ حضرت رباح بن عمر القیس البصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے جب فرمایا کہ میرا جواب ''ہاں'' ہے، اس وقت میں نے سنا جیسے ان کے چوغے کے اندر کوئی چیز ٹوٹ گئی ہو۔

بچوں سے محبت

ایک اور واقعہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اور حضرت رباح بن عمر القیس البصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ابونصر سراج نے ابونعیم الاصفہانی کے حوالے سے ''کتاب اللمع'' میں لکھا ہے کہ ابومعمر عبداللہ بن امر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اور حضرت رباح بن عمر القیس البصری رحمۃ اللہ علیہ کو اکٹھے دیکھا۔ حضرت رباح بن عمر القیس البصری رحمۃ اللہ علیہ اس وقت اپنے خاندان کے کسی لڑکے کو اپنے ساتھ چمٹائے اس کے بوسے لے رہے تھے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے پوچھا: کیا تم اس لڑکے سے محبت کرتے ہو؟ حضرت رباح بن عمر القیس البصری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ہاں۔ اس پر حضرت رابعہ

بصری رحمتہ اللہ علیہا بولیں کہ میرا نہیں خیال تھا کہ تمہارے دل میں خدا کے علاوہ اور کسی کی محبت کی بھی گنجائش ہے۔ یہ سُن کر حضرت رباح بن عمر القیس البصری رحمتہ اللہ علیہ ندامت سے بے ہوش ہو گئے۔ جب انہیں ہوش آیا تو انہوں نے ماتھے سے پسینہ پونچھا اور کہا:

''میں اس رحمت ورافت کی وجہ سے اسے پیار کرنے لگا تھا جو اللہ نے انسان کے دل میں بچوں کے لئے پیدا کی ہے۔''

وفات

حضرت رباح بن عمر القیس البصری رحمتہ اللہ علیہ نے 810ء میں بصرہ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کی وفات پر ہاتف غیبی نے آواز دی:

''دُنیا آج ایک بے ریا دوست سے محروم ہو گئی۔''

دیگر ہمعصر

عبدالعزیز بن سلیمان البصری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے دیگر ہمعصروں میں سے ایک عبدالعزیز بن سلیمان الراسی بی البصری رحمتہ اللہ علیہ تھے جنہوں نے 150ھ بمطابق 767ء میں بصرہ میں وفات پائی۔ آپ ایک درویش خدا مست اور عابد تھے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا آپ کو سیّد العابدین کہا کرتی تھیں۔

صالح بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ اور کلاب بن حری رحمتہ اللہ علیہ

دوسرے ملنے والے جو اکثر و بیشتر اپنے سوالات اور مسائل لے کر آتے تھے، ان

میں ایک صالح بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے کلاب بن حری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ موخر الذکر شیعہ صوفی تھے۔ الذہبی اپنی کتاب میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابو حبیب الحریری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت کلاب بن حری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ان چاروں کو ملحد اور زندیق کہتے تھے۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو اپنے شاگرد اور دوست عموماً مردوں میں سے ہی ملے۔ ہم نے ان کی خواتین ساتھیوں کے بارے میں بہت کم سنا ہے۔ ان میں سے ایک ساتھی جو آپ کے قبیلے سے بھی تھیں موعظہ العدویہ تھیں۔ آپ مشہور عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ ان کے علاوہ ایک اور خاتون لیلیٰ القیسمیہ تھیں جن کا ذکر ہمیں کُتب تاریخ میں ملتا ہے۔

حضرت حیونہ رحمۃ اللہ علیہا

ایک اور زاہدہ خاتون جو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی سہیلی بھی تھیں، ان کا نام حیونہ رحمۃ اللہ علیہا تھا۔ ایک رات یہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پاس گئیں۔ دونوں اکٹھی رات بھر عبادت کرتی رہیں لیکن تہجد کے وقت حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو اُونگھ آ گئی۔ حیونہ رحمۃ اللہ علیہا انہیں ٹھوکریں مارتے اور جھڑکتے ہوئے جگانے لگیں، بولیں: رابعہ اُٹھ! ہدایت پانے والوں کی شبِ عروسی کا وقت آ گیا، اری کیسی مقدس ہے وہ ذات جس نے رات کی دُلہنوں کو تہجد کے نور سے زینت دی۔ حضرت نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی اس عابدہ زاہدہ سہیلی کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

جن دنوں حضرت عبد الواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو شادی کا پیغام دیا تھا اُن دنوں حیونہ رحمۃ اللہ علیہا، عبد الواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پر پہنچی اور مذاق اُڑاتے ہوئے کہنے لگیں: اے زبان دراز! ذرا اپنے بارے میں بول۔ واللہ اگر تُو مر جائے تو میں کبھی تیرے جنازے کے ساتھ نہ چلوں۔ عبد الواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت

کیا: حیونہ! کیا بات ہے؟ بولیں: تُو عاشقِ الٰہی ہو کر مخلوق سے قرب حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تیری مثال تو اس بچے جیسی ہے جو معلم سے سبق یاد کر لیتا ہے لیکن گھر پہنچ کر سب بھول جاتا ہے حتیٰ کہ معلم کو اسے مارنے کی ضرورت ہوتی ہے، تیرا بھی یہی حال ہے، جا عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ! ادب کے دُرّے اپنے جسم پر لگا اور قناعت کا توشہ مہیا کر پھر مخلوق سے کوئی سوال کرنا، عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ نے جو حیونہ رحمۃ اللہ علیہا کی یہ باتیں سنیں تو ندامت سے اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی اور وہ خاموشی سے چلا گیا۔ اس نے ایک سال تک کسی سے بات نہ کی۔ حیونہ بھی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی طرح ان لوگوں کا مذاق اُڑایا کرتی تھیں جو دعویٰ تو زُہد و تقویٰ کا کرتے تھے لیکن ان کے دلوں میں دنیا کی محبت موجزن ہوتی تھی۔

دو کنیزیں

ہمیں ان دو کنیزوں کے نام بھی تاریخ سے معلوم ہوئے ہیں جو خود بہت پارسا اور وفادار خواتین تھیں۔ ان میں سے ایک مریم بصری رحمۃ اللہ علیہا تھیں جو نہایت پارسا اور عابدہ تھیں اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے بے انتہا محبت کیا کرتی تھیں، اسی وجہ سے وہ آپ کی خادمہ بنی تھیں اور آپ کے بعد کچھ عرصہ تک زندہ رہیں۔ وہ اکثر عشق کے بارے میں بحث و مباحثہ نہ صرف سنا کرتی تھیں بلکہ ان میں حصہ بھی لیا کرتی تھیں۔ وہ ان مباحث سے اس قدر متاثر ہوتیں کہ کئی بار وہ اپنے ہوش و حواس کھو دیتیں۔ ایک موقعہ پر وہ صوفیوں کی ایک جماعت کے ساتھ تھیں جبکہ وہ عشق کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے، اس گفتگو کا مریم بصری رحمۃ اللہ علیہا پر ایسا شدید اثر ہوا کہ آپ نے وہیں اپنی جان خالق اکبر کے سپرد کر دی۔

آپ کے اقوال زرّیں میں سے ایک یہ ہے کہ:

''میرا اپنی روزانہ خوراک سے ایسا تعلق نہیں، نہ ہی میں اس کو تلاش کرنے میں فکر مند ہوں کیونکہ میں نے یہ آیت سن رکھی ہے کہ تمہارا

حصہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، وہ جنت میں ہے۔"

دوسری عبدہ بن شوال رحمۃ اللہ علیہا تھیں جو خود کو خدا کی نیک ترین خادمہ بتاتی تھیں اور ان کی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی خدمت کے بارے میں بہت سی کہانیاں بیان کی جاتی ہیں۔ آپ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی وفات تک ان کے ساتھ رہیں اور ان کی خدمت کرتی رہیں۔

باب ۱۵

اہم واقعات

تفاوتِ مرد وزن

سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ:

''ایک دن بصرے کے چند لوگ شرارت کی غرض سے آپ رحمۃ اللہ علیہا کے پاس آئے اور طنزاً کہنے لگے کہ آپ بڑی عابدہ وزاہدہ بننے کی کوشش کرتی ہیں حالانکہ خدا نے مَردوں کو وہ تین مرتبے عطا کئے ہیں جو عورتوں کو کبھی حاصل نہیں ہو سکتے، یوں عورت ذات مَردوں سے کمتر ہے۔ یہ کہہ کر وہ مَردوں کے تینوں رُتبے بتانے لگے کہ اوّل یہ کہ مَردوں کو عقل دی گئی ہے جبکہ عورتیں ناقص العقل ہیں، اس کا ثبوت یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے، دوم یہ کہ عورتیں ناقصِ دین بھی ہیں، اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہر ماہ عورتوں کو چند دن کے لئے نماز سے رستگاری حاصل ہوتی ہے۔ سوم یہ کہ کوئی عورت پیغمبری کے درجے تک نہیں پہنچ سکی۔ آپ نے یہ سب باتیں سن کر فرمایا تم صحیح کہتے ہو لیکن تین باتوں کی بنا پر عورتوں کو بھی مَردوں پر فضیلت حاصل ہے۔

اوّل یہ کہ عورتوں میں کوئی مخنث نہیں ہوا۔

دوم یہ کہ کسی عورت نے کبھی خدائی دعویٰ نہیں کیا۔

سوم یہ کہ سارے نبی علیہم السلام، ولی، صدیق اور شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عورت ہی کے بطن سے پیدا ہوئے اور اسی کی آغوش میں بڑھے پلے۔''

یہ سن کر وہ شرمسار ہو گئے اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا جیسی خاتون کے لئے ہی کہا گیا ہے کہ:

همت زن را مبیں انصاف ده
ایں چنیں زن از هزاراں مرد به

اعلیٰ عمل

کسی نے آپ رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا کہ سب سے اعلیٰ عمل کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا اوقات کو یادِ الٰہی میں بسر کرنا۔ پھر فرمایا جو شخص بزرگی کا دعویٰ کرے اور اس میں مراد پائی جائے تو سمجھ لو کہ وہ جھوٹا ہے۔ محبت کے دعوے میں مرد وہ ہے جو اپنی مراد سے در گزرے اور مرادِ حق کو اختیار کرے صرف اسی وقت وہ اللہ کا دوست کہلانے کا حقدار ہو گا۔

سخاوت

ایک بار حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی مجلس میں سخاوت پر گفتگو ہو رہی تھی آپ نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا سخاوت کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا اہل دنیا کے نزدیک سخی وہ ہے جو مال لٹاتا ہے اور اہل عقبیٰ کے نزدیک سخی وہ ہے جو بات لٹاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اے لوگو تم غلطی پر ہو حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا آپ کے خیال میں سخاوت کس کو کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا سخاوت یہ ہے کہ انسان صرف محبت کی بنا پر عبادت کرے نہ کہ اجر و ثواب کے لالچ سے۔

صبر

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نماز پڑھ رہی تھیں کہ نماز میں سجدے کے دوران بوریئے کا تنکا آپ کی آنکھ میں جالگا جس سے خون بھی نکلنے لگا مگر آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور اسی طرح نماز پڑھتی رہیں۔ایک بار اُٹھتے ہوئے آپ کا سر ایک ستون سے ٹکرا گیا سخت چوٹ لگی مگر آپ نے ذرا پرواہ نہ کی حاضرین نے تعجب کیا تو آپ نے فرمایا میں دیکھ رہی ہوں کہ جو کچھ بھی ہوا وہ اللہ کی مشیت و رضا سے ہوا۔ اسی وجہ سے مجھے بھی اس کا احساس تک نہ ہوا کیونکہ میں راضی بہ رضا ہوں۔

علم و معرفت

مشہور صوفی حضرت صالح مری قزوینی رحمۃ اللہ علیہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی مجالس میں آیا کرتے تھے اور بڑے شوق سے آپ کی باتیں سنا کرتے اور سوال پوچھا کرتے تھے ایک دن بار بار یہ کہتے جا رہے تھے کہ جو شخص دروازہ کھٹکھٹاتا رہے گا یقیناً اس کے لئے ضرور دروازہ کھولا جائے گا۔ جب وہ کافی دیر تک یہ کہتے رہے تو آپ بھڑک کر بولیں کہ دروازہ بند ہی کب کیا گیا تھا جو کھولا جائے گا۔ حضرت صالح مری قزوینی رحمۃ اللہ علیہ پر ایک دم بات کی وضاحت ہوگئی اور وہ کہنے لگے، بوڑھا جاہل نکلا اور عورت سمجھدار نکلی، یوں انہوں نے بھی دوسرے ہمعصر افراد کی طرح حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے علم و معرفت کا اعتراف کیا اور آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

حق کی پہچان

ایک سالک کو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا جب وہ

آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس سے ایک سوال کیا کہ کیا حق کو پہچانتے ہو؟ اس نے جواب دیا جی ہاں حق کو پہچانتا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم حق کو پہچانتے ہو تو بس اب تم کو چاہیے کہ کسی اور کو پہچاننے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔

آنسوؤں کی برسات

جناب نذیر محمد مکتبی اپنی کتاب صفحات نیرات من حیاۃ السابقات (اردو ترجمہ مولانا حبیب اللہ بنام خواتین اسلام کا مثالی کردار) میں عبداللہ بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ:

> ''میں رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا کے پاس ان کے گھر آیا میں نے دیکھا ان کے چہرے پر بہت نور تھا آپ کے سامنے کسی آدمی نے جہنم کے ذکر والی آیت پڑھی تو آپ چیخ مار کر گر پڑیں۔ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ان کے پاس گیا وہ چٹائی کے ٹکڑے پر بیٹھی تھیں اور ان کے آنسو چٹائی پر بارش کی طرح گر رہے تھے پھر اچانک چیخ مار کر بے ہوش ہو گئیں۔''

عمل کی قبولیت

اسی کتاب میں مذکور ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کا کوئی ایسا عمل ہے جو آپ کے خیال کے مطابق قبول ہو گیا ہو؟ آپ نے فرمایا کہ اگر ہو بھی سہی تو میرا خوف میرے اوپر لوٹا دیتا ہے۔ اسی طرح عباس بن ولید رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا اللہ مجھے بچانا اس بات سے کہ میری باتوں میں سچ کم

ہبہ کی دُعا

نذیر محمد مکتبی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا فرمایا کرتی تھیں کہ:

''اے اللہ! جس نے میرے اوپر ظلم کیا میں اسے تجھے ہبہ کرتی ہوں تا کہ تُو اسے اپنی رحمت سے معاف کر دے اور جس پر میں نے ظلم کیا اسے تو مجھے ہبہ کر دے تا کہ میں اس سے معافی مانگ سکوں اور محفوظ ہو جاؤں۔''

بہت رونے والی عبادت گزار خاتون

صفحات ''نیرات من حیاۃ السابقات'' میں سجف بن منصور کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ:

''میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پاس گیا وہ حالتِ سجدہ میں تھیں اور جب انہیں میری موجودگی کا احساس ہوا، اپنا سر اُٹھایا تو سجدہ کی جگہ آنسوؤں سے تر بتر تھی، میں نے سلام کیا، انہوں نے پوچھا بیٹا کوئی کام ہے؟ میں نے عرض کیا میں سلام کی غرض سے حاضر ہوا تھا، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا اللہ تیرے عیبوں کو چھپائے اور کچھ دُعائیں دیں پھر نماز میں مشغول ہو گئیں اور میں واپس آ گیا۔''

انسان اور اس کے دن

نذیر محمد مکتبی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''جعفر بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے سنا وہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو کہہ رہی تھیں کہ تُو تو چند دن ہے جب کہ تیرے بعض دن ختم ہو گئے اور بعض چلے گئے اور تیرے سارے بھی جا سکتے ہیں تو عمل کر لے۔''

یعنی آپ کا مطلب یہ تھا کہ موت سے پہلے کچھ عمل کر لے۔

جنت کا قید خانہ

کتاب ''حضرت رابعہ بصری قلندر رحمۃ اللہ علیہا'' میں جناب مصنف لکھتے ہیں کہ:

''حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کہیں سے گزر رہی تھیں آپ نے دیکھا وہاں ایک شخص جنت کا ذکر کر رہا ہے آپ وہاں رُک گئیں اور کہا میاں خدا سے ڈرو، تم کب تک بندگانِ خدا کو خدا کی محبت سے غافل رکھو گے، تم کو چاہیے کہ پہلے اُنہیں خدا سے محبت کی تعلیم دو اور پھر جنت کا شوق دلاؤ۔ اس شخص نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی یہ باتیں سنی تو ناک چڑھائی اور غصے سے کہا اے دیوانی! جا اپنا راستہ لے۔ آپ نے فرمایا میں دیوانی نہیں البتہ تُو دیوانہ ضرور ہے کہ راز کی بات نہ سمجھ سکا۔ ارے جنت تو قید خانہ ہے اور مصیبت کا گھر ہے اگر وہاں اللہ کا قرب میسر نہ ہو۔ کیا تم نے حضرت آدم علیہ السلام کا حال نہیں سنا کہ جب تک ان پر خدا کا سایہ رہا کیسے آرام سے جنت میں میوہ خوری کرتے رہے اور جس وقت ان سے خطا سرزد ہو گئی اور شجر ممنوعہ کا پھل کھا لیا تو خدا کی شفقت کا سایہ سے اُٹھ گیا تو وہی جنت حضرت آدم علیہ السلام کے لئے قید خانہ اور مصیبت کا گھر بن کر رہ گئی

پھر فرمایا کہ کیا تمہیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا حال معلوم نہیں کہ جب وہ محبتِ الٰہی میں پورے اُترے جب وہ آگ میں ڈالے گئے تو وہ آگ ان کے لئے جنت وعافیت بن گئی پس پہلے جنت کے مالک سے محبت پیدا کرو پھر جنت میں جانے کی آرزو کرو۔ اس جنت میں جا کر کیا کرو گے جہاں تم پر اللہ تعالیٰ کا سایہ نہ ہو۔ اگر جنت کسی مشتاق کو ملے اور وہاں دیدارِ الٰہی نصیب نہ ہو تو ایسی جنت کس کام کی اور اگر عاشقوں کو دوزخ ملے مگر وہاں دیدارِ الٰہی نصیب ہو تو ایسی دوزخ اس طرح کی جنت سے لاکھ درجے بہتر ہے، اسے شوق سے لے لو دنیا و مافیہا میں اور ساری کائنات میں اگر کچھ ہے تو وہ عشقِ الٰہی ہے۔''

سرِ الٰہی

حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی ایک مناجات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا یہ دُعا کیا کرتی تھیں کہ اے خدا اگر محشر میں تُو نے مجھے دوزخ میں ڈال دیا تو میں تیرا ایسا راز ظاہر کروں گی جس کو سن کر دوزخ مجھ سے ایک ہزار سال کی مسافت پر چلی جائے گی۔''

چھری

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بار کچھ لوگ قدموسی کے لئے آپ رحمۃ اللہ علیہا کے

پاس حاضر ہوئے تو آپ دانتوں سے گوشت کاٹ رہی تھیں انہوں نے سوال کیا کہ کیا آپ کے ہاں چھری نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا میں اس لئے دانتوں سے کام لے رہی ہوں کہ چھری اپنے پاس نہیں رکھتی اور میں چھری اس خوف سے اپنے پاس نہیں رکھتی کہ کہیں وہ میرے اور میرے محبوب کے درمیان رشتہ کو منقطع نہ کر دے۔

عبادت میں غفلت کا شاخسانہ

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ نے اپنی کتاب ''رابعہ دِی مِسٹک'' (Rabia The Mystic) میں السراج رحمۃ اللہ علیہ اور سبط ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ

> ''ایک بار حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بیمار تھیں اور کمزوری کی وجہ سے لیٹی ہوئی تھیں اس لئے آپ رات کی نماز ادا نہ کر سکیں اور سو گئیں اور کئی دن تک آپ دن چڑھے نماز ادا کرتی رہیں پھر اگرچہ آپ کی صحت ٹھیک ہوگئی تھی لیکن کمزوری برقرار تھی لہٰذا آپ کا رات کو اٹھ کر عبادت کرنے کا عمل موقوف رہا اور آپ دن کے وقت ہی عبادت کیا کرتی تھیں پھر آگے آپ خود بیان کرتی ہیں کہ ''ایک رات جب میں سو رہی تھیں تو مجھے اپنی نیند میں یوں محسوس ہوا کہ جیسے میں ایک سرسبز د شاداب باغ میں لے جائی گئی ہوں جہاں محلات اور خوبصورت ترین پودے اور درخت لگے ہوئے ہیں میں وہاں گھوم رہی تھی اور اس باغ کے حسن سے ششدر تھی کہ میں نے اس دوران ایک سبز پرندہ دیکھا جس کو پکڑنے کے لئے ایک خاتون اس کا پیچھا کر رہی تھی وہ بھی بہت خوبصورت تھی میں نے اس سے پوچھا کہ تم اس سے کیا چاہتی

ہو، اسے تنہا چھوڑ دو میں نے اس جیسا خوبصورت پرندہ کہیں نہیں دیکھا پھر اس نے کہا میں تمہیں اس سے بھی خوبصورت چیز نہ دکھاؤں میں نے کہا ضرور۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایک محل کے دروازے پر لے گئی، اس نے محل کا دروازہ کھولنا چاہا تو وہ خود ہی کھل گیا، اندر سے موم بتیوں کی روشنی ہر طرف سے آ رہی تھی، اس نے مجھے کہا کہ داخل ہو جاؤ۔ میں گھر میں داخل ہو گئی اندر کی خوبصورتی سے میری آنکھیں چندھیا رہی تھیں، میں نے دنیا میں ایسی چیزیں کبھی نہ دیکھی تھیں، ہم اس میں گھومتے رہے کہ ہمارے سامنے ایک دروازہ ظاہر ہوا جو ایک باغ میں کھلتا تھا وہ تیزی سے باغ میں داخل ہو گئی میں بھی ساتھ ہی تھی وہاں ہمیں خادموں کا ایک جمگھٹا ملا، ان کے چہرے موتیوں جیسے تھے اور ان کے ہاتھوں میں گھیکوار کی لکڑیاں (Aloes Wood) تھیں۔ اس خاتون نے ان سے پوچھا تم کیا تلاش کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اس جیسے کو تلاش کر رہے ہیں جو سمندر میں ڈوب کر شہید ہو گیا ہے۔ اس نے پوچھا کیا تمہیں اس خاتون کی خوشبو نہیں آ رہی؟۔ انہوں نے کہا اس کا اس میں حصہ تھا لیکن اس نے خود چھوڑ دیا پھر رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے کہا کہ اس نے مجھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور کہا:

تمہاری نمازیں بے وزن تھیں اور تمہاری عبادت فضول،
تمہاری نیند تمہاری نمازوں کی دشمن تھی
تمہاری زندگی تیاری کے لئے ایک موقعہ تھی جس کو تم نے
گنوا کر ضائع کر دیا اور تم نے تیاری نہیں کی

یہ موقعہ آہستہ آہستہ مدہم ہوتا گیا تا آنکہ غائب ہو کر ختم ہو گیا،
پھر وہ میری نظروں کے سامنے سے غائب ہو گئی، اور جب صبح ہوئی
اور میں بیدار ہوئی تو دیکھو کہ مجھے یہ سارا خواب یاد رہا میں نے اس
خواب کو اپنے ذہن کی اُلجھن اور رُوح کا وہم سمجھا۔

جب حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے یہ خواب بیان کیا تو وہ شدتِ
غم سے بے ہوش ہو کر گر پڑیں اور ان کی خادمہ کا کہنا تھا کہ اس
خواب کے بعد وہ اپنی وفات تک کبھی رات کو نہیں سوئیں۔"

ابنِ خلکان رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ عبدہ بنت ابی شوال رحمۃ اللہ علیہا جو آپ کی خادمہ تھی بتاتی ہیں کہ:

"حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ساری رات عبادت کیا کرتی تھیں
اور جب دن طلوع ہوتا تو اپنے آپ کو ہلکی سی نیند کی اجازت دیتیں
اور عموماً نماز والی جگہ پر ہی سو جاتی تھیں پھر فوراً ہی اُٹھ جاتی تھیں اور
خود سے کہا کرتی تھیں کہ اے رُوح تُو کب تک سوتی رہے گی اور کب
بیدار ہو گی جلد ہی تُو ایسی نیند سو جائے گی جس سے تُو کبھی جاگ نہیں
سکے گی اور پھر تُو اس وقت جاگے گی جب صور اسرافیل بجایا جائے
گا۔"

مجذوبہ حیونہ رحمۃ اللہ علیہا

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ کے مطابق امام ابو القاسم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "عقالہ المجانین" میں لکھتے ہیں کہ:

"ایک بار حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا، حیونہ رحمۃ اللہ علیہا سے ملنے

گئیں جو نہایت عبادت گزار، درویش اور مجذوبہ خاتون تھیں، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے رات وہیں بسر کی۔ آدھی رات کو جب رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو نیند سے اُونگھ آگئی تو حیونہ رحمۃ اللہ علیہا نے پاؤں کی ٹھوکر سے آپ کو اُٹھاتے ہوئے کہا کھڑی ہو جاؤ، ہدایت یافتہ لوگوں کی شب عروسی کا وقت آگیا ہے، رات کی نمازوں کی روشنی سے دن کی دُلہنوں کی خوشبو منکشف ہوتی ہے۔''

انکساری

حضرت یعقوب بن حارث بصری رحمۃ اللہ علیہ اکثر آپ کے پاس آیا کرتے تھے ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ جب وہ آئے تو انہوں نے آپ سے کہا کہ میں ایک سراپا معصیت بندہ ہوں مجھے نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم مجھ سے نصیحت چاہتے ہو حالانکہ تم خود پرہیز گار ہو تمہیں میری نصیحت کی کیا ضرورت ہے؟ اتنا کہہ کر آپ خاموش ہوگئیں اور پھر فرمایا میں ایک کمزور عورت ہوں، ناتواں ہوں، مجھ سے بھی غلطیاں سرزد ہوتی ہوں گی لہٰذا اگر میرا ربّ مجھ سے ناراض ہو گیا تو میں کیا کروں گی؟ اتنا کہہ کر آپ رونے لگیں اور اتنا روئیں کہ آنسوں کا دریا بہہ گیا، آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر یعقوب بن حارث رحمۃ اللہ علیہ بھی رو پڑے اور سوچنے لگے اللہ اکبر! جس خاتون کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ کی عبادت کے لئے وقف ہے، جو ہر کام میں اللہ کی رضا کو سامنے رکھتی ہیں، جس کی پیشانی صرف اللہ کے آگے سجدہ ریز ہوتی ہے اور جو اللہ کے سوا تمام رشتے منقطع کر چکی ہے اور جو عبادت و ریاضت میں عزت و کامرانی حاصل کر چکی ہیں جس پر اللہ کا اتنا کرم ہے وہ اگر اللہ سے اسقدر ہراساں ہے تو بھلا یعقوب تُو کس شمار و قطار میں ہے۔

دُنیاوی چیزوں سے بے رغبتی

بصرے کا ایک مال دار آدمی جو آپ کا عقیدت مند تھا آپ کے پاس حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اس سے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ایک سال کا راشن اور کپڑے وغیرہ قبول کر لیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم ذمہ داری قبول کرلو کہ میں سال بھر زندہ رہوں گی تو میں غلہ اور کپڑے قبول کرلوں گی یہ کہہ کر آپ دوبارہ عبادت میں مشغول ہو گئیں اور امیر آدمی مایوس واپس لوٹ گیا۔

باب ۱۶

آخری ایام اور وفات

موت کے بارے میں آپ کا رویہ

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ اپنی کتاب ''رابعہ دی مسٹک'' (Rabia The Mystic) میں لکھتی ہیں کہ:

''آپ رحمۃ اللہ علیہا نے طویل عمر پائی اور وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً نوے برس تھی۔ عمر اور جسمانی کمزوری کے باوجود آپ کا ذہن صحت مند اور طاقتور تھا اور آپ نصیحت حاصل کرنے کے لئے آنے والوں کی رُوحانی رہنمائی کیا کرتی تھیں۔ ''سیر الصالحات'' کے مصنف کہتے ہیں کہ جب آپ رحمۃ اللہ علیہا دوسروں سے موت کا ذکر سنتی تھیں تو کانپ اُٹھتی تھیں اور آپ کی انگلیاں لرزنے لگتی تھیں، کہا جاتا ہے کہ جب آپ رحمۃ اللہ علیہا کے سامنے آگ کا ذکر کیا جاتا یا آپ آگ کے چٹخنے کی آواز سنتی تھیں تو بے ہوش ہو جایا کرتی تھیں۔''

(بحوالہ طبقات از امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ و عبدالروف المناوی رحمۃ اللہ علیہ)

ابتدائی صوفیاء

ابتدائی صوفیاء کے طبقہ میں خصوصاً حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مکتبہ فکر کے

صوفیاء میں یوم حساب اور جہنم کا خوف بہت حاوی تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ابتدائی صوفیاء میں گناہ کی اخلاقی گراوٹ کا گہرا اور مضبوط احساس تھا اور یہ خیال پایا جاتا تھا کہ یہ گناہ دراصل خدا سے دُوری اور جدائی کا سبب ہیں جو اگلے جہاں میں صوفی کے لئے سب سے بڑی محرومی ہے۔ ایک مشہور صوفی خاتون عابدہ شعرانہ رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے موت کے وقت کہا تھا کہ وہ خدا سے ملاقات کی متحمل نہیں ہوسکتی، جب ان سے پوچھا گیا کہ کیوں؟ تو جواب دیا کہ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے۔ انہی احساسات کا ایک دوسری صوفی خاتون عبیدہ بنت کلاب رحمۃ اللہ علیہا پر مختلف اثر ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ چالیس سال تک روتی رہیں جس کی وجہ سے ان کی بینائی زائل ہوگئی۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کی خواہش کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا موت! جب ساتھیوں نے پوچھا کہ کیوں؟ تو جواب دیا کیونکہ ہر نیا دن جو طلوع ہوتا ہے یہ خدشہ لے کر آتا ہے کہ میں کہیں کوئی گناہ نہ کر دوں جو روزِ قیامت میں نقصان کا باعث ہو۔

خدا سے ملاقات کے تمنائی

چونکہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بھی ابتدائی صوفیاء کے مسلک سے ہی تعلق رکھتی تھیں لہٰذا ابتداء میں انہیں بھی یہ خوف لاحق تھے لیکن جوں جوں ان کی خدا سے قربت بڑھتی گئی توں توں ان کے دل سے یہ خوف جاتے رہے حتیٰ کہ آپ ان اوّلین صوفیاء میں سے ہوگئیں جنہوں نے خدا کے ساتھ بے لوث محبت کا ڈول ڈالا پھر آپ کے بعد یہ روایت چل پڑی مثلاً بعض صوفیاء میں یومِ آخرت کے خوف سے زیادہ خدا سے ملنے کی آرزو تھی۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا گیا کہ صوفی ابوسعید الخراز رحمۃ اللہ علیہ اپنی موت کے وقت عجیب سرمستی اور بڑے وجد میں تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تو اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے؟ اس کی رُوح جو خدا سے ملنے کی آرزو لے کر پرواز کر رہی تھی تو وہ

خوش کیوں نہ ہوتا! عظیم صوفی ابوعلی رودباری رحمۃ اللہ علیہ کی بہن فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا نے کہا کہ جب ان کے بھائی قریب المرگ تھے تو انہوں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہا! آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں، بہشت کی خوشبو آ رہی ہے اور کوئی کہہ رہا ہے اے ابوعلی! تم اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ گئے ہو۔

موت، علامتِ وصل

آپ کی تعلیمات کی بنیاد پر یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ آپ کا شمار ان لوگوں میں کیا جائے جو موت سے خوف زدہ تھے حالانکہ موت آپ کے نزدیک محبوب سے وصل کی علامت تھی جو عام دنیاوی اور عارضی وصال سے ماوراء اور بلند تھی اور ہمیشہ کے لئے تھی۔ آپ کے ایمان کی پرواز حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور ابوالفضیل رحمۃ اللہ علیہ سے بہت بلند تھی ابوالفضیل رحمۃ اللہ علیہ جو آپ سے دو سال بعد فوت ہوئے ان کے بارے میں کہا گیا کہ جب انہوں نے دنیا چھوڑی تو غم وحزن نے بھی دنیا چھوڑ دی۔ آپ نے اپنے ساتھیوں اور جماعت میں ایک بااعتماد اور درخشاں عقیدے کی بنیاد ڈالی جو اپنے آقا و مالک سے اتصال پر مبنی تھا اور اس میں کسی قسم کے خوف یا لالچ کا شائبہ تک نہ تھا۔ آپ نے اپنے ساتھی عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے کہا تھا کہ:

''موت وہ پل ہے جس پر سے گزر کر عاشق اپنے محبوب سے ملتا ہے۔''

(ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ حلیۃ الاولیاء)

محبت کی آگ

جہاں تک ان پر آگ کے ذکر کا اثر ہونے کا تعلق ہے تو آگ کا عنصر دراصل

دوزخ اور برائی سے جڑا ہوا ہے جو اولین صوفیاء کے ذہنوں میں پیوست تھا جبکہ بعد کے ایک عظیم صوفی شاعر مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ اس آگ کا موازنہ روشنی سے، برائی کا اچھائی سے، پاک کا ناپاک سے کرتے تھے اور فانی کا لافانی سے کرتے ہیں جو اس میں جا کر مٹ جاتی ہے (المناوی)۔ کشف المحجوب میں حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قہر کی آگ کا رحم کی روشنی سے موازنہ کیا ہے، دوسری طرف فارسی کے شعراء نے مسلسل عشق کی آگ اور اس کی زبردست طاقت کا ذکر کیا ہے۔ شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا محبت کی آگ میں جل رہی تھیں اس تاثر میں آگ ایک مقدس اور پاک عنصر ہے جو میل کچیل کو صاف کر دیتا ہے۔

شیخ ابوبکر کلابازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی دوسری مشہور کتاب ''معانی الاکبر'' میں آگ کی اصطلاح کو بڑے اچھے معنوں میں استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

''جو آگ کو محسوس کرے وہ جل جاتا ہے جبکہ جو خود آگ ہو اُسے کون جلائے گا۔ یعنی وہ جو اپنے نفس کی قید میں ہے اور گناہگار ہے وہ خدا کے قہر کا شکار ہوگا لیکن وہ جو خدا کی محبت کی آگ میں جل رہا ہے یوم قیامت کا اُسے کیا خوف ہوگا؟''

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ''احیاء العلوم'' میں صوفی کی آرزو کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''یہ خدا کی آگ ہے جو اس نے اپنے ولیوں کے دلوں میں روشن کی ہے تاکہ اس سے وہ اپنے اندر کی خواہشات، بیکار تصورات، مقاصد اور ضروریات کو جلا دیتی ہے۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی خدا سے محبت، ان کی آرزو اور شوق ناقابل موازنہ تھا، وہ خدا کی محبت کی آگ میں جل رہی تھیں لہٰذا موت کے ذکر پر وہ خوف سے نہیں کانپتی

تھیں بلکہ یہ خدا سے ملنے کی بیکراں خوشی تھی جس کی وجہ سے وہ کانپ اُٹھتی تھیں۔"

رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی بیماری

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی صحت نہایت کمزور تھی اپنی لگاتار عبادات، مسلسل زُہد و تقوے اور شاید جوانی کی مشکلات اور تکالیف کی وجہ سے وہ مسلسل بیمار اور کمزوری کا شکار تھیں۔ عشق الٰہی کی شدت کی وجہ سے آپ بہت رقیق القلب ہو گئیں تھیں اور اکثر آہ و زاری کیا کرتی تھیں شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ "تذکرۃ الاولیاء" میں فرماتے ہیں کہ:

"ایک بار آپ بیماری میں مبتلا آہ و زاری میں مصروف تھیں کہ دوستوں نے کہا اے اس دنیا کی قابل تعظیم ہستی! ہم آپ کی بیماری کی کوئی ظاہری وجہ نہیں پاتے پھر آپ درد سے یوں کیوں کراہ رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا! میری بیماری میرے سینے کے اندر ہے اور ساری دنیا کے طبیب بھی اس کے علاج سے بے بس ہیں اور میرے زخم کا مرہم صرف دوست کے ساتھ وصال ہی ہے، صرف اس کے دیدار سے مجھے تسکین مل سکتی ہے۔"

امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے شاید حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی اسی کیفیت کو شعر میں یوں ڈھالا ہے:

از سر بالیں بر خیز اے ناداں طبیب
درد مند عشق را دارو بجز دیدار نیست

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے درج بالا قول کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر

مارگریٹ سمتھ لکھتی ہیں کہ:

''وہ پاک رُوح جو خدا سے محبت کرتی ہے وہ اس دُنیا کی بجائے اگلی دُنیا میں رہتی ہے لیکن اس کا جسم اس دُنیا میں ہوتا ہے، اس وجہ سے وہ درد سے کراہتی ہے اور زبانِ حال سے کہتی ہے کہ دیکھو! محبت کا روگ نا قابلِ علاج ہے اور اس کا واحد علاج محبوب کا دیدار یا اس کا وصال ہے۔''

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''ایک اور موقع پر کسی نے رونے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا میں ڈرتی ہوں کہ کہیں آخری گھڑی یہ آواز نہ بلند ہو جائے کہ رابعہ تو ہمارے سامنے کھڑے ہونے کے لائق نہیں۔''

بیماری کی شدت

بیماری کے دنوں میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی خوراک بہت کم ہوگئی تھی اور وہ صرف اتنا کھاتیں جس سے ان کی پنڈلیوں میں ان کا بوجھ اُٹھانے کی قوت رہے۔ بیماری کے باوجود آپ دن رات نماز میں مصروف رہتیں آپ گوشت خور نہ تھیں اور سبزیاں کھاتی تھیں، اس بارے میں وہ اپنے ہم عصر رُباح بن عمر قیس رحمۃ اللہ علیہ کی ہم مسلک تھیں۔ جب بیماری سخت ہوگئی تو گھر سے نکلنا موقوف کر دیا۔

دوستوں کی آمد و بیمار پرسی

اس کے بعد صوفی مرد و زن عیادت اور نصیحت حاصل کرنے آپ کے گھر آنے لگے آپ ان کی آمد پر خوش ہوتیں اور ان کے سوالات کے جوابات بھی دیتی رہتیں تھیں۔ کئی

جوابات دیتے وقت آپ رو پڑتیں تھیں۔ شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ''تذکرۃ الاولیاء'' میں لکھتے ہیں کہ:

''ان ہی دنوں میں آپ کے پاس آپ کے تین دوست ملنے اور تیمار داری کے لئے تشریف لائے جن میں خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اور جناب شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ شامل تھے، دُعا سلام اور حال احوال پوچھنے کے بعد سب نے بات چیت شروع کر دی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے بھی سرگرمی سے حصہ لینا شروع کر دیا، باتوں باتوں میں موضوعِ سخن صدق کی طرف ہو گیا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ شخص اپنے دعوے میں سچا نہیں جو خدا کے پہنچائے ہوئے دُکھ پر صبر نہیں کرتا، یہ سن کر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا کہ اس بات سے انا پرستی کی خوشبو آتی ہے، جس پر شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے بات کا سرا پکڑا اور کہا وہ اپنے دعوے میں صادق نہیں جو خدا کے پہنچائے ہوئے دُکھ درد پر شکر گزار نہیں ہوتا۔ اس پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا کہ کچھ اس سے بہتر ہونا چاہیے، جس پر مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے کوشش کی اور فرمایا وہ شخص اپنے دعوے میں سچا نہیں جو خدا کے دیئے ہوئے دُکھ درد پر خوش نہیں ہوتا۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا یہ بھی ناکافی جواب ہے۔ اس پر وہ سب بولے اب آپ ہی فرمائیں۔ آپ نے فرمایا وہ شخص پنے دعوے میں سچا نہیں جو محبوب کے مشاہدے میں اپنی تکلیف کو بھول نہ جائے یعنی جو اپنے مالک و آقا کے دیدار پر اپنے زخموں کی اذیت کو فراموش نہ کر سکے وہ اپنے دعوے میں سچا نہیں۔''

آپ کے قول کی تصدیق کرتے ہوئے شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

''یہ کوئی انہونی بات نہیں، زنانِ مصر نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال دیکھ کر لیموں کاٹنے کی بجائے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں تھیں اور ذوقِ نظارہ میں انہیں اس زخم کی تکلیف کا احساس تک نہ ہوا تھا۔ اگر خدا کی محبت میں کسی کی ایسی حالت ہو جائے تو اس میں اچھنبے والی کوئی بات نہیں۔''

آخری ایّام

زندگی کے آخری ایام میں آپ وصالِ خداوندی کے لئے بہت بے چین رہا کرتی تھیں، ہر وقت آنسوؤں کی جھڑی آنکھوں سے رواں رہتی، غذا برائے نام رہ گئی تھی، جسم بالکل کمزور پڑ گیا تھا مگر دل اب تک قوی تھا، قربِ خداوندی کی شدید خواہش کا یہ عالم تھا کہ کفن ہر وقت تیار نظروں کے سامنے رہتا، باقی گھر میں کوئی چیز نہ تھی اینٹوں کا ایک بستر تھا جس پر وہ سوتی تھیں اور اسی پر نماز پڑھتی تھیں۔

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ ''تاریخ المنتظم'' میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے ایک ساتھی محمد بن امر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے گھر گیا، وہ اسّی سالہ بوڑھی خاتون تھیں جن کی کھال لٹک چکی تھی میں نے ان کے گھر بان کی چٹائی اور کپڑے لٹکانے والی دو گز کی لٹکن جس پر آپ کا کفن اور گھر کا پردہ جو کھجور کے پتوں کا بنا ہوا تھا پڑا رہتا تھا دیکھا شاید ایک چٹائی اور مٹی کا ایک جگ اور اینٹوں کا ایک بستر تھا جس پر آپ نماز بھی پڑھا کرتی تھیں۔''

آخری لمحات

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق وفات سے دو دن پہلے آپ بہت خوش نظر آنے لگیں، چہرے پر رونق واپس آ گئی لوگ یہ سمجھنے لگے کہ شاید آپ کی حالت بہتر ہو رہی ہے لیکن آپ نے اپنی خادمہ عبدہ بنت ابی شوال رحمۃ اللہ علیہا کو بتایا کہ آپ کی بات مان لی گئی ہے اور جلد ہی دُوری ختم ہو جائے گی لہٰذا میں وصیت کرتی ہوں کہ میری موت کا کسی کو نہ بتانا میرا وقت قریب آ رہا ہے اور مجھے بالوں سے بنے ہوئے جبے اور اوڑھنی بطور کفن دینا بالکل اسی طرح کی ایک اور روایت جو ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ نے اپنی کتاب ''رابعہ دِی مِسٹک'' (Rabia The Mystic) میں ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ، سبط ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ اور ریاض الریاحین رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے درج کی ہے کہ:

''سیدہ رابعہ بصریہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا کے متعلق ان کی خادمہ عبدہ بنت ابی شوال رحمۃ اللہ علیہا نے بیان کیا کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا تمام رات طلوع فجر تک نماز پڑھتی رہتی تھیں کچھ وقفے کے لئے مصلے پر لیٹ جاتیں تو اچانک گھبرا کر بیدار ہو جاتیں اور کہتیں ''اے نفس! تُو کب تک پڑا سوتا رہے گا اور عبادت کے لئے نہیں اُٹھے گا، وہ وقت قریب ہے کہ جب تو ایسی نیند سوئے گا کہ پھر صورِ اسرافیل ہی سے بیدار ہو گا ان کی یہی حالت اخیر دم تک رہی۔ وفات کا وقت قریب آیا تو مجھے بلا کر اُون کا ایک جبہ دکھایا اور کہا کہ انتقال کے بعد مجھے اس کا کفن دینا اور میری وفات کی کسی کو خبر نہ دینا، یہ وہی جبہ تھا جسے وہ تہجد کے وقت پہنا کرتی تھیں چنانچہ میں نے انہیں اسی جبہ اور ایک اُونی چادر میں کفن دیا۔''

دمِ نزع

جب دمِ نزع آپہنچا تو آپ نے پاس بیٹھے ہوئے دوستوں مریدوں سے کہا کہ اُٹھو راستہ کشادہ کرو، اللہ تعالیٰ کے قاصد آرہے ہیں، سب لوگ بھاری اور بوجھل دل سے اُٹھے اور باہر نکل گئے جب انہوں نے دروازہ بند کیا تو انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے کلمۂ شہادت کی آواز سنی پھر انہوں نے ایک اور آواز سنی جو کہہ رہی تھی:

(يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ○ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ)

ترجمہ: ''اے مطمئن رُوح! چل اپنے ربّ کی طرف، تُو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، پھر شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری جنت میں۔''

(سورۃ الفجر: ۲۷ تا ۳۰)

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''اس کے بعد کوئی آواز نہ سنی گئی وہ واپس لوٹے تو دیکھا کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر کے خالقِ حقیقی سے جاملی تھی۔ دوستوں اور پڑوسیوں نے وصیت کے مطابق ان کی تدفین کا انتظام کیا اور چشم ہائے پرنم سے ان کو الوداع کہا۔ اب جبکہ محبّ اور محبوب کے درمیان سے پردہ اُٹھ چکا تھا تو ایک ولی اللہ نے کہا۔ '' آج اس کا وصال ہوگیا جس نے کبھی خدا کی شان میں گستاخی نہیں کی نہ کسی سے کچھ مانگا، کسی سے طلب کرنا تو درکنار اپنے خالق و مالکِ حقیقی سے بھی کبھی کچھ نہیں مانگا۔''

سن وفات

جس طرح آپ کے سال ولادت سے متعلق مورخین اور تذکرہ نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے اسی طرح سال وفات سے متعلق بھی ان کے اقوال مختلف ہیں۔ بہت سے مصنفین نے تو ان کی تاریخ وفات کا ذکر تک نہیں کیا البتہ ایک بات پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ نے طویل عمر پائی، آپ کی زندگی چونکہ ریاضت و مجاہدات سے بھرپور تھی اس لئے اپنے دَور میں آپ کو اُمّ الخیر کے لقب سے پکارا گیا۔

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ، ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ، ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عماد حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا سال وفات 185 ہجری بمطابق 801 عیسوی ہے۔ آپ نے بصرہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئیں جبکہ بعض مورخین کے مطابق آپ کے رحلت کا سال 180 ہجری ہے۔

مزار مبارک

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا مزار مبارک بصرہ میں ہی ہے۔ مشہور سیاح ابنِ بطوطہ کی شہادت بھی یہی ہے، البتہ دو دوسری قبریں جو آپ کے نام سے مشہور ہیں جن میں سے ایک بیت المقدس کے قرب و جوار اور دوسری دمشق میں محلہ قمریہ میں واقع ہے جو کہ دراصل حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی ہم نام عابدہ و زاہدہ خواتین رابعہ بدویہ رحمۃ اللہ علیہا اور رابعہ شامیہ رحمۃ اللہ علیہا کی قبریں ہیں۔

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''محمد بن اسلم الطوسی رحمۃ اللہ علیہ اور لغمی طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی قبر کی زیارت کی اور کہا ''اے رابعہ! تم کہا

کرتی تھیں کہ میں دونوں جہانوں سے فارغ ہوگئی ہوں اب وہاں تمہاری کی حالت ہے؟'' تو قبر سے آواز آئی کہ ''میں نے جو کچھ دیکھا تھا اسے پالیا ہے۔'' یعنی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اپنی جستجو کی منزل پالی تھی۔ آخر کار وہ اپنے دوست کے ساتھ ہمیشہ کے لئے ملحق ہوگئی تھیں، انہوں نے ہمیشہ رہنے والا ازلی وابدلی حسن و جمالِ یار دیکھ لیا تھا اور ان کی رُوح شادکام ہوگئی تھی۔''

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاك طینت را

عالم خواب میں

تدفین کی رات ہی کسی نے آپ کو خواب میں بہت خوش دیکھا اور پوچھا منکر نکیر سے ملاقات کیسی رہی؟ آپ نے فرمایا:

''دونوں فرشتے میرے پاس آئے تھے اور مجھ سے پوچھنے لگے تیرا ربّ کون ہے؟ میں نے ان سے کہا جاؤ اور رب تعالیٰ کو بتاؤ کہ ہزاروں لاکھوں مخلوقات کے باوجود جب تُو نے اس کمزور اور بوڑھی عورت کو فراموش نہ کیا تو میں جس کا اس دنیا میں تیرے سوا اور کوئی نہ تھا اور میں نے تجھی کو ہی عزیز رکھا، تجھے بھلا میں کیسے بھول سکتی ہوں تُو خواہ مخواہ دوسروں کی بیچ میں لاکر مجھ سے پوچھتا ہے تیرا رب کون ہے؟ یہ سن کر منکر نکیر چپ چاپ واپس چلے گئے۔''

عبدہ بن ابی شوال رحمۃ اللہ علیہا کا خواب

عبدہ بن ابی شوال رحمۃ اللہ علیہا بیان کرتی ہیں کہ:

''تدفین کے تقریباً ایک سال بعد حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا مجھے خواب میں نظر آئیں، میں نے دیکھا کہ انہوں نے سبز استبرق کا جبہ اور ریشمی سنہری اوڑھنی زیب تن کی ہوئی ہے، میں نے ایسا خوبصورت لباس کبھی دُنیا میں نہ دیکھا تھا، میں نے رابعہ رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا کہ ارے رابعہ! آپ نے اپنے کفن کا کیا کیا جس میں آپ کو دفنایا گیا تھا؟۔ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے جواب دیا وہ لباس مجھ سے لے لیا گیا تھا اور مجھے یہ لباس دے دیا گیا، میرا وہ لباس اور اوڑھنی سربمہر فرشتوں نے رکھ لیا ہے تا کہ روزِ حشر مجھے لباس عطا ہو۔ عبدہ رحمۃ اللہ علیہا نے پوچھا کہ آپ دُنیا میں نیک اعمال اسی لئے کیا کرتی تھیں؟ فرمایا رب تعالیٰ نے اپنے اولیاء کیلئے ایسی ایسی نعمتیں تیار کی ہیں کہ ان کے مقابل اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ عبدہ رحمۃ اللہ علیہا نے کہا مجھے کوئی ایسی نصیحت کریں جس سے اللہ کا قرب حاصل ہو، فرمایا ''اللہ کا ذکر کثرت سے کرو عنقریب قبر میں تمہیں شادمانی حاصل ہوگی۔''

یہ خواب ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ اور سبط ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

(بحوالہ رابعہ دی مسٹک)

منزلِ مقصود

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اپنی ایک نظم میں کہا تھا:

''میری ساری امید اس کے وصال سے وابستہ ہے اور یہی میری

آرزو کا مطمعٔ نظر ہے۔''

اسی طرح ایک بار آپ نے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا تھا:

''میں نے دُنیا کو چھوڑ دیا ہے اور میں خود سے گزر گئی ہوں، میں اس سے متصل ہو چکی ہوں بلکہ میں اس کی بن چکی ہوں۔''

اسی طرح ایک بار آپ نے رُوحانی پریشانی اور تکلیف میں کہا تھا کہ:

''اس کا علاج صرف اور صرف اپنے محبوب سے وصال میں ہے اور اگلی زندگی میں وہ اسے حاصل کرے گی۔''

(شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے عمر بھر اپنے اسی نصب العین پر نگاہیں مرکوز رکھیں اور جب آپ کی زندگی کا آخری لمحہ آیا ہوگا تو یقیناً آپ نے کہا ہوگا بقول مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ:

اُٹھو اے محبت کرنے والے اور آگے بڑھو!
دنیا سے ہمیشہ کے لئے رُخصت ہوجانے کا وقت آ گیا ہے
اے دل! اپنے دل کی محبت کی طرف بڑھو!
اور اے دوست! اپنے دوست کی طرف پرواز کرو!

باب ۱۷

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے اقوال، مناجات اور دُعائیں

درج ذیل تمام اقوال خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تذکرۃ اولیاء'' سے اکٹھے کیے گئے ہیں۔

☆ کسی نے آپ سے پوچھا آپ جس کی عبادت کرتی ہیں کیا اس کو دیکھتی بھی ہیں؟

آپ نے جواب دیا:

''اگر میں نہ دیکھتی تو کبھی اس کی عبادت نہ کرتی۔''

یعنی عارفۂ زمانہ ہر دم حضوری میں ہوتی تھیں وگرنہ تو عام عبادت گزار کی یہ خواہش ہوتی ہے جسے وہ زبان حال سے یوں بیان کرتا ہے بقول حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں

جبکہ زاہدوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ:

یہ پردہ داری ہے کہ تماشہ، مجھی میں رہ کر مجھی سے پردہ
تباہ کرنا ہے اگر مجھ کو، نقاب اُٹھا اور تباہ کر دے

لیکن عارف خود کو جاننے کے عمل سے گزر کر اپنے رب کو پہچان چکا ہوتا ہے۔

من عرفهٗ نفسهٗ فقد عرف ربهٗ

لہٰذا قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

''وہ وہی کہتا ہے جو دیکھتا ہے۔ یہ ہر وقت اس کے حضور میں ہوتے ہیں لہٰذا عارفہ یہ جواب کیوں نہ دیتیں۔''

☆ کسی نے پوچھا کہ کیا آپ شیطان سے دشمنی رکھتی ہیں یا نفرت کرتی ہیں؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہا نے جواب دیا کہ:

''مجھے رحمٰن کی دوستی سے ہی فرصت کہاں کہ میں شیطان کی دشمنی میں مشغول ہوسکوں۔''

آپ کی اسی کیفیت کو فارسی کے مشہور شاعر ظہوری رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا ہے:

شد عشق سینہ ظہوری پر از محبت یار

برائے کینہ اغیار در دلم جا نیست

''دوست کو زیبا نہیں کہ دوست (حق تعالیٰ) کی مرضی کے خلاف کرے۔''

☆ یعنی دوست کو رضائے دوست کا اتنا خیال ہو کہ اگر کوئی تکلیف بھی اس پر آجائے تو اس پر بھی دوست سے شکایت یا شکوہ نہ کرے بلکہ اس پر بھی شکر کرے کیونکہ وہ ہر حال میں راضی برضا رہتے ہیں، مرضی مولیٰ ہمہ اولیٰ کے مصداق اگر وہ بیمار بھی ہو جائیں تو تندرستی کی نہ تو خود دُعا کرتے ہیں نہ دوسروں کو اس کی اجازت دیتے ہیں جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:

مرضی یار کے خلاف نہ ہو

لوگ میرے لئے دُعا نہ کریں

یہ قول مکمل صورت میں یوں بھی بیان ہوا ہے کہ:

''حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی صحت کے لئے دُعا کی تو فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ بیماری محبت کی طرف سے آئی ہے ایسی حالت میں اس کے رفع ہونے کی دُعا یا درخواست مسلکِ رضا کے خلاف ہے۔''

☆ ایک دفعہ بیماری کے دوران فرمایا:

''میرے سینے میں ایسی آگ روشن ہے جس کے علاج سے طبیب بھی عاجز ہیں، میرے زخم کا مرہم صرف وصالِ الٰہی ہے۔''

یعنی یہ بیماری جس نے دی ہے وہ ہی اس کا علاج اور درماں ہے باقی ساری دُنیا کے طبیب اس کے سامنے بے بس ہیں۔

بقول شاعر

درد از یار است درماں نیزھم

دل خدائے اوشد و جان نیزھم

☆ کسی نے کہا کہ آپ شیریں سخن ہیں لہٰذا آپ کو تو کسی مسافر خانے کی نگہبانی زیبا ہے آپ نے فرمایا:

''میں خود اپنے مسافر خانے کی محافظ ہوں، جو کچھ میرے اندر ہے اُسے باہر نکالتی ہوں اور جو کچھ باہر ہے اسے اندر داخل نہیں ہونے دیتی۔''

ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ دل کی نگہبان ہیں جسدِ خاکی کی نہیں۔

☆ ''میں اس لئے روتی ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موت کے وقت یہ ندا آئے کہ تُو ہماری درگاہ کے لائق نہیں۔''

یہ وہ خوف ہے جو تمام عظیم انسانوں کو لاحق رہا اور اسی کی وجہ سے وہ خدا سے اور قریب ہوتے چلے گئے اور محنت اور عبادت و ریاضت کرتے گئے اور پھر وہ مقام پالیا کہ ان کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ اور ان کی آنکھ اللہ کی آنکھ بن گئی:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز

☆ ''جہاں تک ہو سکے کوشش کرو کہ دل بیدار رہے۔''

کیونکہ دلِ بیدار نہ صرف انفرادی طور پر زندگی کا باعث ہے بلکہ قوموں کو جگانے، اُٹھانے کا بھی یہی چارہ ہے۔

یہ قول یوں بھی درج ہے:

''کوشش کر کے دل کو بیدار کرو اور جب دل بیدار ہوگا تو پھر محبوب کی طلب نہیں رہتی۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بیدار دل وہ ہے جو خدا کی محبت میں کھو جائے اور جو اس غیر فانی کی محبت میں کھو جائے اسے کوئی طلب باقی نہیں رہتی وہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جاتا ہے۔''

☆ ''زبان سے استغفار کرنا جھوٹوں کا کام ہے۔''

کیونکہ وہ عملاً تو برے کام نہیں چھوڑتے، صرف زبانی کلامی توبہ کرتے ہیں لہٰذا وہ جھوٹے ہوتے ہیں۔

☆ ''اگر ہم خود بینی سے توبہ کریں تو دوسری توبہ کے محتاج ہوں گے۔''

☆ ''صبر مرد ہوتا تو کریم ہوتا۔''

☆ ''معرفت کا ثمر یہ ہے کہ بندہ خدا کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔''

مقصد یہ ہے کہ معرفت انسان کو ماسویٰ اللہ سے بیگانگی اور اللہ تعالیٰ سے یگانگی پر مائل کرتی ہے اور انسان ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ کا ہو جاتا ہے اور کہتا

ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

ترجمہ: ”تم فرماؤ! بیشک میری نماز، اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہاں کا پالنے والا ہے۔“

(سورۃ الانعام 6، آیت 162)

☆ عارف وہ ہے جو حق تعالیٰ سے دل چاہے اور جب اس کو پاک صاف دل عطا کیا جائے تو وہ اُسے اُس دم خدا کے سپرد کر دے تا کہ اس کے قبضے میں محفوظ رہے۔

سپردم بتو مایۂ خویش را

تودانی حساب کم و بیش را

دیگر کتب سے:

ایک متلاشی حق نے آپ سے پوچھا عبادت کا کیا حال ہے؟ فرمایا:

”رکعتان فی عشق لا یصح وضوء هما الا بالدم“

”یعنی عشق کے اندر صرف دو رکعتیں ہیں مگر ان کا وضو صحیح نہیں ہو سکتا جب تک اپنے خون سے وضو نہ کیا جائے۔“

☆ ”اگر راحت میں شاکر ہو تو تکلیف کے وقت بھی صبر و رضا سے کام لو۔“ کیونکہ یہی مسلکِ تسلیم و رضا ہے کہ سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے۔

☆ ”پانی پر چلنا اور ہوا میں اُڑنا بزرگی اور خدائی قربت کی دلیل نہیں کیونکہ چھوٹی سے چھوٹی مچھلی بھی پانی میں تیر سکتی ہے اور حقیر مکھیاں بھی ہوا میں اُڑتی پھرتی ہیں۔“

کیونکہ بزرگانِ دین اور مقرب بارگاہ الٰہی کرامات وغیرہ کو حجاب سمجھتے اور ان سے شعوری طور پر اجتناب کرتے ہیں۔

☆ ایک بار آپ سے بیماری کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا:

"آج میرے دل میں جنت کی خواہش پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے مجھ پر بارگاہِ الٰہی سے عتاب ہوا اور کہا گیا کہ میں نے اس کے سوا کسی اور چیز کی تمنا کیوں کی۔ لہٰذا اسی علامت کا سبب صرف محبوب کی ناراضگی ہے اور کچھ نہیں۔"

☆ دُنیا کو منافق کے سوا کوئی طلب نہیں کرتا کیونکہ دُنیا منافقوں کا ملجا و ماویٰ ہے۔

(حکایاتِ اولیاء از نصیر الدین حیدر۔ حیاتِ ابدی)

☆ اے نفس! تُو اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویدار ہے اور اس کی نافرمانی بھی کرتا ہے اگر تُو محبت میں صادق ہے تو اپنے ربّ کی اطاعت بھی کر۔ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی اطاعت ضرور کرتا ہے۔

☆ محبت ازلی و ابدی شے ہے۔

☆ دل کو قابو میں رکھ اور اختیار حاصل ہونے پر ناجائز خواہشوں سے بچ، یہی مردانگی ہے۔

☆ جس طرح موم اپنے آپ کو جلا کر روشنی پہنچاتی ہے اسی طرح تم بھی اپنے آپ کو جلاؤ۔

☆ جس طرح سوئی برہنہ رہ کر دوسروں کے تن ڈھانپنے کا سامان کرتی ہے اسی طرح تم بھی دوسروں کے کام آؤ۔

☆ موم روشنی پیدا کرتا ہے گھر میں اُجالا کرتا ہے مگر خود جل کر فنا ہو جاتا ہے، اس طرح انسان کو عشقِ الٰہی اختیار کر کے خدمتِ خلق میں فنا ہو جانا چاہیے۔

☆ سوئی سے خواہ کیسا ہی کپڑا کیوں نہ سیا جائے وہ ہمیشہ ہی تیز رہتی ہے بعینہ انسان کو بھی عملِ عبادت میں تیز رہنا چاہیے۔

☆ اچھے کاموں میں مشغول رہنا جن سے لوگوں کی بھلائی ہو بزرگی ہے۔

☆ کسی عورت نے نہ نبوت کا دعویٰ کیا نہ خدائی کا۔ انبیاء علیہم السلام، صدیق، شہداء اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، سب اسی کی گود میں پرورش پا کر بڑے ہوئے۔

☆ عجیب و غریب اور خوارق العادت امور دکھلانا ایک قسم کا مکر ہے، کرامت استقامت میں ہے۔

☆ انسان کو ہمیشہ بال کی مانند رہنا چاہیے تاکہ اسے نعمت دوام حاصل ہو اور برقرار رہ سکے۔

☆ اللہ سے لو لگانے والوں کو ممنوعات کے مشاہدے کی فرصت نہیں ہوتی۔

☆ کسی دل میں دُنیا اور خدا کی محبت یکجا نہیں ہو سکتی۔

☆ جس دل میں شمع الٰہی روشن ہو اس کے زخمِ دل کا مرہم وصالِ الٰہی ہے۔

☆ وہ شخص انتہائی بدتر بندۂ خدا ہے جو محض طمع اور لالچ اور خوف سے عبادت کرتا ہے۔

☆ میں اللہ کو دیکھتی ہوں اس لئے اس کی عبادت کرتی ہوں۔

☆ اللہ کی عبادت خالصتاً اللہ ہی کے لئے کرنی چاہیے، جنت کی لالچ یا دوزخ کے خوف سے نہیں کرنی چاہیے۔

☆ اس ذات سے انسان کو شرم کھانا چاہیے جس کے ہاتھ میں ساری کائنات ہے۔

☆ انسان کو دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر اللہ کے حضور شرمندہ نہیں ہونا چاہیے۔

☆ عورت کبھی اس حد تک متکبر نہیں ہوئی کہ اس نے انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ لگایا ہو۔

☆ کوئی شخص اللہ کو برا بھی کہے تب بھی اللہ اس کا رزق نہیں چھینتا۔

☆ جو انسان اللہ تعالیٰ کی محبت کا دم بھرتے ہیں وہ ہمیشہ ظاہری رزق اور اسباب سے محروم رہتے ہیں۔

☆ جاہل انسان وہ ہے جو اللہ کو بھول جائے اور دُنیا کو یاد رکھے۔

☆ اللہ کی رضا سے بہتر کوئی شے نہیں اس لئے اس کی رضا پر راضی اور شاکر رہنا چاہیے۔

☆ جو شخص اپنے محبوب کے مشاہدے کے دوران بھی اپنی تکالیف کو نہیں بھولتا وہ دعویٰ عشق میں سچا نہیں۔

☆ اے اللہ اگر تیری عبادت خوف سے کروں تو مجھے دوزخ میں جلا، اگر جنت کی لالچ میں کروں تو جنت سے محروم رکھ، اور اگر تیری خاطر کروں تو اے اللہ مجھے اپنے دیدار سے محروم نہ رکھنا۔

☆ اللہ تعالیٰ کے متعلق برا گمان نہ رکھو ورنہ برباد ہو جاؤ گے۔

☆ ثواب اور مغفرت کی امید اس وقت رکھو جب نیک اعمال اور عبادت کثرت کے باوصف کم تر نظر آئیں۔

☆ عمل کے بغیر علم ایسا ہے جیسے رُوح کے بغیر جسم۔

☆ استغفار بھی استغفار کی محتاج ہوتی ہے اگر یہ اخلاص وسچائی سے خالی ہے۔

☆ ایمان کامل کی دولت ان کو ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقرب ومحبوب ہوتے ہیں۔

☆ اللہ پر توکل کرنے والا کبھی مسائل کا شکار نہیں ہوتا۔

☆ دنیا ایسے دوست کی مانند ہے جو بظاہر دوست لیکن اندر سے (در پردہ) دشمن ہے۔

☆ اللہ کے حریمِ محبت کا دروازہ ہمیشہ سے بے حجاب ہے، اس کے کاشانہ وصال

کے بابِ عشق نواز کا کوئی پاسبان نہیں، وہ تو ہر لحظہ اپنے مخلص طالبین کا منتظر ہے مگر رونا تو اس بات کا ہے کہ ہمارے پاس مہمانِ عزیز کے لئے جگہ ہی نہیں جہاں وہ اپنے محبت کے قدم رکھ سکے۔

(حیات ابدی)

☆ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے ربّ کو کیسے پہچانا؟ تو فرمایا:
''میں نے اسے بلا کیف پہچانا۔''
یعنی وہ کیف و کیفیت نہیں رکھتا جس کو بیان کیا جا سکے۔

(جمالِ قرب الٰہی)

☆ ''عاصی اس وقت تک توبہ نہیں کر سکتا جب تک خدا توفیق نہ دے۔''

☆ ''عبادت کی توفیق مل جانا بہت بڑی بات ہے، ہم تو اس کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتے۔''

☆ ''دُنیا کا ذکر وہ کرتا ہے جو اسے دوست رکھتا ہے۔''

☆ ''دُنیا میں سلامتی صرف دُنیا کو ترک کر دینے سے مل سکتی ہے۔''

☆ ''محبت روزِ ازل سے آئی اور ابد تک رہے گی کیونکہ بزمِ عالم میں تا حال کسی نے اس کا ایک گھونٹ تک نہیں چکھا لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ میں ضم ہو کر رہ گئی۔ اسی لئے اس کا ارشاد ہے: (یحبھم و یحبونہٗ)
''خدا ان کو محبوب رکھتا ہے جو اس کو محبوب رکھتے ہیں۔''

☆ ''خدا اپنے بندے سے اس وقت خوش ہوتا ہے جب بندہ محنت پر اس طرح شکر کرتا ہے جس طرح نعمت پر کرتا ہے۔''

☆ پوچھا گیا کہ خدا کا قرب کیسے حاصل ہوا؟ جواب دیا کہ:
''بندہ دنیا و آخرت میں سوائے اُس کے کسی کو دوست نہ رکھے۔''

☆ ''میرا رنج اس وجہ سے نہیں کہ میں رنجیدہ ہوں بلکہ اس لئے ہے کہ میں رنجیدہ نہیں ہوں۔''

(نفحات الانس)

☆ موسمِ بہار میں آپ کو کہا گیا کہ باہر آ کر صانع کی قدرت کے نظارے دیکھیں تو جواب دیا:

''میرا کام صانع کو دیکھنا ہے اس کی صفت کو نہیں اور میں چونکہ اس کو دیکھنے میں محو ہوں لہٰذا کسی اور طرف دیکھنے کی فرصت ہی نہیں۔''

☆ ''مجھے غیر اللہ سے مانگتے ہوئے حیا آتی ہے کیونکہ مالک دنیا تو اللہ تعالیٰ ہے اور دنیا کو ہر شے عاریتاً عطا کی گئی ہے اور جس کے پاس خود ہر شے عارضی ہو اس سے کچھ طلب کرنا باعثِ ندامت ہے۔''

☆ ''اگر دوزخ اور جنت نہ ہوں تو کیا اللہ تعالیٰ اس لائق نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔''

☆ ایک بار جب گر کر آپ کا ہاتھ ٹوٹ گیا تو آپ نے سجدہ ریز ہو کر ربّ العزت سے یوں مناجات کی۔

''اے میرے آقا! میں ایک یتیم اور بے کس لڑکی ہوں، ماں باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو چکی ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ ایک اجنبی شخص کی غلامی میں بھی ہوں اور میرا بازو ٹوٹ گیا ہے لیکن ان باتوں کا مجھے کوئی غم ہے نہ افسوس۔ مجھے جس بات کی فکر ہے میرے آقا وہ ہے تیری رضا! کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ تُو مجھ سے راضی بھی ہے یا نہیں۔''

اس پر غیب سے آواز آئی اے رابعہ! ہم تجھ سے راضی ہیں تُو فکر نہ کر، کل تمہارا دُنیا

میں وہ رُتبہ ہوگا کہ فرشتے بھی تم پر رشک کریں گے۔

☆ ایک بار آپ اپنے حجرے میں بارگاہِ خداوندی میں یہ مناجات پیش کر رہی تھیں کہ:

"اے میرے آقا! تُو جانتا ہے کہ تیری عبادت میرے دل کی خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اگر میرے بس میں ہوتا تو میں ایک لمحہ کے لئے بھی تیری عبادت ترک نہ کرتی۔ لیکن کیا کروں تُو نے مجھے ایک انسان کے قبضۂ قدرت میں دے رکھا ہے۔"

☆ سفرِ حج کے دوران آپ کا گدھا مر گیا تو آپ نے ربِ کعبہ کے حضور یوں مناجات پیش کی:

"اے میرے آقا! کیا بادشاہ ایک بے کس و بے خانماں عورت سے یہی سلوک کرتے ہیں جو تُو نے کیا ہے؟ پہلے تُو نے مجھے اپنے گھر کی زیارت کے لئے بلایا جب میں چلی تو تُو نے صحرا میں میرا گدھا مار دیا۔"

ابھی یہ مناجات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ کا گدھا زندہ ہوگیا۔

☆ پہلے حج کی ادائیگی کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ سے یوں دُعا کی:

"اے اللہ تُو نے حج پر اَجر کا وعدہ فرمایا ہے اور مصیبت پر صبر کرنے پر بھی۔ لہٰذا اگر تُو نے میرا حج قبول نہیں کیا تو پھر مصیبت پر صبر کرنے کا اَجر ہی عطا کر دے کیونکہ حج کی عدمِ قبولیت سے بڑھ کر اور کون سی مصیبت ہوسکتی ہے۔"

☆ ایک بار آپ رحمۃ اللہ علیہا نے مناجات میں اللہ سے استفسار کیا:

"اے الٰہی! کیا تُو اس دل کو دوزخ کی آگ میں جلائے گا جو تجھ سے

محبت کرتا ہے۔"

تو ہاتفِ غیبی نے کہا! اے رابعہ بدگمانی نہ کر، ہم ایسا نہیں کیا کرتے۔

☆ ایک بار آپ نے ایک خاص مناجات کی اور فرمایا:

"اے میرے محبوبِ حقیقی! اگر تُو نے مجھے جہنم میں بھیجا تو میں تیرا اسرار ظاہر کر دوں گی جس پر جہنم ہزار برس دُور جا پڑے گی۔"

☆ ایک اور مناجات جو آپ اکثر کیا کرتی تھیں کہ:

"یا اللہ جو کچھ دُنیاوی چیزوں سے تُو نے میری قسمت میں لکھ رکھا ہے وہ تُو اپنے دشمنوں کو دے دے اور جو آخرت میں میرے لئے لکھ رکھا ہے وہ اپنے دوستوں کو دے دے۔ میرے لئے مولا تیرا دیدار ہی کافی ہے تو مجھے اس سے محروم نہ رکھنا۔"

اس مناجات کو کسی فارسی کے شاعر نے بڑے خوبصورت انداز میں یوں بیان کیا ہے کہ:

تسبیح ملك را و صفا رضوان را

دوزخ بد را و بهشت مرنیکاں را

دنیا جم را و قیصر و خاقان را

جانِ مارا و جهانِ ما جاناں را

☆ آپ یہ دُعا بھی اکثر کرتی تھیں کہ:

"یا اللہ اگر میں دوزخ کے خوف سے تیری عبادت کرتی ہوں تو مجھے دوزخ میں جلا دینا، اگر بہشت کے لالچ میں عبادت کرتی ہوں تو مجھے اس سے محروم رکھنا اور اگر میں تیری عبادت خالصتاً تیرے لئے کرتی ہوں تو مجھے اپنے حسنِ لازوال سے محروم نہ رکھنا۔"

طاعت میں تا رہے نہ مے وانگبین کی لاگ
دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو

☆ آپ کی ایک دُعا:

''اے اللہ تُو ہی دونوں جہانوں میں میری تمناؤں کا مرکز ومحور ہے، یہ میری بساط کے مطابق اور میری طرف سے ہے اب تُو اپنی طرف سے جو تیرے شایانِ شان ہو وہ کر۔''

☆ رات کو عشاء کے بعد آپ یوں محوِ مناجات ہو جاتی تھیں کہ:

''اے پروردگار! مہ ونجوم روشن ہو گئے، تیری مخلوق بستروں پر دراز ہے اُمراء اور بادشاہ نے اپنے دروازے مقفل کر لئے ہیں، ہر دوست اپنے دوست کے پاس محوِ خلوت ہے اور میں یہاں تیرے سامنے تیرے رُوبرو کھڑی ہوں۔''

☆ دن نکلنے پر آپ ربّ العزت کے حضور یہ دُعا کرتیں:

''اے اللہ! رات بیت گئی، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تُو نے میری صلوٰۃ قبول فرمائی ہے؟ تیری عزت کی قسم! میرا یہی طریقہ رہے گا جب تک تُو مجھے جواب نہ دے گا اور اگر تُو مجھے اپنے در سے دھتکار بھی دے گا تو میں نہ ہٹوں گی کیونکہ میرا دل تیری محبت میں گھر گیا ہے۔''

ہے دُعا یاد نہ حرفِ دُعا یاد
اب کچھ بھی نہیں مجھ کو محبت کے سوا یاد

باب ۱۸

ماخذ و مصادر

اُمہات الکتب

اس باب میں ہم حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی سوانح حیات کے بنیادی ماخذ کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ کتاب ہذا کی تالیف و تدوین میں جن کتب سے استفادہ کیا گیا ہے ان کا بھی تذکرہ کریں گے لیکن اس سے پہلے ہم تصوف کی اُمہات الکتب کا بھی ذکر کریں گے جن سے نہ صرف حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی حالات زندگی بلکہ تصوف کی مبادیات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق تصوف کی قدیم ترین کتاب جو کسی صوفی نے لکھی وہ جناب شیخ حارث محاسبی کی کتاب "رعاية الحقوق الله" ہے جس کا تذکرہ ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ نے حضرت شیخ حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ پر اپنی تحقیقی کتاب میں کیا ہے جبکہ تصوف کی پانچ امہات الکتب درج ذیل ہیں۔

۱۔ کتاب الا ُمع فی التصوف۔ یہ عربی زبان میں ہے، اس کے مصنف جناب عبداللہ بن علی ابونصر سراج طوسی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 378 ہجری بمطابق 987 عیسوی ہیں۔

۲۔ التعرف لمذهب اهل التصوف۔ یہ بھی عربی زبان میں ہے اور اس کے مصنف جناب شیخ ابوبکر کلاباذی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 390 ہجری بمطابق 1000 عیسوی ہیں۔

۳۔ کشف المحجوب۔ یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی ہے، اس کے مصنف حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ متوفی 465 ہجری بمطابق 1072/1073 عیسوی ہیں۔

۴۔ الرسالہ قشیریہ۔ اس کی زبان عربی ہے اور یہ جناب ابو القاسم عبد الکریم القشیری متوفی 465 ہجری بمطابق 1072/1073 عیسوی کی تصنیف ہے۔

۵۔ عوارف المعارف۔ یہ بھی عربی میں لکھی گئی اور اس کے مصنف شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 632 ہجری بمطابق 1234 عیسوی ہیں۔

ان کے علاوہ بھی دیگر کئی مشہور و معروف کتابیں ہیں ان کا ذکر پیش خدمت عالی ہے:

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

زمانی اعتبار سے تو سب سے پہلے ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اللمع فی التصوف کا ذکر کرنا چاہیے تھا لیکن چونکہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تذکرۃ الاولیا وہ بنیادی کتاب ہے جس پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی سوانح کا دارومدار ہے، لہٰذا ''تذکرہ الاولیاء'' کا ذکر ہی سب سے پہلے واجب ہے۔

تذکرۃ الاولیاء

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی سب سے جامع اور مکمل سوانح حیات جواب تک موجود ہے فارسی کے مشہور صوفی شاعر جناب شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ متوفی 620 ہجری بمطابق 1230 عیسوی کی ہے، چھٹی صدی ہجری کے آخر میں لکھی جانے والی تصوف کی کتابوں میں سب سے مشہور کتاب ہے۔ سات سو سال گزر جانے کے باوجود تذکرہ کی

شہرت اسی طرح قائم ہے۔ طبقات الصوفیہ کے بعد عرفاء و صلحاء کا سب سے جامع تذکرہ ہے جس کے اردو تراجم برصغیر میں مدتوں سے شائع ہو رہے ہیں۔ یہ دنیائے تصوف کا قدیم اور سب سے پہلا ''تذکرۃ الاولیاء'' ہے جو فارسی میں ہے۔ یہ ستانوے صوفیاء کی زندگی کے حالات، سوانح اور اقوال پر مشتمل ہے۔

واحد نثری تصنیف

مشہور مستشرق ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ اس کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں کہ شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی طویل زندگی میں کئی ادبی کاموں کی تکمیل کی اور تقریباً ایک سو چودہ کتابیں لکھیں۔ انہوں نے اپنی زیادہ کتب شاعری میں تصنیف کیں۔ لیکن ''تذکرۃ الاولیاء'' ان کی واحد تصنیف ہے جو نثر میں ہے۔ اگرچہ وہ شاعر کی حیثیت سے شہرتِ دوام سے بہرہ ور تھے لیکن اپنے فلسفیانہ اور صوفیانہ تصورات کے حوالے سے بھی خاصے معروف و مشہور تھے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی جملہ تصانیف بلکہ ان کی اپنی زندگی کا مرکز و محور بھی تصوف تھا۔ تذکرۃ الاولیاء ان کی شاہکار کتاب ہے جو موصوف نے میسر تذکروں اور تصوف کی کتابوں کی مدد سے کافی تحقیق و تلاش کے بعد لکھی جس میں صوفیاء کی زندگیوں، ان کی تعلیمات، اور ان کے اقوال کو جمع کیا گیا۔ ڈاکٹر محمود الرحمٰن صاحب، تذکرۃ الاولیاء کے بارے میں اپنی کتاب ذکرِ جمیل (جو دراصل تذکرۃ الاولیاء کا ہی آسان اور سلیس ترجمہ ہے) کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ تذکرۃ کی نوعیت حقیقت میں صوفیا کے انسائیکلو پیڈیا کی سی ہے۔ جس میں شیخ نے مشاہیرِ اسلام، شیوخِ بلند مقام اور اولیائے کرام کا تذکرہ کچھ اس انداز میں کیا ہے کہ ان کی جیتی جاگتی تصویریں نظروں کے سامنے آجاتی ہیں۔ نامور استاد پروفیسر نکلسن نے 1905ء میں اس کتاب کو ایک مبسوط مقدمے کے ساتھ شائع کیا جس میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر نقد و تبصرہ بھی کیا، بعد ازاں انگلستان ہی کے مشہور مستشرق اور

کیمرج کے استاد پروفیسر اے۔ جے۔ آربری نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی دلی عقیدت کا اظہار یوں کیا کہ تذکرہ الاولیاء کا انگریزی زبان میں فصیح و بلیغ ترجمہ کیا۔

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ صاحبہ اپنی کتاب ''رابعہ دِی مِسٹک'' (Rabia The Mystic) کے باب ''ماخذات و مصادر'' میں لکھتی ہیں کہ اگرچہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیاء کے حالات و واقعات کے بارے میں اپنی معلومات کے حصول کا ہلکا سا اشارہ یا حوالہ نہیں دیا اور ان کے کئی واقعات تاریخی حقائق و معلومات کے برعکس بھی ہیں لیکن اس کے باوجود ہم ان کے بیانات کی تصدیق کے لئے واقعاتی شہادتوں سے استفادہ کر سکتے ہیں مثلاً:

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی غلامی کا قصہ:

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی جوانی میں ان کے غلام بنائے جانے، فروخت کرنے اور پھر ان کو آزادی ملنے کے واقعات بیان کرتے ہیں جبکہ ان کے دیگر سوانح نگار انہیں آزاد خاتون کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ہم واقعاتی شہادتوں اور عقلی دلائل سے جناب شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو قبائلی نام تو دیا گیا لیکن ان کو اپنے والد کے نام سے کبھی بھی پکارا نہیں گیا۔ حالانکہ تمام عالمِ اسلام میں آج تک غیر شادی شدہ خواتین کو مخاطب کرنے کا یہی طریقہ رائج ہے مثلاً تاریخ میں ان کی ایک ہم نام رابعہ شامی رحمۃ اللہ علیہا نامی خاتون گزری ہیں جو آپ سے پچاس برس قبل وفات پا گئیں تھیں، انہیں ہمیشہ اپنے والد کے نام پر رابعہ رحمۃ اللہ علیہا بنت اسماعیل کہہ کر پکارا گیا جبکہ تاریخ میں ان کے سلسلۂ نسب کی تفصیل بھی موجود ہے جبکہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا کوئی جدی نام نہیں ملتا لہٰذا ان کو اپنے قبائلی نام کی مناسبت سے عدویہ پکارا گیا۔ یہ اس بات کی مضبوط شہادت ہے کہ وہ غلام بنالی گئیں تھیں اس بنا پر ان کا سلسلۂ نسب معلوم نہ ہو سکا۔ جن ممالک میں غلامی کا رواج رہا

ہے وہاں اکثر یہ صورتحال رہی ہے۔

دوسرا ثبوت

ایک اور بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ آزاد مسلمان خاتون ہمیشہ اپنے مرد سرپرستوں، والد، بھائی، خاوند یا چچا کی زیرِ سرپرستی رہتی ہے، ان سرپرستوں کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی تولیت میں موجود لڑکی کا نکاح اپنی مرضی سے کر سکیں اگرچہ مسلم قانون کے مطابق تکنیکی طور پر لڑکی کی مرضی ضروری ہے لیکن اسے غیر شادی شدہ رہنے کی اجازت نہیں ہے۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی کسی سوانح عمری میں کوئی ایسی شہادت موجود نہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ آپ کسی کی سرپرستی میں رہی ہیں جبکہ اس کے برعکس یہ واضح ہے کہ انہوں نے شادی کی کئی پیش کشوں کا آزادانہ انکار کیا ہے اور پھر ان کے مجرد رہنے کا فیصلہ خود اس بات کا کھلا اور مضبوط ثبوت ہے کہ ان کا کوئی معلوم رشتہ دار نہ تھا جو کم از کم ان کی جوانی میں انہیں مسلم خاتون کے متعلق نکاح کے ناقابلِ تغیر قانون اور رواج کی پیروی کا پابند کرتا جبکہ ایک آزاد کردہ غلام اپنی مرضی سے اپنا راستہ خود چننے کا اختیار رکھتا ہے اور اس پر جبر کا کسی کو بھی حق نہیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا عمر بھر اپنی مرضی سے تجرد کی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی تائید کرتا ہے۔

خراجِ تحسین

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ تصوف کی دنیا میں بھی بلند مقام رکھتے ہیں جس کا اندازہ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

هفت شهر اندر عشق را عطار گشت

ماهنوز اندر خم یك کوچه ایم

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''عطار رحمۃ اللہ علیہ عشق کے سات شہروں میں گھوم پھر چکے ہیں جبکہ میں ابھی عشق کی گلی کے ایک موڑ پر ہی پھنسا ہوا ہوں۔''

اسی طرح شیخ محمود شبستری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی گلشنِ راز میں فرمایا:

مرا زیں شاعری خود عار ناید

که صد قرن یك عطار ناید

وہ کہتے ہیں کہ:

''مجھے شاعری سے کوئی عار نہیں لیکن عطار رحمۃ اللہ علیہ تو صدیوں میں ایک ہی پیدا ہوتا ہے۔''

حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے بقول انہیں فارسی گو شعراء میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو بلند مقام حاصل ہے وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔

آپ کی وفات کے تقریباً دو سو سال بعد فارسی کے مشہور شاعر کاتبی نیشاپوری نے آپ کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا:

''میں بھی عطار رحمۃ اللہ علیہ کی طرح گلشنِ نیشاپور سے تعلق رکھتا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نیشاپور کا ایک کانٹا ہوں جبکہ عطار رحمۃ اللہ علیہ یہاں کے گلاب تھے۔''

حالاتِ زندگی

آپ کا نام محمد بن ابی بکر ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ تھا کنیت ابو حامد، لقب فرید الدین اور تخلص عطار تھا۔ آپ اپنے لقب اور تخلص یعنی فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہوئے

آپ نیشاپور کی ایک نواحی بستی ''کوکان'' میں سن 1120ء میں پیدا ہوئے اسی نسبت سے نیشاپوری کہلائے۔ آپ کے والد تاجر پیشہ صوفی تھے، ان کا عطر اور ادویات کا وسیع کاروبار تھا۔ عطار رحمۃ اللہ علیہ ابھی کم سن ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا یوں آپ کو ورثے میں ایک وسیع وعریض کاروبار ملا۔

تعلیم وتربیت

آپ کی والدہ چونکہ خود پڑھی لکھی خاتون تھیں لہٰذا انہوں نے عطار رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھا اور انہیں دینی تعلیم کے علاوہ خصوصی طور پر تصوف سے شناسائی دلائی اپنی والدہ ہی کی تربیت کے نتیجے میں آپ کو مذہب سے لگاؤ، رُوحانیت سے نسبت اور تصوف سے تعلق پیدا ہوا آپ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے مشہد میں بھی مقیم رہے، واپسی پر آپ نے والد کا عطر اور ادویات کا کاروبار سنبھال لیا، ساتھ ہی آپ نے حکمت وطبابت بھی شروع کر دی روایت کے مطابق آپ کے مطب پر سینکڑوں مریض روزانہ آیا کرتے تھے۔

کایا کلپ

کہتے ہیں ایک دن آپ اپنی دکان پر بیٹھے تھے کہ ایک درویش آیا اور آپ کی دکان اور اس کے مال ومتاع کو بڑی حسرت بھری نظروں سے دیکھنے لگا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے پھر اس نے ایک سرد آہ کھینچی۔ شیخ کو یہ سب اچھا نہ لگا اور کہا جاؤ بابا اپنا راستہ لو۔ درویش نے کہا ہمارا جانا تو کوئی مشکل نہیں، ہمارے پاس ہے ہی کیا ایک کشکول اور ایک یہ پیوند لگا کرتہ۔ تم بتاؤ کہ یہ اتنا ساز وسامان اور دولت چھوڑ کر کس طرح جاؤ گے؟ شیخ نے جھنجھلا کر کہا جیسے تم جاؤ گے ویسے ہی ہم بھی چلے جائیں گے، درویش نے یہ سن کر کہا اچھا

ہماری طرح جاؤ گے، اچھا بھئی ہم تو یوں جاتے ہیں یہ کہہ کر درویش نے کشکول سر کے نیچے رکھا اور لیٹ گیا۔ اونچی آواز میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھا ایک نعرہ مارا اور جان بحق ہو گیا۔ شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے قلب و ذہن پر اس واقعہ کا ایسا اثر ہوا کہ وہیں کھڑے کھڑے دکان کا سارا ساز و سامان اور مال و دولت اللہ کی راہ میں لٹا دیا اور فقیری اختیار کر لی۔

بعد ازاں اپنے وقت کے جلیل القدر بزرگ شیخ رکن الدین عکاف رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ پہنچے اور کئی سال وہاں رہ کر طریقت کی تعلیم حاصل کی پھر آپ شیخ مجد الدین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے اور کوفہ، مصر، رے، دمشق، مکہ، ہندوستان اور ترکستان کی سیاحت کی۔ بالآخر نیشاپور آ کر مستقل سکونت اختیار کر لی۔ سفر میں آپ اولیائے کرام سے نہ صرف بالمشافہ ملے بلکہ ان کی تعلیمات، اقوال، سوانح اور ان کی مکمل کیفیات بھی لکھ کر جمع کرتے رہے۔

آپ کی تصانیف

شیخ رحمۃ اللہ علیہ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے وہ شاعرِ یکتا تھے، اور خود بھی سلوک و معرفت، علم و دانش، تدبر و فراست کے بلند مقام پر فائز تھے، آپ نے ایک سو چودہ کتابیں تصنیف کیں جن میں سے چند مشہور ترین درج ذیل ہیں:

☆ اسرار نامہ

☆ الٰہی نامہ

☆ اشتر نامہ

☆ پند نامہ

☆ حلاج نامہ

☆ خسرو نامہ

☆ تذکرۃ الاولیاء

☆ منطق الطیر

☆ حقائق الجواہر

☆ دیوانِ عطار

☆ لسانِ غیب

☆ شرح القلب

☆ کنز الحقائق

☆ مفتاح الفتوح

☆ اور مظہر العجائب قابلِ ذکر ہیں۔

شہادت

آپ کو 620 ہجری بمطابق 1230 عیسوی ایک بدبخت تاتاری منگول نے شہید کر دیا لیکن اس ظالم تاتاری کے قتل کرنے کے باوجود آپ آج بھی زندہ ہیں کیونکہ:

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
هر زماں از غیب جانِ دیگر است

آخر میں شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی مناجات کا ایک شعر پیشِ خدمت ہے:

بادشاها! جرم ما را در گزار
ما گنه گار یم تو آمرز گار

الجاہز رحمۃ اللہ علیہ

اوّلین مصنف جنہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا ذکر کیا وہ الجاہز رحمۃ اللہ علیہ متوفی 869 عیسوی تھے۔ آپ بصرہ کے رہنے والے تھے اور معروف مفکر تھے۔ آپ نے "کتاب الحیوان" اور" کتاب البیان والبتیان" لکھیں۔ موخر الذکر کتاب فنِ خطابت کی مشہور کتاب تھی بہر کیف ان دونوں کتابوں میں حضرت رابعہ بصری العدویہ و القیسیہ رحمۃ اللہ علیہا کا ذکر درج کیا گیا تھا، زمانی قربت کی وجہ سے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں ان کے حوالہ جات بہت اہمیت کے حامل ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ الجاہز رحمۃ اللہ علیہ اپنے بچپن ہی سے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں جانتے ہوں کیونکہ ممکن ہے وہ ایسے لوگوں سے ملے ہوں یا انہیں جانتے ہوں جو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے ذاتی طور پر واقف ہوں کیونکہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بھی بصرہ کی رہائشی تھیں اور الجاہز رحمۃ اللہ علیہ کا بھی وہی شہر تھا۔ پھر وہ ایک آزاد خیال مفکر تھے جن کے ہاں ہر طرح کے خیالات رکھنے والے دانشور ضرور آتے ہوں گے جسکی وجہ سے وہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے حالاتِ زندگی اور ان کے اقوال و تعلیمات سے آگاہ تھے۔ ان کی یہ کتابیں اب کہیں موجود نہیں لیکن قدیم کتابوں میں ان کی کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

شیخ ابو نصر سراج رحمۃ اللہ علیہ

صوفی مسلک کے سب سے اہم اور پہلے تذکرے کا نام " کتاب اللمع فی التصوف" ہے جس کے مصنف ابو نصر سراج طوسی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 378 ہجری بمطابق 987 عیسوی تھے۔ یہ صوفیانہ مضامین کی اوّلین کتاب ہے، یہ عظیم اور بنیادی نوعیت کی کتاب ہے جس میں صوفیوں کے عقائد اور اشغال کا تجزیہ و تذکرہ کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے

کہ صوفیاء کے عقائد قرآن وسنت کے مطابق ہیں۔ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیاء کے خیالات سے تعلق رکھا ہے اپنے خیالات پیش نہیں کیے انہوں نے ان کی کتابوں اور زبانی روایات کا حوالہ دیا ہے اور زیادہ تر ان کی اسناد بھی بیان کی ہیں بالکل ابتدائی تاریخ اور موضوع کو برتنے کے طریقے کی وجہ سے ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ کا کام بہت اہمیت کا حامل ہے۔

کتاب اللمع بہت حیرت انگیز کتاب ہے جو مشہور و مستند ہے، یہ کتاب عربی زبان میں ہے، چوتھی صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ اس میں نہ صرف کہاوتیں، اقوال اور واقعات بیان کیے گئے ہیں بلکہ کتاب کو عارفوں کے خطوط سے بھی مزین کیا گیا ہے، علاوہ ازیں اس کے مضامین میں تصوف کی حقیقت، مقامِ عرفاء وصوفیاء، عارفوں اور صوفیاء کی اہمیت، سالک طریقت کے مقامات، مشائخ کے مناقب واحوال، کرامت وخوارقِ عاداتِ صوفیاء شامل ہیں۔ یہ کتاب انیسویں صدی تک نایاب تھی، بیسویں صدی کے عظیم مستشرق پروفیسر نکلسن نے تلاش وکاوش کے بعد مقدمے کے ساتھ اس کو 1914ء میں شائع کیا۔ پروفیسر اے جے آربری کا کہنا ہے کہ کتاب اللمع دیانت داری سے لکھی گئی اور آگاہی کی بھرپور آئینہ دار ہے (تاریخ فلسفۂ تصوف) کتاب اللمع کا اُردو میں ترجمہ ہو چکا ہے مترجم کا نام ڈاکٹر پیر محمد حسن ہے، یہ کتاب ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد نے شائع کی ہے۔

حالاتِ زندگی

آپ کا نام عبداللہ بن علی رحمۃ اللہ علیہ اور کنیت ابونصر تخلص سراج تھا۔ آپ کا لقب طاؤس الفقراء بھی تھا۔ آپ طوس میں پیدا ہوئے، رسالۂ قشیریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ عربوں کے مشہور قبیلہ بنوتمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ زاہدوں کی اولاد تھے، انہوں نے تصوف کی تائید میں شرعی دلائل وبراہین پیش کیے، اسی لئے آج تک وہ مشائخ و

صوفیاء کے فقیہ مانے جاتے ہیں، آپ رجب 378 ہجری بمطابق 987 عیسوی نیشاپور میں نماز کے دوران فوت ہوئے۔ جبکہ نفحات الانس کے مطابق ان کی تدفین طوس میں ہوئی۔ عبدالماجد دریا آبادی نے بھی اپنی کتاب ''تصوفِ اسلامی'' میں ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات 378 ہجری لکھی ہے۔

ایک واقعہ

کشف المحجوب میں ان کے بارے میں ایک واقعہ لکھا گیا ہے جس کو نفحات الانس میں مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی درج کیا ہے:

> ''ایک دفعہ آپ رمضان میں بغداد پہنچے تو مسجد شونیزیہ میں آپ کو ایک الگ حجرہ دیا گیا اور درویشوں کی امامت بھی آپ کے سپرد کی گئی۔ آپ عید تک اپنے اصحاب کی امامت کرتے رہے، اس دوران تراویح میں آپ نے پانچ قرآن مجید ختم کئے، ہر رات خادم حجرے میں آپ کو ایک روٹی دے جاتا تھا جب عید کا دن آیا تو آپ وہاں سے چلے گئے خادم نے دیکھا تو حجرے میں تیس کی تیس روٹیاں ویسے ہی پڑی تھیں۔''

ایک اور روایت کے مطابق انہوں نے حالتِ وجد میں جلتے ہوئے انگاروں پر سجدہ کر دیا لیکن آپ کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ آپ نے طویل سیاحت بھی کی، اسی وجہ سے آپ نے کتاب اللمع میں متعدد شہروں کا ذکر کیا ہے جن میں بصرہ، بغداد، دمشق، رملہ، انطاکیہ، صور، طرابلس، تبریز، قاہرہ، دمیاط، بسطام اور تستر وغیرہ شامل ہیں۔

انہوں نے اپنی کتاب میں جن جن واقعات کا تذکرہ کیا جو جو اقوال بیان کئے ان کی اسناد بھی بیان کیں جس کی وجہ سے کتاب کی قدر و منزلت میں گراں قدر اضافہ

ہوا۔ کتاب میں ان اکتالیس افراد کی فہرست موجود ہے جن سے آپ نے روایت کی۔ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں تصوف کا اصل اصول قرآن وسنت کو ہی قرار دیا گیا ہے۔

شیخ محمد بن ابوبکر الکلاباذی رحمۃ اللہ علیہ

تصوف کی دوسری کتاب "**التعرف لمذهب اهل التصوف**" ہے جس کے مصنف محمد بن ابوبکر الکلاباذی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 390 ہجری بمطابق 1000 عیسوی تھے۔ ان کی ایک اور بھی مشہور کتاب ''معانی الاکبر'' ہے۔ ان دونوں کتابوں میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے حوالے موجود ہیں اور اوّل الذکر میں ان کی مشہور نظم ''دو محبتوں'' کا متن بھی موجود ہے لیکن یہ ''قوت القلوب'' کے متن سے ذرا مختلف ہے۔ ابوبکر الکلاباذی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب کو بلند مقام حاصل ہوا، اس کی کئی بزرگوں نے شرحیں لکھیں جن میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور شرح بھی ہے۔

آپ کا پورا نام محمد بن ابراہیم ابوبکر بخاری الکلاباذی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ کی کتاب اس قدر قیمتی اور بلند پایہ ہے کہ صاحب کشف الظنون جناب حاجی خلیفہ نے اس کے بارے میں بتایا کہ مشائخ صوفیاء اس کتاب کے بارے میں کہتے ہیں **لولا التعرف لما عرف التصوف** یعنی اگر کتاب التعرف نہ ہوتی تو تصوف کو کس طرح پہچانا جاتا۔ یہ کتاب عربی میں ہے، یہ نہ صرف شائع ہو چکی ہے بلکہ اس کا اُردو میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، اس کتاب میں صوفیاء کے عقائد اور احوال و مقامات درج ہیں جو تحقیقی انداز میں پیش کیے گئے ہیں، خود مصنف شیخ محمد بن ابوبکر الکلاباذی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار طبقۂ صوفیا میں ہوتا ہے۔ ان کی کتاب تصوف میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ کتاب اللمع کی طرح چوتھی صدی ہجری کی تصنیف ہے اور قدیم کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

شیخ ابو طالب المکی رحمۃ اللہ علیہ

ابو طالب المکی رحمۃ اللہ علیہ کا نام شیخ محمد بن علی بن عطا الحارثی متوفی 386ہجری بمطابق 996عیسوی ہے اور آپ کی مشہورِ زمانہ تصنیف کا نام "قوت القلوب فی معاملة المحبوب" ہے۔ جسے عام طور پر "قوت القلوب" کہا جاتا ہے یہ لفظ قوت QUT ہے جس کا مطلب ہے غذا یا خوراک قوت القلوب یعنی دلوں کی غذا یہ ایک بہت جامع تصنیف ہے مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ "نفحات الانس" میں فرماتے ہیں کہ:

"طریقت اور سلوک کے دقیق مسائل ان سے پہلے کسی نے پیش نہیں کیے تھے۔ یہ کتاب عربی میں ہے 1310ھ میں مصر میں کسی معتبر مخطوطے سے حاصل کر کے اس کو شائع کیا گیا تھا، متوسطین و متاخرین صوفیاء کی تصانیف میں اس کے متعدد جگہ پر حوالے دیئے گئے ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ارباب تصوف اور صوفیاء کی نظر میں یہ کتاب بہت مقبول اور اہمیت کی حامل ہے۔"

حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "عوارف المعارف" میں اس کے حوالے دیئے ہیں، اس کتاب میں صوفی کا مسلک شریعت کے اتباع کو قرار دیا گیا ہے۔

شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ ایک عابد اور صوفی استاد تھے آپ مکہ، بصرہ اور بغداد میں رہے اور درس و تدریس کے شعبے سے منسلک رہے۔ آپ کی کتاب صوفیانہ تعلیمات پر ایک ابتدائی کتاب سمجھی جاتی ہے، اس کتاب میں آپ نے کئی بار حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا ذکر کیا ہے اور ان کی زندگی کے واقعات لکھے ہیں، ان کے ساتھیوں کا ذکر کیا ہے اور سب سے بڑھ کر آپ کی دو محبتوں والی نظم بھی درج کی ہے اور قابلِ لحاظ حد تک اس پر اپنا تبصرہ بھی

رقم کیا ہے۔ شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ مذہب میں ڈوبے نظر آتے ہیں، احادیث کو خاص طور پر حوالے کے لئے درج کرتے ہیں انہوں نے اپنی کتاب میں ثابت کیا ہے کہ صوفیاء کے عقائد اور اشغال قرآن وسنت کے مطابق ہیں آپ نے ''قوت القلوب'' میں دلائل بہت احتیاط سے دیئے ہیں اور غیر روایتی قسم کے حوالہ جات سے اجتناب کیا ہے، یہ تصوف کی بنیادی کتابوں میں سے ہے۔ جس میں صوفیانہ نظریات کو باقاعدہ اور منظم انداز میں پیش کیا گیا ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کتاب سے خوشہ چینی کی ہے، تاریخِ فلسفۂ تصوف میں پرفیسر آر۔ جے۔ آربری نے قوت القلوب کے بارے میں یہ رائے دی ہے کہ اس کتاب میں مذہبی رسومات وعبادات کے ساتھ ساتھ عارفانہ نقطۂ نظر بھی کارفرما نظر آتا ہے۔ آپ کا سالِ وفات 386 ہجری بمطابق 996 عیسوی ہے۔

الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے ماخذ کے طور پر ان کا تذکرہ ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ صاحبہ نے اپنی کتاب ''رابعہ دِی مسٹک'' (Rabia The Mystic) میں کیا ہے۔ آپ اکتبانا کے رہائشی تھے، ان کی کتاب کا نام '' شکوہ الغرائب'' تھا۔ آپ نے اپنی اس کتاب میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی شیخ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے ہمعصر اور ہم مسلک تھے) کے ساتھ منگنی کا ذکر کیا ہے۔ یہ بات اس لحاظ سے منفرد ہے کہ کسی اور مصنف نے اس منگنی کا ذکر نہیں کیا البتہ کئی کتابوں میں شیخ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا رشتہ مانگنے کا ذکر ضرور ملتا ہے جس کا آپ نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔

حضرت ابونعیم الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ

مشہورِ زمانہ عالم اور محدث حضرت ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی

430ہجری بمطابق 1038 عیسوی کی تصنیف کا نام "حلیة الاولیاء" ہے جس کا دوسرا نام "حلیة الابرار" بھی ہے۔ یہ پانچویں صدی ہجری کی تصوف کے موضوع پر گراں قدر تصنیف ہے، عربی زبان میں صوفیاء کرام کا ایک مستند اور قدیم تذکرہ ہے جو شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وفات کے آٹھ سال پہلے سن 422 ہجری میں لکھا۔ یہ کتاب 1350 ہجری میں مصر میں طبع ہو چکی ہے، اس میں 686 صوفیائے کرام کا تذکرہ ہے، حالات اگرچہ مختصر ہیں لیکن مستند طریق پر منضبط کئے گئے ہیں، اس میں صدرِ اسلام سے قرنِ چہارم تک کے زہاد و عباد اور اربابِ طریقت کے حالات کے ساتھ ساتھ ان کے انفرادی خیالات، مواعظ و آدابِ طریقت اور قصص الصالحین بھی شامل ہیں۔ یہ ایک جامع تالیف ہے، مورخین علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے حوالے اپنی اپنی تاریخی کتب میں دیئے ہیں۔

لہٰذا کتاب ہذا کے وقیع ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ صاحبہ کے مطابق یہ کتاب عظیم ترین اہمیت کا اوّلین ماخذ ہے۔ اس کتاب میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے کئی حوالے موجود ہیں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی سوانح کے بارے میں ایک مکمل کتاب بھی لکھی تھی جس کا نسخہ قسطنطنیہ میں موجود ہے، اگر اس کتاب کا ترجمہ ہو گیا تو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی زندگی اور تعلیمات کے کئی گوشے سامنے آ جائیں گے۔ "حلیۃ الاولیاء" دس جلدوں کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم القشیری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام عبدالکریم بن ہوازن رحمۃ اللہ علیہ تھا، آپ کی کنیت ابو قاسم تھی، آپ شیخِ طریقت تھے۔ آپ 986 عیسوی میں نیشاپور میں پیدا ہوئے، آپ نے اسلامی تعلیم کے

ساتھ ساتھ تصوف کی تعلیمات بھی حاصل کیں۔ آپ اپنی عمر کے اختتام تک بغداد میں حدیث کے استاد بھی رہے۔ ''رسالہ'' آپ کی تصنیف ہے، یہ ضخیم اور مبسوط نہ ہونے کی بنا پر رسالہ کہلائی، اور مصنف کے نام کی مناسبت سے رسالہ قشیریہ کہلاتی ہے، اس کی زبان بھی عربی تھی، یہ کتاب 1342 ہجری میں مصر میں طبع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کا اُردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے، یہ عام دستیاب ہے۔ اس کو اللہ نے بڑی مقبولیت دی، برصغیر میں اس کتاب کو چشتیہ، سہروردیہ اور قادریہ سلاسل میں بڑی پذیرائی حاصل ہوئی، یہ کتاب ہمیشہ سے صوفیا کے زیر مطالعہ رہی اور وہ مریدانِ باصفا کو اس سے درس بھی دیتے رہے اور اس کے مطالعے کی تاکید ہی کرتے رہے، اس کتاب کا نام گرچہ رسالہ ہے مگر یہ اپنی جامعیت میں کمال ہے اور صوفی تعلیمات کے سلسلے میں ایک اعلیٰ سند اور حوالے کی کتاب ہے، اس میں امام نے بڑے مربوط انداز میں صوفیانہ نظریاتی ڈھانچے کا ذکر کیا ہے، یہ چونکہ اعلیٰ درجے کی کتاب ہے لہٰذا اس کی بہت سے شرحیں لکھی گئیں۔ وہ ایک بااصول اور محتاط مصنف تھے جو اپنی اسناد درج کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔

رسالہ میں انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا کئی مقامات پر تذکرہ کیا ہے اور آپ کی تعلیمات درج کی ہیں۔ آپ کے عمل کی وضاحت کے لئے کئی واقعات لکھے ہیں جن کا تعلق صوفیانہ راستے کی کئی مقامات سے تھا۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ان بڑے صوفی مصنفین کے نزدیک بطور صوفی استاد ایک قابلِ قبول سند بن چکی تھیں۔

رسالہ میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا ذکر چیدہ چیدہ مقامات پر کیا گیا جبکہ اس میں 83 مشہور و معروف مشائخ صوفیاء کے حالاتِ زندگی بھی لکھے گئے اور پھر اس کے بعد مصطلحاتِ صوفیاء کی تشریح بھی کی گئی ہے، اس کے بعد اہل سلوک کے احوال و مقامات کو بیان کیا گیا ہے اور ضمناً کرامات کا بھی ذکر ہے۔ امام نے 465 ہجری بمطابق 1074 عیسوی کو وفات پائی۔

السراج القاری رحمۃ اللہ علیہ

مشہور مستشرق ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ کے مطابق کم ثقہ مصنفین جنہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک السراج القاری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے جنہوں نے "مصاری العشاق" (عاشقوں کے بارے میں نظمیں) نامی کتاب لکھی، اس کتاب میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا ایک خواب بیان کیا گیا ہے جو کسی ابتدائی مصنف کی کتاب میں نہیں۔ انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا ایک اور واقعہ بھی بیان کیا ہے جو صرف "حلیۃ الاولیاء" میں ابو نعیم الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے درج کیا ہے، السراج القاری رحمۃ اللہ علیہ نے 1106 عیسوی میں بغداد میں وفات پائی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا نام محمد بن محمد رحمۃ اللہ علیہ، کنیت ابو حامد اور لقب حجۃ الاسلام ہے۔ آپ 450 ہجری بمطابق 1059 عیسوی طوس کے ایک قصبے غزال میں پیدا ہوئے، اسی نسبت سے غزالی کہلائے۔ آپ کے والد ایک درویش صفت انسان تھے، جب آپ پندرہ سال اور آپ کے بھائی احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ بارہ تیرہ سال کے ہوئے تو آپ کے والد انتقال کر گئے، آپ ابتدائی تعلیم کے حصول کے لئے طوس کے مدرسہ میں داخل تھے وہاں سے فارغ ہو کر آپ علومِ متداولہ کی تحصیل کے لئے نیشاپور چلے گئے، جہاں امام الحرمین ابو المعالی جوینی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا۔ امام کی وفات کے بعد آپ کو علم دوست وزیر خواجہ نظام الملک طوسی نے مدرسہ نظامیہ بغداد کی مسندِ صدارت پیش کی جسے آپ نے ایک درباری مناظرے میں غلبے کے بعد قبول کر لیا، وہاں آپ 478 ہجری سے 489 ہجری تک تصنیف و تالیف میں مصروف رہے، پھر کچھ عرصہ بعد جب مدرسِ اعلیٰ جناب علامہ حسین

بن علی طبری رحمۃ اللہ علیہ وفات پا گئے تو آپ کو اس منصب کے لئے چن لیا گیا، بغداد جو دنیا بھر کے عقائد اور خیالات کا اکھاڑہ تھا وہاں شیعہ، سنی، معتزلی، زندیق، ملحد، مجوسی، یہودی اور عیسائی باہم مناظروں میں مصروف رہتے تھے، ایسے میں امام رحمۃ اللہ علیہ کی متجسس طبیعت تقلید کے بندھن سے آزاد ہو چکی تھی اور آپ کا رجحان تصوف کی طرف ہوتا چلا گیا، پھر آپ بغداد سے چل نکلے اور دمشق پہنچ کر وہاں کی جامع مسجد میں ریاضت و مجاہدے میں مشغول ہو گئے وہیں آپ شیخ ابو علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔

آپ نے اسی جذب وشوق اور عشق کے غلبے میں اپنی عظیم ''کتاب احیاء العلوم'' لکھی، یہ عربی میں تھی جس سے آپ کے تبحرِ علمی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، اس کے علاوہ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے کیمیائے سعادت، تہافتہ الفلاسفہ، تنبیۃ الغافلین، تفرقہ بین الاسلام وزندقہ، القسطاس المستقیم، مقاصد الفلاسفہ، المنقذ من الضلال اور منہاج العابدین مشہور ہیں۔

وفات

آخری عمر میں آپ بالکل عابدِ مرتاض بن گئے تھے اور شب و روز مجاہدے میں بسر کرتے تھے تاہم تصنیف وتالیف کا مشغلہ بھی ساتھ جاری رکھا۔ امام نے 14 جمادی الثانی 505 ہجری بمطابق 1111 عیسوی میں طاءران کے مقام پر وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کے بھائی امام احمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت جو امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے کہ پیر کے دن امام رحمۃ اللہ علیہ صبح کے وقت بستر سے اُٹھے، وضو کر کے نماز پڑھی پھر کفن منگوایا، آنکھوں کو لگایا اور کہا آقا تیرا حکم سر آنکھوں پر، یہ کہہ کر لیٹ گئے اور جان جاں آفرین کے سپرد کر دی لوگوں کی نظر میں تو آپ وفات پا چکے تھے لیکن دراصل عشق کی دنیا میں دوام حاصل کر چکے تھے۔

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدئہ عالم دوامِ ما

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی گواہی

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ صاحبہ کا کہنا ہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اسلامی تعلیمات کی ایک بلند پایہ شخصیت تھے، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں ان کی گواہی نہایت قدر و قیمت کی حامل ہے، انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو تصوف کے بلند پایہ اساتذہ میں شمار کیا ہے اور ان کی تعلیمات اور خیالات کو عظیم صوفی مشائخ کے ساتھ برابر کی سند کے طور پر قبول کیا ہے۔ آپ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے اشعار بھی اپنی کتاب ''احیاء العلوم'' میں درج کیے ہیں اور پھر ان کی توضیح و تشریح بھی کی ہے۔ عشق و محبت کے مضامین میں انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے خیالات کو بہت اہمیت دی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بہت بڑا کام یہ بھی تھا کہ انہوں نے روایتی مذہب اور تصوف میں ہم آہنگی اور مفاہمت کو اپنا وظیفہ بنالیا تھا۔

''احیاء العلوم الدین'' پر ایک نظر

یہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء کتاب ہے جو مشہورِ زمانہ بھی ہے اور گراں قدر بھی۔ یہ مبسوط، ضخیم اور چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو جتنی شہرت ملی کسی اور کو حاصل نہ ہوسکی۔ آپ کی اس کتاب اور فارسی میں اس کی تلخیص کیمیائے سعادت دنیائے تصوف کی لاجواب کتابیں ہیں، ان میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت اور عرفان و تصوف کو ایسی کامیاب تطبیق دی اور ثابت کیا کہ تصوف شریعت سے جداگانہ کوئی چیز نہیں، آپ نے تصوف کے مسائل اور احوال و مقامات کو شرعی استدلال کے ساتھ پیش کیا۔ آپ کے

استدلال کا انداز اس قدر متین، استوار اور برمحل ہے کہ منکرین و ناقدینِ تصوف کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ تصوف اسلام سے جداگانہ کوئی چیز نہیں۔

محمد بن المنور رحمۃ اللہ علیہ

محمد بن المنور رحمۃ اللہ علیہ فارسی کے مصنف تھے جنہوں نے "اسرار التوحید" نامی کتاب لکھی۔ اس کتاب میں انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا ذکر کیا ہے، یہ کتاب ان کے دادا ابوسعید الخیر رحمۃ اللہ علیہ جو بہت مشہور صوفی استاد تھے اور 1049 عیسوی کو فوت ہوئے کی زندگی، ان کے اقوال پر مشتمل تھی اور جن کی رُباعیاں نادر اور عمدہ فارسی صوفیانہ شاعری کو پیش کرتی ہیں، اسرار التوحید اس دَور کے صوفی نظریات کو صاف طور پر پیش کرتی ہے جو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے دَور کے اساتذہ کی تعلیمات پر مبنی تھیں۔

ابن غنیم المقدسی رحمۃ اللہ علیہ

ابن غنیم المقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف پر قابلِ ذکر حد تک کام کیا جن میں سے ان کی ایک کتاب "کشف الاسرار و مناقب الابرار" ہے جس میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے لئے ایک صفحہ مختص کیا گیا ہے جس میں ان کے اشعار دیئے گئے ہیں جو دوسرے کسی مصنف کی کتاب میں درج نہیں ہیں۔ یہ اشعار نہایت خراب اور بگڑی ہوئی حالت میں پائے گئے ہیں اور ان پر عنوان دیا گیا ہے "توبہ رابعہ العدویہ" یہ دونوں کتابیں تا حال اشاعت پذیر نہیں ہوئیں اور مخطوطات کی شکل میں کلکتہ لائبریری موجود ہیں۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نامِ نامی اسمِ گرامی ابوحفص عمر بن محمد شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

ہے۔ آپ ماہِ شعبان 539 ہجری میں زنجان کے مضافات سہرورد میں پیدا ہوئے، یہ گمنام مقام آپ اور آپ کے عمِ محترم کی وجہ سے دُنیا بھر میں مشہور ہوگیا، آپ کا سلسلۂ نسب تیرہ واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے، آپ کو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فیض حاصل تھا لیکن شرف بیعت حاصل نہ تھا کیونکہ اگر آپ ان سے بیعت ہوتے تو آپ کا سلسلہ قادریہ کہلاتا۔ غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر آپ کے مرشد اور عمِ محترم شیخ ابوالمجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ منصب رشد و ہدایت پر فائز ہوئے لیکن وہ بھی ایک سال بعد وفات پا گئے تو بغداد کی مسند آپ نے سنبھال لی اور سلسلۂ سہروردیہ کے موسسِ ثانی کہلائے آپ کی سب سے مشہور و معروف تصنیف جو تصوف کی ایک جامع کتاب ہے ''عوارف المعارف'' ہے۔ جس میں انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا تذکرہ کیا ہے اور کئی مقامات پر ان کی تعلیمات کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے خوبصورت اشعار بھی درج کئے گئے ہیں۔

کچھ ''عوارف المعارف'' کے بارے میں

یہ کتاب عربی میں تھی اور بیسویں صدی کے ربع اوّل میں مصر میں طبع ہو چکی ہے۔ اس کا اُردو میں ترجمہ بھی ہوگیا ہے۔ ''عوارف المعارف'' کا ہر باب عموماً نصِ قرآنی سے شروع ہوتا ہے، اس کے بعد آپ مسئلہ کی تشریح فرماتے ہیں اور اس کی تائید آثار و اخبار سے پیش کرتے ہیں، اس لحاظ سے ''عوارف العارف'' احکام و آدابِ شریعت کا ایسا مرقع ہے جس میں محبتِ الٰہی کے موقلم سے حقائقِ معرفت کا رنگ بھرا گیا ہے اور یہی اس کی مقبولیت کا راز ہے کہ سات سو سال گزر جانے کے باوجود یہ تصوف کے افق پر روشن ستارے کی طرح موجود ہے، اس کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ اس میں پہلی بار خانقاہی نظام کے آداب متعین کئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ کتاب شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب

"قوت القلوب" اور حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کشف المحجوب" کے بعد علمِ تصوف اور اس کے مالہ وماعلیہ پر ایک جامع کتاب ہے جس میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اعمالِ صوفیاء کا دستورِ عمل بھی پیش کیا۔ آپ نے دلائل سے یہ ثابت کیا کہ تصوف کوئی غیر اسلامی چیز نہیں بلکہ اس کی اصل قرآن وسنت ہی ہے اور شریعت اگر جسم ہے تو طریقت اس کی رُوح ہے ان میں کوئی تعارض نہیں۔ جس وقت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب لکھی اس وقت ان کا عالمِ شباب تھا اور شاید 560 ہجری کا زمانہ ہوگا۔ کتاب ہذا کے تریسٹھ ابواب ہیں، ان ابواب میں علمِ تصوف کی نشوونما، ماہیتِ تصوف، تصوف کے فرقے، خرقۂ تصوف کی حقیقت، صوفیاء کے اخلاق، آداب اور عبادات و معاملات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ شیخ نے بغداد میں 632 ہجری بمطابق 1234 عیسوی میں وفات پائی۔

سبطِ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ

سبط ابن الجوزی متوفی 1257 عیسوی ایک کتاب "مرعاۃ الزمان" کے مصنف تھے جو بڑی حد تک حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی سوانح حیات پر مشتمل تھی۔ یہ اس لئے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ ممکن ہے یہ ان کے دادا علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "صفواۃ الصفاۃ" سے ماخوذ ہو۔ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کی حلیۃ الاولیاء، علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا ہی نیا رُوپ تھی، دادا اور پوتے دونوں کی کتابیں تاریخ کے کسی موڑ پر گم ہو چکی ہیں، صرف کتابوں میں ہی ان کے حوالے رہ گئے ہیں۔

ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے سوانح نگاروں میں مشہور ترین ابن خلکان بھی تھے جو 1211 عیسوی میں اربیلا میں پیدا ہوئے۔ کچھ عرصہ الیپو اور دمشق میں رہنے کے بعد

آپ قاہرہ چلے گئے اور وہاں انہوں نے سوانح عمریوں کا ایک انسائیکلو پیڈیا "وفیات الاعیان" کے نام سے مرتب کیا۔ دیباچے میں انہوں نے کتاب لکھنے کے طریقے کی صاف وضاحت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کو حروف ابجد کے حساب سے مرتب کیا ہے جو اُن کے نزدیک زیادہ معقول اور آسان تھا، بجائے اس کے کہ وہ اسے سن وار یا تاریخی اعتبار سے لکھتے جو طریقہ عام مشرقی سوانح نگار اختیار کرتے ہیں۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ میں نے ان تمام بزرگوں کے بارے میں لکھا ہے جو عوام میں معروف ومقبول تھے۔ میں نے حتی الامکان درستگی کا خیال رکھا، خاص طور پر ان کی تاریخ پیدائش اور اموات کا۔ میں نے جس قدر ہوسکا علم الانساب کی مدد سے ان کے خاندانوں کا کھوج لگایا اور ہر ایک کی درست تصویر کشی کے لئے ان کے امتیازی نشان مقرر کئے۔ بدقسمتی سے انہوں نے رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو رابعہ بنت اسماعیل شامی سے بھی خلط ملط کر دیا، اس کے باوجود ان کی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں تحریریں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں کیونکہ ان کے ماخذ بیان کئے گئے ہیں۔ ابن خلکان کی وفات 1282 عیسوی میں ہوئی۔

الذہبی رحمۃ اللہ علیہ

مشہور مورخ الذہبی متوفی 1348 عیسوی جنہوں نے مشہور کتاب ''میزان الاعتدال'' لکھی اور اس میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا ذکر کیا، اور مشہور محدث ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان کی رائے لکھی۔

محمد بن الحسن بن علی الاثناوی رحمۃ اللہ علیہ

مشہور صوفی مصنف محمد بن الحسن بن علی الاثناوی رحمۃ اللہ علیہ جن کا لقب عماد الدین تھا انہوں نے قاہرہ اور دمشق سے تعلیم حاصل کی اور وہ حماط میں کچھ عرصہ مدرس بھی رہے،

انہوں نے "حیات القلوب" کے نام سے کتاب لکھی جس میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی معادیاتی (آخرت کے بارے میں) تعلیمات کا حوالہ دیا گیا ہے۔

یافعی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ

آپ متاخرین مصنفین میں سے صوفی مصنف تھے۔ آپ کا نام محمد بن عبداللہ عفیف الدین یافعی یمنی رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ آپ شافعی المسلک تھے، آپ یمن میں پیدا ہوئے، آپ نے یروشلم، دمشق اور قاہرہ کا سفر کیا اور پھر مکہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں پر 1367 عیسوی میں وفات پائی۔ آپ جامع لکھنے والے تھے۔ آپ نے ایک کتاب "روضة الرياحين في حكايات الصالحين" لکھی جس میں انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے بہت سے اقوال و واقعات درج کئے۔

افلاکی رحمۃ اللہ علیہ

ایرانی سوانح نگاروں میں جنہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک افلاکی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ آپ مولوی سلسلے کے درویش تھے، آپ نے مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ / سوانح لکھی جس کو آپ کے جانشین "مناقب العارفین" کہتے ہیں۔ آپ نے اس میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا بھی ایک واقعہ لکھا ہے جو کسی اور کتاب میں نہیں ملتا۔

الحریفش المصری رحمۃ اللہ علیہ

ایک اور مصنف جنہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں کافی کچھ لکھا اور ان کے کچھ ایسے اشعار بھی درج کئے جو کہیں اور نہیں ملتے الحریفش

المصری رحمۃ اللہ علیہ تھے، انہوں نے 1398 عیسوی میں وفات پائی انہوں نے ''الروضۃ الفائق'' کے نام سے کتاب لکھی جس میں مشہور مرد وزن کے واقعات بیان کیے اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا پر خصوصی طور پر لکھنے کے علاوہ انہوں نے خواتین کے بارے میں یہ ثابت کرنے میں بڑی محنت ومشقت کی کہ قدرت نے ان کو بھی مَردوں کی طرح نوازا ہے اوران کے ساتھ بھی ویسے ہی وعدے کیے ہیں جیسے مَردوں کے ساتھ۔ان کا کام مجموعی طور پر قابل اعتماد ہے۔

تقی الدین الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

آخری لکھنے والوں میں سے ایک جو دمشق کے رہنے والے تھے جنہوں نے نیک مسلمان خواتین کے بارے میں مشہور کتاب '' سیر الصالحات'' لکھی۔اس میں انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا تذکرہ کیا ہے۔ان کی کتاب دلچسپ ہے کیونکہ ان کے پاس مواد کی کمی نہ تھی،ان کا سالِ وفات 1426 عیسوی ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ خراسان میں پیدا ہوئے،آپ نہ صرف بہت بڑے عالم بلکہ بہت بڑے شاعر بھی تھے،آپ نے کئی کتابیں لکھیں جن میں سے ایک ''نفحات الانس'' بھی ہے،اس کتاب کا ایک حصہ خواتین کے لئے مختص ہے اوران میں سب سے پہلا نام حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا ہے۔یہ کتاب نویں صدی ہجری کی تصوف پر ایک گراں قدر تصنیف ہے،کافی ضخیم ہے اور ایران میں تصوف کے موضوع پر آخری کتاب ہے،اس میں 614 نفوسِ قدسیہ کے حالاتِ زندگی درج کیے گئے ہیں جو اگرچہ مختصر ہیں مگر قابلِ اعتماد ہیں۔مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نفحات الانس کے دیباچے میں یوں رقمطراز ہیں کہ:

''شیخ عبداللہ بن محمد انصاری ہروی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجالس میں شیخِ کامل امام عبدالرحمٰن سُلامی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''طبقات الصوفیاء'' پڑھ کر سنایا کرتے تھے، یہ کتاب عربی میں تھی جسے شیخ عبداللہ بن محمد انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہروی زبان میں لکھتے جاتے اور بعد میں یہ کتاب ہی ''طبقات الصُّوفیاء'' کے نام سے ہروی زبان میں ضبطِ تحریر میں آئی، فقیر جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کی تشریح وتوضیح کا بیڑا اُٹھایا اور 881 ہجری میں اسے مکمل کر دیا۔''

آپ نے اس کتاب کو فارسی میں ترجمہ کیا، اس کو بزرگانِ دین کی حالاتِ زندگی تک محدود کر کے اس میں کئی گراں قدر اضافے بھی کیے، آپ نے اس کتاب کے لئے حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''کشف المحجوب'' اور عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے استفادہ بھی کیا، آپ اپنے وسیع علم اور قابلیت کی بدولت بڑی اتھارٹی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ آپ نے اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کر کے تشنگانِ علم کے لئے ایک وسیع میدان مہیا کیا ہے کیونکہ یہ دونوں کتابیں امام سُلامی رحمۃ اللہ علیہ کی ''طبقات الصوفیاء'' جو عربی میں تھی اور شیخ عبداللہ بن محمد انصاری رحمۃ اللہ علیہ کی ''طبقات الصوفیاء'' جو ''ہروی'' زبان میں تھی تا حال شائع نہیں ہوئیں اور ابھی تک مخطوطات کی شکل میں کسی ایک آدھ لائبریری میں محفوظ ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات 1492 عیسوی میں ہوئی۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ

معرفتِ خداوندی کے راز دار، ایک صوفی اور ایک مصنف، پیشے کے لحاظ سے اگرچہ نورباف تھے لیکن اس کے باوجود وہ عظیم عالم بنے (آر۔ اے نکلسن) انہوں نے اپنی

کتاب" لواقع الانوار" جسے " الطبقات الکبریٰ" بھی کہا جاتا ہے میں والی خواتین کے لئے ایک حصہ مختص کیا تھا جس میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا نام بھی شامل تھا لیکن انہوں نے زیادہ تفصیل مصر سے متعلقہ خواتین کو دی جو فطری بات تھی کیونکہ امام رحمۃ اللہ علیہ وہاں کے رہنے والے تھے اور ان کے متعلق معلومات سے بہرہ ور تھے۔ آپ نے 1565 عیسوی میں وفات پائی۔

داؤد الانطاکی رحمۃ اللہ علیہ

آپ انٹیوخ میں پیدا ہوئے اور 1599 عیسوی میں مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے۔ آپ نے " تزئین الاسواق" نامی کتاب لکھی جس میں انہوں نے ابوالسراج کی کتاب "مصاری العشاق" کے حوالے دیئے ہیں لیکن صریحاً ان کے پاس دوسرے حوالے بھی موجود تھے۔ آپ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا نام لے کر تو ذکر نہیں کیا لیکن ایک نامعلوم عورت کے اشعار ضرور لکھے ہیں جس کو انہوں ے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے مشہور اشعار "دو محبتوں" سے جوڑا ہے۔

عبدالرؤف المناوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ قاہرہ کے رہائشی اور بکثرت لکھنے والے تھے، ان کا اہم کام ان کی کتاب "الکوکب الدریہ" ہے جس کے بڑے حصے میں انہوں نے ولی خواتین کا ذکر کیا ہے جس میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بھی شامل ہیں۔ مناوی رحمۃ اللہ علیہ ایک محتاط مصنف تھے، انہوں نے بڑی مشکل سے دونوں رابعاؤں کو خلط ملط ہونے سے بچایا جس میں بہت سے لکھنے والے پھنس گئے تھے۔ انہوں نے علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی سوانح کے ماخذ کے طور پر بیان کیا ہے۔ یقینی طور پر انہوں نے الجائز اور امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ

سے بھی استفادہ کیا۔ ان کا کام قدر و منزلت کا حامل ہے اسی لئے آپ ایک اہم سند کے طور پر جدید مصنفین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ نے 1622 عیسوی میں وفات پائی۔

ابو عبدالرحمٰن السلامی رحمۃ اللہ علیہ

زمانی اعتبار سے ان کا ذکر پہلے آنا چاہیے تھا۔ بہر حال شیخِ طریقت ابو عبدالرحمٰن محمد بن الحسین سلامی نیشاپوری 941 عیسوی میں نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ ان کی مشہور زمانہ تصنیف کا نام "طبقات الصوفیاء" ہے جس کا پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے، یہ کتاب عربی میں تھی اور چوتھی صدی ہجری کے آخر میں لکھی گئی، اس کتاب کی اہمیت اور قدر و منزلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دوست تو دوست دشمنوں نے بھی اس کی تعریف کی ہے، علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ جو مسلک تصوف کے مشہور ناقد تھے نے بھی اپنی کتاب "تلبیس ابلیس" میں "طبقات الصوفیاء" کا ذکر کر کے اس کو سراہا ہے اور اس کا ذکر شیخ حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کے فوراً بعد کر کے ان کو قدیم ترین صوفی مصنفین میں شمار کیا ہے۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ آپ کی کتاب بعد میں آنے والی دو کتابوں کا ماخذ تھی، ایک ابو عبداللہ نصاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب طبقات الصوفیاء اور دوسرے مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب نفحات الانس۔

یاد رہے کہ آپ کی کتاب کا وہ حصہ جو ولی خواتین کے بارے میں تھا تا حال سامنے نہیں آسکا، اور آپ کی کتاب بھی کہیں طبع نہیں ہو سکی اور مخطوطے کی شکل میں کسی لائبریری میں موجود ہے۔ آپ کا سن وفات 1021 عیسوی ہے۔

حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

درج بالا ماخذات وہ بڑے ماخذ تھے جن سے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی زندگی اور ان کی تعلیمات اور دوسری ولیہ خواتین سے معلومات حاصل کی گئیں جبکہ تصوف کی تعلیمات کے بارے میں حضرت ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ، ابو نصر سراج رحمۃ اللہ علیہ، ابو بکر کلاباذی رحمۃ اللہ علیہ،

ابونعیم الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، امام القشیری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب سے استفادہ کیا گیا لیکن ایسی کتابیں اور کچھ نامور شخصیات ایسی بھی ہیں جنہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا نام درج نہیں کیا۔ ان میں سے ایک بڑا نام حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ آپ کا پورا نام ابوالحسن علی بن عثمان بن علی جلابی ہجویری ثم غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ غزنی میں پیدا ہوئے، آپ رحمۃ اللہ علیہ امام القشیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے، پانچویں صدی ہجری میں تصوف کے موضوع پر فارسی میں لکھی جانے والی کتاب جو لاہور میں لکھی گئی ان کی کتاب ''کشف المحجوب'' تھی جو برصغیر میں اسلامی تصوف کے موضوع پر پہلی کتاب تھی۔ دنیائے تصوف میں جو مقبولیت اس کتاب کو ملی وہ کم ہی کسی اور کتاب کو نصیب ہوئی ہوگی۔ آپ نے تصوف پر یہ جامع مقالہ لکھا تھا اور اس میں اپنے ذاتی خیالات بھی سمو دیئے تھے۔ پروفیسر نکلسن نے 1914ء میں اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور ایک محققانہ دیباچہ سپرد قلم کیا 1920ء میں روس کے ایک پروفیسر ژوکوفسکی نے متعدد مخطوطات سے اس کی تصحیح کی اور لینن گراڈ سے اس کو شائع کیا۔ اب اُردو زبان میں اس کے کئی تراجم ہو چکے ہیں اس میں صوفیائے کرام کے اہم عقائد اور قرن اوّل سے چہارم تک صوفیاء کے حالات ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہیں۔ آداب صوفیاء کو مقاماتِ صوفیاء اور مصطلحات صوفیاء کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اسلامی تصوف سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کے لئے کشف المحجوب تصوف میں فارسی کی قدیم ترین کتاب ہے۔ یہ کتاب برصغیر پاک و ہند اور ایران میں بہت مقبول ہے 1079ء میں آپ نے لاہور میں رحلت فرمائی اور لاہور میں ہی آپ کی تدفین ہوئی۔

کچھ گمشدہ ماخذ

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی زندگی اور ان کی تعلیمات کے یقینی طور پر کئی

ماخذ ہیں جواب دستیاب نہیں اور اگر یہ دریافت ہو جائیں تو بڑی وقعت اور قدر کی نگاہ سے دیکھیں جائیں گے، ان میں سے ایک ماخذ ''مناقب رابعہ'' ہے جس کے بارے میں امکانی طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب موجود ہے لیکن تا حال اس کی دریافت کی کوششیں ناکام رہی ہیں۔ اگر یہ قدیم کام ہے یا کسی تنقیدی نقطۂ نظر کے حامل مصنف کا کام ہے اور اگر اس نے اس کے ماخذوں کا ذکر کیا ہے تو شاید یہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی زندگی پر مزید روشنی ڈال سکے کیونکہ ان کے بارے میں تا حال حقیقت میں بہت کم معتبر مواد دستیاب ہے۔

ایک اور گمشدہ سند جو بلاشبہ بہت قیمتی ہو سکتی ہے وہ شیخ ابو عبدالرحمٰن سلامی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''طبقات الصوفیاء'' کا وہ حصہ ہے جو ولی اللہ خواتین کے بارے میں مختص کیا گیا تھا جس کا مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نفحات الانس'' میں اور المنور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اسرار التوحید'' میں اس کا حوالہ دیا ہے۔

اسی طرح ایک اور کتاب جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے وہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی ''صفوۃ الصفوۃ'' ہے۔ حضرتِ علامہ رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں پیدا ہوئے تھے اور انہوں نے 1200 عیسوی میں وفات پائی تھی، ان کی یہ کتاب ابونعیم الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''حلیۃ الاولیاء'' سے ماخوذ تھی اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی سوانح حیات پر مشتمل تھی جس کا ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''وفایات الاعیان'' اور المناوی نے ''کوکب الدریہ'' میں حوالہ دیا ہے۔

علاوہ ازیں دیگر کچھ کتابیں اور ہیں جو دنیا کی مختلف لائبریریوں میں مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں لیکن تا حال طبع نہیں ہو سکیں، ان کا ذکر بھی قدیم ماخذوں میں موجود ہے۔ ان تمام کتابوں اور مواد کے سامنے آ جانے کے بعد حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی زندگی کے کئی گوشے سامنے آنے کی توقع ہے جن پر تا حال پردہ پڑا ہوا ہے اور کئی اختلافی اُمور کے طے ہو جانے کی امید ہے، علاوہ ازیں آپ کی تعلیمات کے کئی پہلو تا حال تفصیل

طلب ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ آئندہ یہ تعلیمات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو کر راہِ سلوک کے مسافروں اور تشنگانِ علم کے لئے راہِ ہدایت پانے کا وسیلہ بنیں گی۔

کلیم النساء صاحبہ

دورِ جدید کا ایک ماخذ محترمہ کلیم النساء صاحبہ کی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی زندگی پر ایک مختصر سوانح حیات ''حیات ابدی'' کے نام سے مارچ 1915ء میں چھپا (صوبہ بہار) میں شائع ہوئی۔ یہ پہلے ایک مضمون کی صورت میں رسالہ ''صوفی'' پنڈی بہاؤ الدین اور اخبار گورکھپور میں شائع ہوئی، قارئین کے پسند کرنے اور حوصلہ افزائی پر اس مضمون میں اضافہ کر کے مختصر کتاب کی صورت دی گئی۔ مصنفہ نے طبع اوّل کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے عارفۂ زمانہ کے حالات ''تذکرۃ الاولیاء، نفحات الانس اور ابنِ خلکان'' سے اخذ کئے ہیں، یہ کتاب اس قدر پسند کی گئی کہ یکم اگست 1918ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن چھاپنا پڑا۔

کتاب کی اوّلین طباعت پر فروری 1916ء میں اخبار مشرق گورکھپور نے اس پر ایک ریویو بھی لکھا جس میں کہا گیا کہ:

> ''اس رسالہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ محض سوانح سے مزین نہیں بلکہ اس میں ایسے کمیاب انتخاب خیالاتِ ولیہ اور جذباتِ بصریہ جابجا پیش کئے گئے ہیں کہ ہم ان کو بار بار پڑھتے ہیں، یہ رسالہ مختصر ہے مگر بڑے کمال سے ترتیب دیا گیا ہے۔''

راقم الحروف کے نزدیک بھی یہ مختصر کتاب بہت سادہ، سلیس اور دل نشین انداز میں لکھی گئی ہے کہ انسان اس کو ایک ہی نشست میں پڑھے بغیر نہیں رہ سکتا، یوں تو کتاب ہذا میں تقریباً وہی واقعات اور اقوال درج کئے گئے ہیں جو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی

دیگر سوانح حیات اور تذکروں میں ہیں لیکن تذکرہ غوثیہ سے مولانا غیاث علی شاہ کی تحریر کردہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی کی ایک روایت حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی ایک طویل قرانی گفتگو بھی موجود ہے جو دیگر کتب میں مختصراً لکھی گئی ہے، یہ گفتگو قارئین کے مطالعہ کیلئے ہم اس کتاب میں لکھ چکے ہیں۔

کتاب کو جابجا خوبصورت فارسی اشعار سے مزین کیا گیا، علاوہ ازیں واقعات کو مختلف عنوانات کے تحت مرتب کیا گیا ہے جس سے کتاب کے حسن اور افادیت میں اضافہ ہوگیا ہے، کتاب میں مختصراً حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے اقوال بھی درج کیے گئے ہیں۔ مصنفہ نے کتاب میں اپنا نام ''والدہ وارثیہ خاتون'' لکھا ہے جبکہ آپ کا اصل نام کلیم النساء تھا اور آپ حاجی سید غنور شاہ الحسامی وارثی کی اہلیہ تھیں۔

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ۔ پی ایچ ڈی

آپ کی تصانیف دورِ جدید کی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا پر سب سے بڑی سند اور اتھارٹی ہیں۔ ڈاکٹر این میری شیمل کے بعد آپ یورپ کی سب سے اہم مستشرق ہیں، آپ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے علاوہ شیخ حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ پر اتھارٹی تسلیم کی جاتی ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ پر ان کی کتاب کے تیرہویں باب میں مسلم اور غیر مسلم ارباب رُوحانیت پر ان کے اثرات واحسانات کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ کی تحقیق کے مطابق قرونِ وسطیٰ کے یہودی اور عیسائی فکر و فلسفہ پر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا گہرا اثر ہوا۔ خصوصاً یہودی حلقۂ علم وادب آپ سے خاصا متاثر ہوا، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے سو سال بعد تک آپ کی تمام کتابوں کے لاطینی اور عبرانی میں ترجمے ہو چکے تھے۔

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ نے اسلام اور تصوف کا گہرا مطالعہ کیا اور اپنی مشہور تصنیف

''الحارث المحاسبی رحمۃ اللہ علیہ'' میں یہ ثابت کیا کہ تصوف کا منبع و مصدر قرآنِ پاک اور حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور اس کے تمام ارکان مثلاً زُہد، ورع، عبادت، قناعت، فقر، توکل، صبر، شکر، فنا، بقا، رضا اور محبتِ الٰہی تمام قرآن وحدیث سے ہی ماخوذ ہیں۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا پر مقالہ

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ صاحبہ نے یونیورسٹی آف لندن سے ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری کے لئے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا پر ایک مقالہ لکھا جو اب کتاب کی صورت میں (نوٹنگھم) سے انگریزی میں شائع ہو چکا ہے جس پر آپ کو یہ ڈگری عطا کی گئی۔ کتاب کا نام ''رابعہ ایک صوفی اور اسلام میں ان کے ساتھی اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین'' ہے۔ کتاب میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی زندگی کے واقعات اور ان کی تعلیمات و اقوال تمام اسناد کے ساتھ بڑی صحت سے درج کئے گئے ہیں حتیٰ کہ آپ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی سوانح کے تمام قدیم ماخذات کے بارے میں کتاب ہذا میں ایک تفصیلی باب لکھا ہے۔

وہ لکھتی ہے کہ:

''حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی زندگی اور تعلیمات کے بارے میں معلومات فراہم کرنے والے کئی ماخذ متفرق اور غیر ثقہ ہیں۔''

اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی کہ اکثر سوانح وتذکرہ نگاران کی وفات کے بہت عرصہ بعد پیدا ہوئے۔ اس زمانی بُعد کی وجہ سے ان کی زندگی کی تاریخ کے بارے میں قصے کہانیوں نے بڑا کردار ادا کیا ہے اور اس میں اچنبھے کی بھی کوئی بات نہیں کیونکہ تمام صوفیاء کی سوانح حیات میں یہ بات عام ہے، تاہم ایک بات کا کم از کم اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ آپ کے بعد آنے والے ان لوگوں میں ان کی کتنی قدر ومنزلت اور احترام تھا جو اس بات کا واضح

ثبوت ہے کہ ان کی اپنی زندگی میں ہی ان کی ساکھ، شہرت اور وقار تھا۔ مسلم علمائے دین عموماً خواتین کو بہت کم اہمیت دیتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ صرف رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی ذات تھی جو اپنے ممتاز کردار کیوجہ سے عظیم صوفی معلم کی حیثیت اختیار کر گئیں۔ آپ نہ صرف اپنے حسنِ عمل اور کردار و تعلیمات کے لحاظ سے منفرد تھیں بلکہ تجرد کی زندگی کے باوجود ان کی حرمت و عصمت بلا تہمت رہی۔

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ نے ایک چھوٹا سا لیکن بڑی اہمیت کا نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ ان کے بعد آنے والے عام اور صوفی مصنّفین ان کی پاکیزگی، سادگی کے نہ صرف معترف تھے بلکہ مسلسل اپنی تحریروں میں ان کا حوالہ دیتے رہے ہیں۔ جس سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ اُن مصنّفین اور ان کے قارئین دونوں کے لئے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ایک معروف اور جانی پہچانی شخصیت تھیں جن کے بارے میں مزید بیان و ذکر کی ضرورت تھی۔

کتاب ''رابعہ دِی مسٹک'' (Rabia The Mystic)

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ صاحبہ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں جو کتاب ''رابعہ دِی مسٹک'' (Rabia The Mystic) کے نام سے لکھی ہے اس میں یہ انداز اختیار کیا گیا ہے کہ اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پھر اس کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، ہر باب میں کئی ذیلی عنوانات ہیں جس سے قارئین کرام کے سامنے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی زندگی کے حالات، واقعات اور ان کی تعلیمات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہیں مثلاً سب سے پہلے ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ کا مختصر سا دیباچہ ہے پھر ماخذات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے، کتاب کے پہلے حصے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا۔ دوسرے اور تیسرے حصے کو بھی پانچ پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

حصہ اوّل

پہلے باب کا عنوان ہے ''رابعہ العدویہ، ان کی پیدائش اور بچپن'' لیکن اس میں ذیلی عنوانات کے تحت، صوفیاء میں خواتین کا مقام، رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا بلند مقام، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی پیدائش اور بچپن، غلامی کے سال، آزادی اور مجاہدے و ریاضت کی زندگی، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اور حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ۔

حصہ دوم

باب دوم کا عنوان ہے تجرد رابعہ کا انتخاب، ان کے ساتھی۔

اب ذیلی عنوانات کو چھوڑتے ہوئے ہر باب کے عنوان کا ذکر کیا جائے گا۔

تیسرا باب (حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی درویشی، ان کی عبادت)

چوتھا باب (مسلمان صوفیاء کی کرامات اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی کرامات)

پانچواں باب (حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی ڈھلتی عمر بیماری اور وفات)

چھٹا باب (حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی تعلیمات، تصوف کا نظریہ)

ساتواں باب (توبہ، صبر اور شکر)

آٹھواں باب (امید و خوف)

نواں باب (فقر، ترکِ دنیا، توحید، توکل)

دسواں باب (عشق، عرفان، کشف، وحدت)

گیارھواں باب (قبل از اسلام اور اسلام کے ابتدائی دور میں مسلم علاقوں میں خواتین کی حالت)

بارہواں باب (ولی خواتین کا مقام)

تیرہواں باب (تجرد اور درویشانہ زندگی)

چودہواں باب (اولیاء کا گروہ)

پندرہواں باب (جدید اسلام میں صوفی خواتین کا گروہ)

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ صاحبہ کی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا پر یہ کتاب تمام نئے لکھنے والوں کے لئے ایک ایسا ماخذ بن چکی ہے جس میں سابقہ تمام کتابوں کے حوالے موجود ہیں، اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحبہ نے کتاب کا جو پیٹرن بنایا تھا، تمام نئے لکھنے والے اسی کے تتبع میں لکھ رہے ہیں۔

............تمت بالخیر............

کتابیات

☆ قرآن کریم فرقانِ مجید

☆ صحاحِ ستہ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، نسائی)

☆ تفسیرِ مظہری

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

☆ تاریخ ابن خلدون

عبدالرحمٰن بن خلدون رحمۃ اللہ علیہ

☆ طبقات ابن سعد

علامہ ابوعبداللہ بن محمد بن سعد البصری رحمۃ اللہ علیہ

☆ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ

دانش گاہ پنجاب لاہور

☆ حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفاء

امام حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ

☆ تذکرۃ الاولیاء

شیخ فریدالدین عطار نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ

☆ ذکرِ جمیل (شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ)

مترجم: جناب ڈاکٹر محمود الرحمٰن

☆ Rabia The Mystic

ڈاکٹر مارگریٹ سمتھ

☆ کتاب اللمع

ابونصر سراج طوسی رحمۃ اللہ علیہ

☆ کشف المحجوب

حضرت ابوالحسن سید علی عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

☆ رسالہ قشیریہ

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری رحمۃ اللہ علیہ

☆ فتوح الغیب

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

☆ الفتح الربانی

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

☆ عوارف المعارف

شیخ ابوحفص عمر بن محمد شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

☆ قوت القلوب

شیخ ابوطالب المکی الحارثی رحمۃ اللہ علیہ

☆ احیاء العلوم الدین

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

☆ کیمیائے سعادت

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

☆ طبقات

امام عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ

☆ نفحات الانس

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

☆ گلشن راز

محمود شبستری رحمۃ اللہ علیہ

☆ شرح العقائد النسفیہ

علامہ سدرالدین التفتازانی رحمۃ اللہ علیہ

☆ التعرف لمذهب اهل التصوف

ابوبکر کلابازی رحمۃ اللہ علیہ

☆ روض الریاحین

امام عبداللہ بن اسعد یافعی یمنی رحمۃ اللہ علیہ

☆ کرامات اولیاء

امام عبداللہ بن اسعد یافعی یمنی رحمۃ اللہ علیہ

☆ فوائد الفواد

محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

☆ الابریز

شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ

☆ صفحات نیرات من حیاۃ السابقات

شیخ نذیر محمد مکتبی صاحب

☆ وحدت الوجود و وحدت الشہود

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

☆ تصور وحدت الوجود کا ارتقاء

ڈاکٹر ابوسعید نور الدین

☆ فتوحات مکیہ

شیخ الاکبر حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ

☆ فصوص الحکم

شیخ الاکبر حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ

☆ لوائح جامی

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ

☆ الطواسین

حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ

☆ وحدت الوجود کیا ہے؟

ڈاکٹر الف۔د۔نسیم

☆ فلسفۂ وحدت الوجود

ڈاکٹر ابوسعید نورالدین

☆ جامع کراماتِ اولیاء

علامہ محمد یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

☆ لغات القرآن

علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ

☆ تاریخ المنتظم

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ

☆ الکواکب الدریہ

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ

☆ طبقات الکبریٰ

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ

☆ البیان

الجاہز رحمۃ اللہ علیہ

☆ تذکرۃ الانبیاء

حافظ قاضی عبدالرزاق بھترالوی

☆ تاریخ فلسفۂ تصوف

ڈاکٹر اے آر نکلسن و پروفیسر اے جے آربری

☆ تاریخ تصوف

پروفیسر یوسف سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

☆ مطالعۂ تصوف

ڈاکٹر غلام قادر لون صاحب

☆ حیات ابدی
کلیم النساء بیگم صاحبہ

☆ فلسفہ وحدت الوجود
جناب ڈاکٹر وحید عشرت صاحب

☆ روحانیتِ اسلام
الحاج کپتان واحد بخش چشتی

☆ جمالِ قرب الٰہی
علامہ سید غلام دستگیر نقشبندی مجددی

☆ تصوف اور قرآن
سید مقبول حسین

☆ 786 حکایات اولیاء کرام
نصیر الدین حیدر

☆ تصوف اور جدید دور کا انسان
موسیٰ خان جلال زئی

☆ بزرگ
نواز رومانی

☆ مثالی خواتین اسلام
پروفیسر محمد اکرم رضا

☆ اللہ کے سفیر
خان آصف

☆ دار الشکوہ
محمد سلیم

☆ عام فکری مغالطے
سیّد علی عباس جلالپوری

☆ وحدت الوجود تے پنجابی شاعری

سید علی عباس جلالپوری

☆ سیف الملوک

حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ

☆ کلیات اقبال (اُردو)

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

☆ کلیات اقبال (فارسی)

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

☆ کلیات اکبر الہ آبادی

☆ کلیات خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ

☆ کلیات بابا بلھے شاہ

☆ دیوان مومن

MUHAMMAD BIN QASIM

سترہ سالہ جرنیل کی داستانِ شجاعت

محمد بن قاسم

مصنف

صادق حسین صدیقی

ملبوزا ایڈیٹنگ

گلشن شاہد - امر شاہد

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

سترہ سالہ نوجوان محمد بن قاسم ہماری زیرنظر کتاب کا ہیرو ایک ایسا بے مثال کردار آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے جس کا کریکٹر کچھ یوں اپنی بہادری اور بے مثال ایمانی جذبے کی انوکھی چمک کے ساتھ طلوع ہوتا ہے اور پھر یکدم باطل کے تمام کرداروں کو نیست ونابود کرتے ہوئے کچھ اس طرح سامنے آتا ہے کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ اتنا افسانوی کردار حقیقت میں بھی ہوسکتا ہے۔ اپنے اعلیٰ کردار اور بہادری سے اُس نے ہندوستان کا وسیع علاقہ ہی نہیں فتح کیا بلکہ دُکھی دِلوں کو فتح کرتا ہوا بغیر کسی جبر اور لالچ کے لاکھوں غیر مسلموں کو اسلام سے روشناس کراتا ہوا وہ کچھ یوں تاریخ کا حصہ بن گیا کہ آج بھی اہل نظر حیران ہوتے ہیں۔ اُمید واثق ہے کہ مصنف صادق حسین صدیقی کے قلم سے اِس سترہ سالہ جرنیل کی داستانِ شجاعت نوجوان نسل کیلئے ایک بہترین نمونہ بنے گی۔

ناشران

بک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری
بک سٹریٹ جہلم پاکستان

فون نمبر 0544-614977
فون نمبر 0544-621953
موبائل 0323-5777931
موبائل 0321-5440882

ای میل info@bookcorner.com.pk ویب سائٹ www.bookcorner.com.pk

TARIQ BIN ZIYAD

فاتح اندلس

طارق بن زیاد

عظیم سپہ سالار کی عظمت اور اُمتِ مسلمہ کے عروج، کامرانی،
فیروز مندی اور خوش بختی کی داستانِ جمیل

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

مُصنّف
صادق حُسین صدیقی سَردھنوی

لیکچرر ایڈیشنل
گُلِ شاہد - امر شاہد

ناشران

بک کارنر شوروم
بالمقابل اقبال لائبریری
بک سٹریٹ جہلم پاکستان

فون نمبر 0544-614977
فون نمبر 0544-621953
موبائل 0323-5777931
موبائل 0321-5440882

ویب سائٹ www.bookcorner.com.pk ای میل info@bookcorner.com.pk